موجودہ حالات میں
سیرتِ رسول کا پیغام

پسند فرمودہ

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

تالیف

مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی نقشبندی دامت برکاتہم
خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

تحقیق وتخریج

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
خادم التدریس مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

تفصیلات

کتاب	موجودہ حالات میں سیرت رسول کا پیغام
تالیف	مولانا سید احمد ومیض ندوی (9440371335)
ترتیب	مفتی احمد اللہ نثار قاسمی (۹۹۶۶۴۸۸۸۶۱)
صفحات	۳۰۶
اِشاعت ثانی	سنہ ۲۰۱۷ء مطابق سنہ ۱۴۳۹ھ
قیمت	
کمپوزنگ	مفتی محمد سعید احمد قاسمی (8106575687)

ناشر

دار الدعوۃ والارشاد حیدرآباد

فہرست مضامین

مقدمہ	۱۳
عرض مؤلف	۱۵
عرض مرتب	۱۷

(پہلا باب)   سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --تعارف اور خصوصیات

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -تعارف اور خصوصیات

سیرۃ النبی کے مآخذ	۱۹
قرآن کریم	۲۰
احادیث مبارکہ	۲۰
دورِ رسالت کے عربی اشعار	۲۰
کتبِ سیرت	۲۰
اقسامِ سیرت	۲۱
ہجرتِ مدینہ تا وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۲
سیرتِ رسول کی پہلی قسم	۲۳
سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری قسم	۲۴
دلائل نبوت کا مطالعہ کیوں؟	۲۶
سیرت کی تیسری تقسیم	۲۷
سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات	۲۷
تاریخیت	۲۷
کاملیت	۲۹

جامعیت	۳۰
عملیت	۳۳
ایک اور خصوصیت	۳۳
مطالعۂ سیرت کے مقاصد و فوائد	۳۴
مضامین سیرت	۳۹

ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

(خصائص سیرت پر مشاہیر کے اقتباسات)	۴۱
علامہ شبلی نعمانیؒ اور دلکش پیرایہ	۴۲
سیرت کی جامعیت	۴۳
سب کے لئے ایک ہی اسوہ	۴۵
انقلاب آفریں سیرت	۴۶
توازن واعتدال	۴۸
نبوی کمالات اور انقلاب پر انوکھی تحریر	۴۹
مولانا گیلانیؒ کا البیلا انداز	۵۱
سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت مسلمہ کی غفلت	۵۱

انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے ۵۳

سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے	۵۵

(دوسرا باب) سیرتِ رسول اور ہمارا طرز عمل

سیرت رسول اور ہمارا طرز عمل

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہماری ذمہ داریاں	۵۸

۵۹	سیرت رسول اور ہماری عملی زندگی	
۶۰	سیرت رسول اور دعوت دین	
۶۱	سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دفاعِ سیرت	

سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام

۶۳	ماہِ ربیع الاول اور محافل سیرت	
۶۴	سیرت سبب انقلاب حیات	
۶۶	محافل سیرت کو تہوار نہ بناؤ	
۶۷	سیرت نگار کی ذمہ داری	

عشق رسول جزِ ایمان ہے صرف دعوائے محبت کافی نہیں

۶۹	عشق رسول کا پہلا تقاضہ	
۷۰	دوسرا تقاضہ	
۷۱	تیسرا تقاضہ	
۷۲	چوتھا تقاضہ	
۷۳	پانچواں تقاضہ	

ماہِ ربیع الاول کے جلسہ اور ہمارا طرزِ عمل

۷۵	یومِ پیدائش یا غیروں کی نقالی	
۷۷	تاریخ ولادت وطریقۂ فرحت	
۷۸	۱۲ ربیع الاول کی بے اعتدالیاں	
۸۰	ربیع الاول میں کیا کریں؟	

۸۱	سیرت کی جامعیت کو اجاگر کیا جائے	۞
۸۳	سیرت کے انقلابی پہلو پر زور	۞
۸۴	کرنے کے کام:	۞

یہ کیسی جفا ہے؟ یہ کیسا ہے ظلم!

۸۵	(محبت رسول کے تقاضے اور ہمارا طرزِ عمل)	۞
۸۵	محسن انسانیت کی کرشمہ سازی	۞
۸۶	اشرف المخلوقات پر کرم گستری	۞
۸۸	جفا ہی جفا	۞
۸۹	سنتِ رسولؐ سے دوری	۞
۸۹	اصحاب محمد اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۞
۹۱	اسلاف کا اتباع سنت	۞
۹۱	مسلمانوں کا حال	۞
۹۴	سچی محبت کا ثمرہ	۞
۹۶	حقیقی محبت کا فقدان	۞
۹۷	جانثاری تقاضائے عشق ہے	۞
۱۰۱	عشق و تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطاعت سے ہے	۞
۱۰۳	محبت رِسولؐ کیسے پیدا کی جائے؟	۞
۱۰۴	رفعتِ شانِ مصطفیٰؐ	۞
۱۰۵	عظمتِ رسول میں کوتاہی	۞
۱۰۶	اسلاف کے عظمت رسول پر حیرت انگیز واقعات	۞

۞	عظمت رسول ﷺ کے تقاضے	۱۰۹
۞	عظمت نام پاک کا نمونہ	۱۱۰
۞	ذکرِ رسول ﷺ کی برکات	۱۱۱

تیسرا باب (واقعاتِ سیرت کا پیغام)

واقعاتِ ہجرت کا پیغام

۞	واقعۂ ہجرت۔ایک مطالعہ	۱۱۳
۞	ہجرت کا پس منظر اور مستشرقین کا پروپیگنڈہ	۱۱۳
۞	ایک مغالطہ کا جواب	۱۱۵
۞	ہجرت اور چند حقائق	۱۱۶
۞	ہجرت کا آغاز	۱۱۷
۞	شبِ ہجرت شبِ عشق و امتحان	۱۱۹

واقعۂ ہجرت کی عصری معنویت

۞	ہجرت قرآن میں	۱۲۲
۞	ہجرت احادیث میں	۱۲۴
۞	دین میں ہجرت کا مقام	۱۲۵
۞	قرآن میں ہجرت کی تیاری کا حکم	۱۲۶
۞	آمدم برسرِ مطلب	۱۲۸
۞	ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد	۱۲۸
۞	مسلم معاشرہ قنوطیت کی چادر میں	۱۲۹

۞	اسباب کا پہلو	۱۳۰
۞	ایثار و قربانی	۱۳۲
۞	اسلامی اخوت	۱۳۳

معراج کا پس منظر

۞	موجودہ حالات میں واقعۂ معراج کا پیغام	۱۳۹
۞	عبدیت انسان کی معراج ہے	۱۴۰
۞	کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں	۱۴۱
۞	محدود دائرہ عقل کے لئے ذہنی ارتقاء راہ کشادہ ہوگی	۱۴۱
۞	معاشرتی آداب کی تعلیم	۱۴۳
۞	سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی سے مجھے	۱۴۵

(چوتھا باب) سیرتِ رسول کے نمایاں گوشے

سیرتِ رسول کے چند نمایاں گوشے

۞	سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی	۱۵۴
۞	صفاتِ الٰہی کا مظہر اتم	۱۵۴
۞	سخاوت کی تعریف	۱۵۵
۞	خالی نہ لوٹا جس کے در سے کوئی	۱۵۶

خدمتِ خلق -- سیرتِ رسول کا جلی عنوان

۞	ام المؤمنین کے تاریخانہ جملے	۱۶۴
۞	خدمت خلق کا عملی مظاہرہ	۱۶۴
۞	خدمت خلق کی تاکید	۱۶۶

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

۞	طلب علم کی فضلیتیں	۱۷۰
۞	پہلی اسلامی درسگاہ	۱۷۱
۞	خلافت عباسیہ میں علم کی اہمیت	۱۷۲
۞	۷۰ ملین بچے علم سے محروم	۱۷۴

حضور ﷺ دونوں عالم میں سہارا

۞	جہلاءِ عرب ایک بے سہارا قوم	۱۷۵
۞	ہر مظلوم طبقے کا سہارا	۱۷۶
۞	غلاموں کا مولیٰ	۱۷۷
۞	یتیموں کا والی	۱۷۹
۞	بے کسوں کا سہارا	۱۸۰
۞	سہارا امت کا آخری سہارا	۱۸۲

بے کسوں کی دستگیری اور اسوۂ رسولِ رحمت

۞	مظلوموں کا مسیحا	۱۸۵
۞	ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک	۱۸۷
۞	دعوتِ حق اور اسوۂ رسول ﷺ	۱۸۹

سیرتِ رسول ﷺ میں حسنِ اعتدال کی جھلکیاں

۞	عالم اکبر کا حیرت انگیز منظر	۱۹۳
۞	عالم اصغر کا تعجب خیز منظر	۱۹۴
۞	بے اعتدالی کے نقصانات	۱۹۵

۞	اسوہ رسول اعتدال کا شاہکار	۱۹۶
۞	احادیث میں لفظِ اعتدال	۱۹۷
۞	روحانیت و مادیت میں اعتدال	۱۹۷
۞	عبادات میں اعتدال	۱۹۸
۞	دین و دنیا میں اعتدال	۲۰۲
۞	محبت و نفرت میں اعتدال	۲۰۳
۞	معاملات اور لین دین میں اعتدال	۲۰۴

(پانچواں باب) سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عصری مسائل

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عصری مسائل کا حل

۞	انسان عدم تحفظ کا شکار	۲۰۸
۞	عالمی غربت کا حل	۲۰۹
۞	معاشی بحران کا حل	۲۱۰
۞	نسل پرستی، کرپشن اور خاندانی نظام کا حل	۲۱۰
۞	مغربی معاشرہ غلاظتوں کی آماجگاہ	۲۱۲
۞	منشیات کا انجام	۲۱۲

دختر کشی کا حل اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

۞	یوم خواتین اور کرائم کا ریکارڈ	۲۱۴
۞	اس لعنت سے چھٹکارا کیونکر ہو	۲۱۶
۞	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد باحیات نہ رہنے کی وجہ	۲۱۸
۞	لعنت جہیز دختر کشی کا سبب	۲۱۹

اختلافات کا حل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

۲۲۱	عالم اسلام اور آپسی انتشار	۞
۲۲۳	انتشار و اختلاف کا حل	۞
۲۲۵	اتحاد کو متاثر کرنے والے صفات سے اجتناب	۞
۲۲۷	حل اختلاف کی روشن مثالیں	۞
۲۲۸	اجتماعی معاملہ اختلاف کا حل	۞
۲۳۱	حل اختلاف کے نکات	۞
۲۳۳	صلح حدیبیہ	۞
۲۳۵	حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ	۞
۲۳۵	حل اختلاف کے سات کامیاب اصول	۞
۲۳۷	رحلتِ مصطفیٰ کے بعد پہلا اختلاف	۞
۲۳۸	امت مسلمہ کا نازک اختلاف	۞
۲۳۹	فروعی مسائل میں اختلاف کا حل	۞

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انسانی حقوق

۲۴۲	حقوق انسانی کا ارتقاء	۞
۲۴۳	موجودہ انسانی حقوق حقیقت کے آئینہ میں	۞
۲۴۴	انسانی حقوق اور تصور آخرت	۞
۲۴۵	حقوق انسانی کا جامع تصور	۞
۲۴۵	انسانی حقوق میں فرد اور معاشرہ کی رعایت	۞
۲۴۶	تحفظ جان یا حق زندگی	۞

۲۴۷	تحفظ مال	۞
۲۴۸	تحفظ ناموس	۞
۲۴۸	حق مساوات	۞
۲۴۹	تحفظ آزادی	۞
۲۴۹	آزادیٔ ضمیر کا حق	۞
۲۵۰	پناہ اور معاہدہ کا حق	۞
۲۵۱	عورتوں کے حقوق	۞
۲۵۱	غلاموں کے حقوق	۞
۲۵۲	یتیموں اور کمزوروں کے حقوق	۞

(چھٹا باب) سیرتِ رسول ﷺ اور تربیت اصلاح

سیرتِ رسول ﷺ اور تربیت اصلاح

۲۵۴	معلم انسانیت کا طریق تربیت	۞
۲۵۵	دنیاوعلمی سطح کا لحاظ	۞
۲۵۶	حسن تربیت کا ایک اور نمونہ	۞
۲۵۸	غلطی کا احساس دلانا	۞
۲۵۹	مشاورانہ لب ولہجہ	۞
۲۵۹	نصیحت مختصر ہو	۞
۲۶۰	تحمل وقوت برداشت	۞
۲۶۰	مختلف ذرائع کا استعمال	۞

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسلوبِ دعوت واقعہ ہجرت کی روشنی میں

۲۶۴	واقعہ ہجرت......دعوت کا بنیادی محرک	۞
۲۶۴	واقعہ ہجرت کے دعوتی نکات	۞
۲۶۶	داعی اعلیٰ صفات کا حامل ہو	۞
۲۶۷	داعی جذبہ قربانی سے سرشار ہو	۞
۲۶۷	داعی اولوالعزم ہو	۞
۲۶۸	داعی میں یقین کامل ہو	۞

سیرتِ رسول اور اصلاح معاشرہ

۲۶۹	مادی ترقی نے روحانی قدروں کو پامال کر دیا	۞
۲۷۰	انسانی سماج کی نجات کا نبوی نسخہ	۞
۲۷۱	ایمان راسخ اور یقین کامل	۞
۲۷۲	احساس جواب دہی	۞
۲۷۳	اخوت و بھائی چارگی کی روح	۞
۲۷۴	تربیت اولاد کی	۞
۲۷۵	اصلاح خواتین پر زور	۞
۲۷۶	کسبِ حلال کی تاکید	۞
۲۷۷	اصولِ اصلاح کی رعایت	۞

خاندانی زندگی اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۸۰	اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت بیٹا	۞

۞	بحیثیت باپ	۲۸۱
۞	بحیثیت شوہر	۲۸۴
۞	بحیثیت داماد	۲۸۶
۞	بحیثیت خسر	۲۸۷
۞	بحیثیت سرپرست خاندان	۲۸۸
۞	رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ برتاؤ	۲۸۹

اختتامیہ

نَفَس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۞	روضۂ رسول پر حاضری دینے والوں کی قلبی کیفیات	۲۹۲
۞	روضۂ اطہر کیا ہے؟	۲۹۲
۞	سید ابوالخیر کشفی کی کیفیتِ حاضری	۲۹۵
۞	مولانا ابوالقلم خاموش کے تأثرات	۲۹۶
۞	امجد حیدرآبادی کے تأثرات	۲۹۶
۞	حافظ افروغ حسن کا تأثر	۲۹۸
۞	بشریٰ اعجازی کی زبان کا تأثر	۲۹۸
۞	حافظ خالد لدھیانوی کی منظرکشی	۲۹۹
۞	ریاض حسن چودھری کی حاضری	۳۰۰
۞	فہرست مآخذ	۳۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی

صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم..................

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت ایمان کی علامت اور آخرت میں نجات کا سہارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی قیامت تک انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اہلِ علم اور اصحاب نظر کے زبان وقلم کا محبوب موضوع رہا ہے، مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اصحاب نظر نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر قلم اٹھایا ہے، اور نثر ونظم کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، لیکن یہ موضوع ایسا سدابہار اور تر وتازہ ہے کہ اس کی تر وتازگی اور حلاوت کبھی کم نہیں ہوگی، اصحاب قلم کے سامنے حیاتِ طیبہ کے نئے نئے پہلو سامنے آتے رہتے ہیں اور وہ سیرت نگاری کی بزم سعادت میں شرکت سے سرفرازی حاصل کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ کتاب ''موجودہ حالات میں سیرت رسول کا پیغام'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی صاحب دامت برکاتہم جن کی شخصیت اپنی خدمات کی وجہ سے ریاست اور بیرونِ ریاست اب محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان ہوشمند اور سیال قلم کی دولت سے نوازا ہے، آپ ایک طویل عرصے سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے آرہے ہیں، آپ نے تعلیمی سماجی، معاشی اور دیگر سلگتے ہوئے موضوعات پر سیرت نبوی کی روشنی میں تشنہ لب اصحاب ذوق اور قارئین روزنامہ کی پیاس بجھائی ہے، ان مضامین کا امتیازی پہلو یہ رہا ہے کہ سیرت کے متعلق کسی واقعہ کو اجمالی طور پر بیان کرکے اس سے ملنے والے عملی اسباق کو اخذ کرنے اور موجودہ حالات وواقعات کو سیرت پر منطبق کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ان مضامین کا انتخاب کر کے ان کو چھ ابواب اور اختتامیہ میں تقسیم کر کے کتابی شکل دی گئی ہے، مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ کتاب میں شامل تمام مضامین کی تخریج اور ذیلی عناوین لگا کر مولانا مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے یہ کتاب ان شاء اللہ موجودہ حالات کے تناظر میں صحیح رہنمائی کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی، اور کتب سیرت میں ایک مفید اضافہ ہوگا، قارئین کرام سے خواہش ہے کہ وہ اس کتاب کو اس نقطۂ نظر سے پڑھیں کہ حیات محمدی میں ہماری زندگی کے لئے عبرت و نصیحت کے کیا کیا پہلو موجود ہیں، اور ہمیں کس طرح ان کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ مصنف، مرتب، ناشر اور کتاب کو موجودہ شکل میں لانے کی جد و جہد میں شامل تمام حضرات کی عمر میں برکت عطا فرمائے، ان کے علمی، قلمی اور عملی فیض کو عام و تام فرمائے اور دوسری کتابوں کی طرح اسے بھی ذخیرۂ آخرت اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے۔

محمد جمال الدین

۵/۸/۱۴۳۵ھ

عرض مؤلف

تمام تعریفیں اس رب ذوالجلال کے لئے سزاوار ہیں جس نے رحمۃ للعالمین سرورِ کونین ﷺ کو مبعوث فرما کر ساری انسانیت پر احسان عظیم فرمایا، نبی رحمت ﷺ کی حیاتِ طیبہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، موجودہ دور کے مسائل میں گھری انسانیت کے لئے دامن رسول سے وابستگی کے بغیر چارہ کار نہیں، اقوامِ عالم سیرت رسول سے جس قدر دور ہوتی جائیں گی اس کے مسائل شدید و پیچیدہ ہوتے جائیں گے، خود امت مسلمہ کے سارے مسائل کی بنیاد سیرت سے دوری ہے، تاریخ کے جس دور میں مسلمانوں نے سیرت رسول ﷺ کو حرزِ جان بنالیا وہ مسلمانوں کا تابناک اور زرین عہد کہلایا، وہ جہاں بھی جاتے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی لیکن جب مسلمان سیرت رسول ﷺ سے کنارہ کش ہو گئے تو ذلت وادبار کی گھٹائیں ان پر چھا گئیں، اور اقوام عالم میں وہ بے وزن ہو گئے، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی کی سیرت سے گہری وابستگی پیدا کرلیں، سیرت رسول ﷺ کی اسی اہمیت کے پیش نظر علماء نے اس کی نشر و اشاعت اور اس کے مختلف گوشوں کو نمایاں کرنے نیز موجودہ حالات میں اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا خوب اہتمام کیا ہے، سیرت رسول ﷺ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا جائے اہلِ علم کو کبھی حاصل نہیں ہوتی، رفتار زمانہ کے ساتھ سیرت کے نت نئے گوشے سامنے آتے رہتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب احقر کی کوئی وقیع علمی کاوش نہیں ہے بلکہ مختلف موقعوں پر لکھے گئے مضامین ہیں لیکن ان میں موجودہ حالات میں سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے کے تعلق سے اچھا خاصا مواد آ گیا ہے، فی زمانہ واقعاتِ سیرت کو حصول برکت کے لئے تو خوب پڑھا اور سنا جاتا ہے لیکن اس نقطۂ نظر سے نہیں پڑھا جاتا کہ یہ زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرنے والی ایک متحرک سیرت ہے، زیر نظر مضامین میں حالات حاضرہ میں واقعاتِ سیرت سے حاصل ہونے والے پیغام، سیرت رسول ﷺ کے ساتھ امت مسلمہ کی زیادتی، سیرت رسول ﷺ کے خصوصیات

وامتیازات، سیرت رسول میں تربیت واصلاح کے اصول اور سیرت رسول کے بعض اہم گوشوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے جسے فروگذاشت سے پاک نہیں قرار دیا جاسکتا، اس میں اگر عام مسلمانوں کے لئے کچھ مفید مواد آگیا ہے تو یہ میرے سرپرستوں اور اساتذہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بالخصوص پیر طریقت حضرت شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کی توجہات اور عنایتیں احقر کو شروع سے حاصل ہیں اللہ تعالیٰ حضرت دامت برکاتہم کا سایہ تادیر قائم رکھے، اسی طرح میں حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب دامت برکاتہم کا صدر شعبہ افتاء وصدر مفتی وناظم تعلیمات دارالعلوم حیدرآباد کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ مفتی صاحب نے کتاب کے لئے اپنا قیمتی پیش لفظ عنایت فرما کر ایک طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمائی، یہاں اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ احقر نے سفر حرمیں شریفین کے موقع پر مضامین کے اس مجموعہ کو محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا تھا حضرت نے پورے مضامین پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے غیر معمولی حوصلہ افزائی فرمائی اور بڑی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور باذوق نوجوان عالم دین عزیزم مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب قابل تعریف ہیں کہ ازسرِنو کمپوزنگ کروائی ، ذیلی عناوین وتخریج کا کافی اہتمام کیا اور بڑی محنت سے کتاب کی ترتیب جدید کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو امت کے لئے نافع اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

طالب دعا

سید احمد ومیض ندوی

۵ / جون ۲۰۱۴ء

عرضِ مرتب

حقیقت یہ ہیکہ ہم جیسے ناکاروں کو اکابر علمائے امت اور علم ومعرفت سے آراستہ شخصیات کی خدمت کا موقع مل جانا زہے نصیب وسعادت کی بات ہے کہا جاتا ہیکہ ''چاول کے ساتھ کنکر، سونے کے ساتھ غبار کی بھی قیمت لگ جاتی ہے'' احقر اپنی خدمت کو مثل غبار ہی سمجھتا ہے، حضرت مولانا سید احمد ومیض صاحب نقشبندی عمت فیوضھم کی کتاب ''اعجاز قرآن کے حیرت انگیز نمونے'' ترتیب وتخریج کے بعد نیٹ پر اپلوڈ کی گئی تو کئی اہل علم حضرات نے حضرت والا کی مزید تحریرات کا شدت سے مطالبہ کیا، جس سے آپ دامت برکاتھم کی دیگر تمام کتابوں کو جلد از جلد منظرِ عام پر لانے کا مزید داعیہ پیدا ہوا، آپ کی اکثر کتابیں حیدرآباد کے مختلف اداروں اور کتب خانوں سے کئی بار شاع ہو چکی ہیں، فی زمانہ انٹرنیٹ، واٹسپ وغیرہ عمومی وعالمی ذرائع استفادہ میں سے ہیں، آپ کی تمام کتابیں ترتیب وتخریج کے بعد ''راہِ اسلام ڈاڈ نیٹ'' ویب سائٹ پر اپلوڈ کی جارہی ہیں

حضرت کی تمام کتابوں میں ترتیب کے دوران جو بھی تبدیلی یا حذف عمل میں آیا ہے حضرت والا کی اجازت سے ہے، بندہ نے زیرنظر کتاب میں ذیلی عناوین اور تخریج کا اہتمام کرنے کی کوشش اپنی علمی وعملی سرمایہ کے فقدان کے ساتھ کی ہے، اللہ تعالی اس خدمت کو قبول فرمایے ،اور خامہ فرسائی کی خامیوں سے درگذر فرمایے۔

احمد اللہ نثار قاسمی

خادم التدریس مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

۱۸/صفر/۱۴۳۹ھ،۲۰۱۷ء/۱۱/۸،بدھ

پہلا باب

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔۔تعارف اور خصوصیات

پہلا باب

سیرتِ رسول ﷺ -تعارف اور خصوصیات

لفظ ''سیرت'' سار یسیر سیراً سے ماخوذ ہے جس کے معنی چلنے کے آتے ہیں ''سیرۃ'' طریقہ اور زندگی کے لئے بولا جاتا ہے (معجم مقائیس الفقہ ۳ / ۱۲۰) قرآن مجید میں یہ لفظ حالت اور ہیئت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے ''سنعیدھا سیرتھا الاولی'' (طہ ۲۱:) صاحب لسان العرب کے مطابق ابتدائی لوگوں کی باتوں پر ''سیرۃ'' کا اطلاق ہوتا ہے، (لسان العرب ۴ / ۳۹۰) فنی اصطلاح کی رو سے ''سیرۃ'' کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، محدثین سیرت کو سنت کا مترادف قرار دیتے ہیں، علماء اصول وعقیدہ سیرت سے نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کا طرز زندگی مراد لیتے ہیں، علماء تاریخ سیرت کا اطلاق نبی کے حالات وواقعات اور آپ کے غزوات پر کرتے ہیں، ابتداء میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی کی مناسبت سے غزوات پر لکھی گئی کتابوں کے لئے سیر کا نام دیا گیا، اس لئے کہ غزوات میں چلنے کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ جہاد کے ابواب کے لئے ''ابواب السیر'' کا عنوان اختیار کیا ہے، اس کے بعد فقہاء کرام نے اس میں مزید وسعت پیدا کی، اسلام کے بین الاقوامی قوانین جنگ وصلح کی تفصیلات اور غیر مسلموں سے معاہدات کے لئے سیر کی تعبیر استعمال فرمائی، لفظ سیرت نبی کی جانب منسوب کرتے ہوئے جب سیرۃ النبی ﷺ کو کہا جاتا ہے تو اس میں نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ کے تمام حالات وواقعات آپ کے عادات وشمائل غزوات وسرایا، اقوال، افعال وغیرہ شامل ہو جاتے ہیں۔

سیرۃ النبی کے مآخذ

ویسے سیرت نگاروں نے سیرت النبی ﷺ کے تقریباً مآخذ کا تذکرہ کیا ہے جن سے سیرۃ النبی ﷺ کی تفصیلات اخذ کی گئی ہیں لیکن ان میں سے چار قابل اعتماد مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں (۱) قرآن کریم (۲) احادیث صحیحہ (۳) دورِ رسالت کے عربی اشعار (۴) کتب سیرت۔

قرآن کریم

قرآن کریم سیرت نبوی ﷺ کا سب سے با اعتماد اولین ماخذ ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ سیرت نبوی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، اس عظیم کتاب میں نبی آخر الزماں کے قبل بعثت کے احوال، بعثت کے ابتدائی حالات، دعوتِ اسلام کے مختلف مراحل اور اسلامی آداب و اخلاق کے نمونے پائے جاتے ہیں، قرآن مجید میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہے۔

احادیث مبارکہ

سیرت رسول کا دوسرا اہم مستند مأخذ احادیث ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ نے بڑی احتیاط اور دیانت داری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو احادیث کی شکل میں پہنچا دیا ہے اور ذخیرۂ احادیث میں سفر و حضر کی تمام جزئیات پائی جاتی ہیں، قرآن کریم نے نبی محترم ﷺ کی زندگی سے متعلق جن پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے احادیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے، مآخذ سیرت کی حیثیت سے احادیث اس لئے بھی اہمیت رکھتی ہیں کی کتب احادیث میں صحابہ سے متصل سندوں کا ذکر ہے، سیرتِ رسول کا جو حصہ احادیث سے ثابت ہے وہ استناد کے لحاظ سے دوسرے ذرائع کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دورِ رسالت کے عربی اشعار

اشعار عربوں کا دیوان ہے، اہل عرب شروع سے اشعار میں اپنی تاریخ مرتب کرتے آئے ہیں، دورِ رسالت میں بہت سے وہ صحابہ تھے جنہیں فن شاعری میں کمال حاصل تھا، حضور ﷺ کی شان میں اشعار کہتے تھے جن میں سیرت رسول ﷺ سے متعلق خاصا مواد آگیا ہے، شعراء صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور دیگر معروف ہیں۔

کتب سیرت

احادیث کے علاوہ سیرت نبوی ﷺ کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جنہیں حضرات صحابہ

کرامؓ نے بعد والوں سے بیان کیا پھر تابعین نے ان حالات وواقعات کو اخذ کر کے انہیں کتابوں میں مدون کیا، عہد رسالت میں سیرت نگاری پر توجہ نہیں دی گئی، اس وقت تدوین قرآن کا مسئلہ سب سے اہم تھا، سیرت کی تدوین کا کام سب سے پہلے دوسری صدی میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد میں ہوا، سیرت نبوی ﷺ سے متعلق احادیث پر خصوصی توجہ دینے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبد اللہؓ اور حضرب براء بن عازب نمایاں ہیں ان کے بعد حضرت ابان بن عثمان، حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کا نمبر آتا ہے، تابعین میں بہت سے تابعین نے سیرت کی تدوین پر توجہ دی، اس طرح بتدریج سیرت ایک فن کی شکل اختیار کرتی گئی اور ابن ہشام اور ابن اسحاق جیسے سیرت نگار پیدا ہوئے اور یہ فن آگے بڑھتا گیا۔

اقسامِ سیرت

علمائے سیرت نے استفادہ کی آسانی کے پیش نظر سیرتِ رسول ﷺ کی دو تقسیمیں کی ہیں، ایک تقسیم باعتبار زمانہ اور دوسری تقسیم باعتبار مضامین کے، زمانہ اور حیاتِ رسول کی مدت کے اعتبار سے سیرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ولادت تا بعثت : اس کی مدت چالیس ہے، سیرت کے اس حصہ میں بعثتِ رسول سے قبل جزیرۃ العرب اور عربوں کے حالاتِ مکہ مکرمہ کے مراحل، کعبۃ اللہ کی تعمیر اور اس کے علاوہ اصحاب الفیل کا واقعہ اور دیگر تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

(۲) بعثت سے ہجرتِ مدینہ تک : اس کی مدت ۱۳ / سال ہے، سیرت کے اس حصہ کو عہد مکی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ دعوت و رسالت کا ابتدائی اور اساسی دور ہے، اس عرصہ میں قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوا اس میں زیادہ دلائل توحید، شرک کی مذمت، صفاتِ باری تعالیٰ بعث بعد الموت اور آخرت کا اثبات، جنت و دوزخ پر زور دیا گیا ہے اور مشرکین کی جانب سے پیش آنے والی تکالیف پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، سیرت کے اس حصہ میں دین کی راہ میں اٹھائی جانے والی مشقتوں ہجرت، شعب ابی طالت کا حصار، مختلف قبائل میں اسلام کا تعارف، واقعۂ معراج، بیعتِ

عقبہٴ اولیٰ اور بیعتِ عقبہٴ ثانیہ اور اخیر میں ہجرت الی المدینہ کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

ہجرتِ مدینہ تا وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس کی کل مدت دس سال ہے، اس عرصہ کو عہد مدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتعبیر اور جہاد ودعوت کا دور کہلاتا ہے، اس دور میں مسلمانوں نے اللہ کی راہ میں خوب جہاد کیا اس دور میں ۳۰/غزوات اور ۷۰/ سے زائد سرایا پیش آئیں۔(۱)

اس عہد میں دعوتِ اسلام خوب پھیلی اور قرآن مجید میں اسلامی معاشرہ سے متعلق ضروری احکام کا نزول ہوا۔

مضامین کے لحاظ سے سیرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) سیرتِ رسول کا وہ حصہ جو آپ کے اخلاق شمائل وعادات اور خصوصیات پر مشتمل ہے۔

(۲) سیرتِ رسول کا وہ حصہ جو دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

(۳) سیرتِ رسول کا وہ حصہ جو غزوات اور جنگوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

---

(۱) غزوات کی تعداد میں چار قول ہیں (۱) ستائیس (۲) چوبیس (۳) اکیس (۴) انیس، اور سرایا کی تعداد کے بارے میں پانچ اقوال ہیں، چالیس، پینتیس، اڑتیس، اڑتالیس اور چھپن (سیرت مصطفی :۲/۴۸) دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام غزوات وسرایا کی تعداد میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے چنانچہ:

(۱) البلازری نے فتوح البلدان میں ۱۶ر۔

(۲) قاضی سلیمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین میں ۲۰ر۔

(۳) شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں ۳۵ر۔

(۴) ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ۳۶ر۔

(۵) طبری نے اپنی تاریخ میں ۳۹ر۔

(۶) ابن سعد نے طبقات میں ۸۸ر۔ ۹/غزوات ایسے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں سے جنگ کی تھی یعنی بدر، اُحد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف اور باقی ۱۸/ میں شمشیر کا استعمال نہیں ہوا تھا

سیرتِ رسول ﷺ کی پہلی قسم

جہاں تک آپ ﷺ کے شمائل کا تعلق ہے تو اس کے دو حصے ہیں۔

(۱) حلیہ مبارکہ : جس میں آپ کا قد، رنگ، اعضاء و جوارح کا تناسب ظاہری حسن و جمال آپ کی نشست و برخاست، آپ کی رفتار و گفتار، آپ کے سونے اٹھنے اور لباس کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں، سیرت کے اس حصہ کا مطالعہ درجِ ذیل وجوہ سے ضروری ہے:

(۱) نشست و برخاست اور گفتار و رفتار اور لباس، سونے جاگنے میں آپ کی پیروی کی جاسکے۔

(۲) رسول ﷺ کے حسن و جمال اور ظاہری کمالات کی جانکاری سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ آپ پر اللہ کا کس قدر فضل و احسان ہے کہ آپ کو کامل و مکمل انسان بنایا۔

(۳) آپ کی شکل وصورت جاننے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کسی کو خواب میں آپ کا دیدار ہو جائے تو وہ شکل اس کے موافق ہوگی جیسا کہ اس نے کتابوں میں پڑھا ہے۔

(۲) شمائل کا دوسرا حصہ آپ کے اخلاق وعادات اور اسوۂ حسنہ سے تعلق رکھتا ہے، آپ اخلاق کے اونچے مقام پر فائز تھے، آپ کی سخاوت وشجاعت شرم وحیا عفو و درگذر، صلح و بردباری تقویٰ، انفاق، تواضع، زہد اور ان جیسے اعلیٰ صفات سے متصف تھے۔

حضرت عائشہؓ سے جب لوگوں نے حضور ﷺ کے اخلاق کے تعلق سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کے اخلاق میں سراپا قرآن تھے، یعنی جو کچھ اخلاق قرآن مجید میں الفاظ کی شکل میں پائے جاتے ہیں آپ کی ذاتِ عالی ان کا عملی نمونہ تھی۔(۱)

مفسر ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں : اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جن جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے آپ نے ان پر عمل کیا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ان سے اجتناب کیا، اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر آپ میں ایسے اخلاق ودیعت فرمائے کہ ویسے اخلاق کسی انسان میں

---

(۱) ''کان خلقہ القرآن'' (مسند احمد حدیث السیدہ عائشہ، حدیث: ۲۴۶۴۵) شعبب الارنوط نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔(مسلم حدیث:۷۴۶)

نہیں پائے جاتے بلکہ ان کا کچھ حصہ بھی نہیں پایا جاتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جس عظیم دین کو مشروع فرمایا ویسا دین کسی پیغمبر کو نہیں دیا گیا، آپ میں حیا، سخاوت، شجاعت، صلح، عفو و درگزر رحمت اور دیگر سارے کامل اخلاق اس قدر پائے جاتے تھے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور نہ انہیں بیان کیا جاسکتا ہے"۔(۱)

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری قسم

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ مضامین جن میں دلائل نبوت ذکر کئے گئے ہیں، دلائل نبوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور آپ کی نبوت کی حقانیت پر دلالت کرنے والے دلائل وشواہد مراد ہیں، دلائل نبوت پر مشتمل سیرت کا حصہ اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے عشق میں زیادتی پیدا ہوتی ہے اور آپ کی تمام باتوں پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔

دلائل نبوت میں بعض معنوی ہیں اور بعض حسی ہیں جنہیں معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کی جن دلائل و معجزات کے ذریعہ تائید فرماتے ہیں اور ان سے جن معجزات کا ظہور فرماتے ہیں، اس میں ان کی ذاتی قدرت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، اور اللہ کی جانب سے بطور عطیہ کے ہوتا ہے تا کہ لوگ ان کی تصدیق کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے معجزات کے ذریعہ جھوٹوں کی تائید نہیں فرماتے، چنانچہ جن جن لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا، جیسے کہ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب، مختار بن ابی عبید وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلائل و معجزات حد شمار سے باہر ہیں، امام بیہقیؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کے دلائل و معجزات ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔(۲)

---

(۱)فکان فیه من الحیاء والکرم والشجاعة والحلم والصفح وسائر الأخلاق الکاملة مالایعد ولایمکن وصفه (البدایہ والنہایہ ۸: /۴۵۶ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) الفصول فی سیرۃ الرسول ص ۲۸ فصل اعلام نبوتہ ۱/۹۶

وقوع پذیر ہونے اور پیش آنے کے اعتبار سے علماء نے معجزات و دلائل نبوت کی درج ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) وہ دلائل و معجزات جو بعثت سے قبل پیش آئے، مثلاً سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ سے متعلق بشارتوں کا ذکر، پتھر کا آپ کو سلام کرنا۔(۱) ایام شیر خوارگی کے دوران بنی سعد کے قبیلہ میں سینہ کا چاک کیا جانا۔(۲)

(۲) ایسے معجزات جو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد سے وفات تک پیش آئے ان میں سب سے بڑا معجزہ نزول قرآن کا ہے۔

اس کے علاوہ دعا کے ساتھ فوراً بارش کا ہونا۔(۳) انگلیوں سے پانی کا ابلنا۔(۴) بھیڑیا کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا۔(۵) قریش کے مطالبہ پر چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا(۶) وغیرہ، آپ کے بے شمار حسی معجزے ہیں۔

(۳) ایسی پیشین گوئیاں جو آپ نے اپنی زندگی میں فرمائیں اور وہ آپ کی وفات کے بعد پیش آئیں، مثلاً آپ نے حیرہ اور فارس کے علاقوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مسلمان انہیں فتح کریں گے چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی، آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی فاطمہ ہوگی۔(۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا، ازواج مطہرات میں حضرت زینب کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ سب سے پہلے وہ حضور ﷺ سے جا ملیں گی چنانچہ

---

(۱) إنی لأعرف حجراً بمكة كان يسلم علی قبل أن أبعث إنی لأعرفه الآن (مسلم باب تسليم الحجر بمكة قبل النبوة حديث ۲۲۷۷)

(۲) وقد جمع الأئمة فی ذلک ماز اد علی ألف معجزة (مسلم حدیث: ۲۶۱)

(۳) فمد یدیه ودعا (بخاری باب علامات النبوة فی الاسلام حدیث: ۳۵۸۲)

(۴) "فجعل الماء ينبع من بين أصابعه" (بخاری باب علامات النبوة فی الاسلام حديث ۳۳۷۹:)

(۵) موارد الظمآن الی زائد ابن حبان ۵۱۹:

(۶) فأراهم الشمس شفقتين (بخاری باب القمر حديث ۳۶۵۵:)

(۷) فأخبرنی أنی أول اهل بيته يتبعه فضحكت (بخاری باب مرض النبی صلی الله عليه وسلم حديث: ۴۱۷۰)

ایسا ہی ہوا، آپ نے حضرت عمار کے قتل کی اور حضرت حسن کے معاویہ کے ساتھ صلح کی پیشین گوئی فرمائی تھی ویسا ہی ہوا۔(۱)

(۴) ایسی پیشین گوئیاں جو اب تک پیش نہیں آئیں لیکن آئندہ پیش آنے کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے جیسے علامات قیامت، دجال کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ۔

دلائل نبوت کا مطالعہ کیوں؟

دلائل نبوت کا مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، ان دلائل کو دیکھ کر انسان تو انسان حیوانات، جمادات اور نباتات نے بھی آپ کی نبوت کی گواہی دی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: سوائے نافرمان جنوں اور انسانوں کے آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔(۲)

(۱) ایمان ویقین میں اضافہ: جب کسی مسلمان کے سامنے آپ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل آئیں گے تو لامحالہ اس کے یقین میں زیادتی ہوگی، دلائل کے بعد مومن کو معرفت والا ایمان حاصل ہوتا ہے۔

(۲) محبتِ رسول میں اضافہ: ایک مؤمن جس قدر آپ کے کمالات سے واقف ہوگا آپ سے محبت بڑھتی جائے گی، کمالات اور خوبیوں سے واقفیت آدمی کو متاثر کرتی ہے اور اس سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) ایمان ومحبت میں اضافہ: رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر آمادہ کرتا ہے، رسول سے جتنی سچی محبت ہوگی اور آپ کی رسالت پر جتنا مضبوط یقین ہوگا اتنا ہی آپ کی اتباع کا شوق پیدا ہوگا۔

(۴) دلائل نبوت کے مطالعہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے مومن کو غلبہ اسلام کا یقین حاصل ہوگا، حالات چاہے کتنے ہی مایوس کن ہوں اور باطل چاہے کتنا ہی طاقتور ہو مومن کو یقین ہوگا کہ اسلام

---

(۱) بخاری حدیث نمبر ۷۴۴ ۔ب ۲۰۳۷ (۲) مسند احمد/ ۲/ ۱۷۱، مستدرک حاکم ۳ / ۴۲۲

ہی آخر کار غالب آئے گا، چونکہ مومن آپ کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھتا ہے اور آپ نے اسلام کے غلبہ کی بار بار پیشین گوئی فرمائی۔

سیرت کی تیسری تقسیم

سیرتِ رسول ﷺ کا تیسرا حصہ وہ ہے کہ جو غزوات وسرایا پر مشتمل ہے، اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی کے لئے آپ نے کفار کے ساتھ جہاد فرمایا، مکی زندگی کے ۱۳/ سال آپ کو جہاد کی اجازت نہیں دی گئی، مدینہ ہجرت کے بعد جب کفار کی جانب سے تعاقب ہونے لگا تو اللہ کی طرف سے آپ کو کفار کے ساتھ قتل کی اجازت دی گئی، مدنی زندگی میں آپ ۳۰/ غزوات میں شریک رہے اور سریے روانہ فرمائے، سیرتِ رسول کا یہ حصہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

سیرت رسول ﷺ کی خصوصیات

دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اپنے اندر غیر معمولی خصوصیات رکھتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سید الانبیاء بنایا اور آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا، دیگر انبیاء کی نبوت مخصوص قوم اور مخصوص علاقوں کے لئے ہوئی تھی لیکن آپ کی نبوت زمان ومکان کے حدود سے ماوراء ہے، آپ کو ساری دنیا اور قیامت تک آنے والی انسانیت کا نبی بنایا گیا، چونکہ آپ کی نبوت ورسالت قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپ کی سیرت کو ہمہ جہت کامل ومکمل بنایا گیا۔

سیرتِ رسول ﷺ کی نمایاں خصوصیات وہ ہیں جنہیں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے خطبات میں پیش کیا ہے، علامہ نے آپ کی سیرت کی چار ایسی خصوصیات کا انتخاب کیا ہے جن کے تحت ساری خصوصیات شامل ہو جاتی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) تاریخیت (۲) کاملیت (۳) جامعیت (۴) عملیت

تاریخیت

تاریخیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ تاریخی طور پر محفوظ اور مستند روایات

سے منقول ہے، آپ کی سیرت جس طرح مستند اور باوثوق ذرائع سے محفوظ ہے اس طرح دوسرے پیغمبروں کی سیرت محفوظ نہیں، اور یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اور قیامت تک لئے آپ کی نبوت کو جاری رکھا، جس کا لازمی تقاضہ تھا کہ آپ کی سیرت تاریخی طور پر محفوظ کی جائے، علاوہ ازیں کسی قابل اقتداء انسانِ کامل کی زندگی دوسروں کے لئے اسی وقت نمونہ بن سکتی ہے جب وہ تاریخی طور پر محفوظ ہو، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: ''انسان کی ایک سائیکلوجی یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیر پا اور گہرا اثر نہیں لیتیں اس لیے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اجزاء کی تاریخیت پر یقین ہو یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا، دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرتِ کاملہ کے نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی وتقلید کریں لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابل عمل اور پیروی وتقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں''۔(۱)

تاریخی طور پر محفوظ ہونا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا امتیاز ہے دنیا کے کسی پیغمبر یا کسی بھی قدیم مذہبی شخصیت کی سیرت کو تاریخیت کا امتیاز حاصل نہیں، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ شامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا کچھ اور حال نہ جانا حضرت نوح ،حضرب ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہم الصلاۃ والسلام کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصے کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں میں بہر حال گم ہیں ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی

---

(۱) خطبات مدراس: ۲۸

تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں (۱) اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ کی سیرت اور آپ کی مبارک زندگی کا ایک پہلو تاریخی طور پر محفوظ ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ''اسلام نے اپنے پیغمبروں کی اور نہ صرف اپنے پیغمبروں کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی ذاتِ مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی وہ عالم کے لئے مایۂ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت ﷺ کے اقوال افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث اور رواۃ یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب سرمایہ روایت تحریری صورت میں لایا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے، اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے''۔

کاملیت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا دوسرا امتیاز کاملیت ہے آپ کی سیرت جس طرح تاریخی طور پر مستند ہے، اسی طرح آپ کی سیرت کے تمام گوشے روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، سیرت کے کسی حصہ پر راز وخفا کا پردہ نہیں ہے، اس معیار پر اگر شارعین ادیان اور بانیانِ مذاہب کی سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہو سکے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی ہے، انبیاء سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آئے ہیں؟ ایک انسان کو اپنی سوسائٹی کے عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق وعادات اور زندگانی کے طور وطریق ہیں اور یہی اجزاء حضرت موسی علیہ السلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں ورنہ عام حالات یعنی اشخاص کے نام ونسب مقامات کے پتے مردم شماریاں اور قانونی اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ کرانولوجی اور قانون دانی کے لئے کسی قدر

(۱) خطباتِ مدارس: ۳۱

ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معریٰ ہیں"

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اس مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے تمام مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب زیادہ کم معلوم ہیں، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ۳۳/ برس کی تھی ،موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں وہ بھی ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں، ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں کہ وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے لڑکپن میں وہ ایک دو معجزے دکھائے،اس کے بعد غائب ہو جاتے ہیں پھر یک وقت ۳۰/ برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں، یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے، تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے، تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں اور کیوں کر گذر گیا ،دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی"۔(۱)

پیغمبر اسلام کی سیرت کے تمام گوشے کس قدر واضح ہیں اس کا اندازہ لگانے صرف شمائل ترمذی کے عنوانات پر نظر دوڑائیے تو پتہ چلے گا کہ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی صحابہ کے سامنے تھی اور صحابہ نے اسے دوسروں تک پہنچایا،کتب سیرت کے صرف عناوین دیکھ لئے جائیں تو آپ کی سیرت کی کاملیت کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

جامعیت

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری خصوصیت جامعیت ہے، آپ کو چونکہ انسانیت کے لئے آئیڈیل بھی بنایا گیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت میں ایسی جامعیت رکھی ہے کہ ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے کے لئے اسی میں عملی نمونہ مل جاتا ہے، جامعیت کی وضاحت کرتے ہوئے

---

(۱) تلخیص از خطبات مدراس: ۳۶

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ’’جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات وروابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی‘‘۔(حوالہ سابق ۷ ۳:) آپ چونکہ تمام انسانوں کے نبی ہیں اور انسانوں میں مختلف طبقات اور حالات سے تعلق رکھنے والے افراد پائے جاتے ہیں، اس لئے سارے انسانی طبقات کے لئے آئیڈیل رکھنے والی سیرت کے لئے جامع ہونا ضروری تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے منفرد اسلوب میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں ’’وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے، اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم مطیع اور فرمانبردار اور رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں اور دوست واحباب بھی تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام و پیشوا بھی غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام انسانوں کو اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے۔(۱)

سیرت کی جامعیت کی مزید تشریح علامہ سید سلیمان ندویؒ یوں بیان فرماتے ہیں ’’غرض ایک

---

(۱) خطبات مدراس ۸۴

ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت اِنسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو ، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر ایک نظر دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاذ اور معلم ہو تو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رکھا ہے، اور مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے"۔

عملیت

آپ ﷺ کی سیرت کی چوتھی خصوصیت عملیت ہے یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا عملی نمونہ خود اپنی سیرت کے ذریعہ پیش فرمایا، کوئی نظریہ اور فلسفہ چاہے کتنا ہی دلآویز اور پرکشش ہو لیکن اگر اس کی عملی شکل نہ پیش کی جائے تو وہ صرف نظریہ اور فلسفہ ہی رہ جاتا ہے، بانیان مذاہب کو پرکھا جائے تو محمد ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا پہلے خود اس پر عملی نمونہ پیش کر کے بتایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرتِ رسول کے عملی پہلو کو خوب واضح کیا ہے، لکھتے ہیں ”آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا، آپ ﷺ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا، وہ الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی اس پر غور کرو، شب و روز میں کم ہی کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے ہر حالت میں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثنا زبان مبارک پر جاری رہتی تھی، آپ ﷺ لوگوں کو نماز کا حکم دیا مگر خود آپ کا کیا حال تھا، عام پیروؤں کو تو پانچ وقت کا نماز کا حکم تھا مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے، مرض الوفات میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف تھی مگر نماز حتی کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، آپ نے روزہ کا حکم دیا ،عام مسلمانوں پر سال میں ۳۰/ دن کے روزے فرض ہیں مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی، کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہیں مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ وہی فقر و فاقہ تھا (حوالہ سابق ص: ۱۰۹)

ایک اور خصوصیت

سیرتِ رسول کی ایک اور خصوصیت کی جانب ڈاکٹر مصطفی سباعی نے اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے

ہیں: ''یہ محمد عربی کی سیرت ہے جو ہمیں ایسی دلیل فراہم کرتی ہے، جو آپ کی رسالت اور نبوت کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتی، یہ ایک انسانِ کامل کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کو لیکر مرحلہ وار آگے بڑھا، معجزات وخوارق بل پر نہیں بلکہ طبعی اور حتمی طریقے سے سارے مراحل طئے کیے، دعوت دی تو ستائے گئے، تبلیغ کی تو انصار واعوان کی جمعیت فراہم ہوئی، جنگ پر مجبور ہوئے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا، آپ کی قیادت حکمت وبیدار مغزی کا شاہکار تھی، آپ کی دعوت قہر وغلبہ کے زور سے نہیں بلکہ ایمان وعمل کے راستے سے پورے جزیرۃ العرب پر چھا چکی تھی، ۲۳ سال کی قلیل مدت میں جس طرح آپ کی دعوت پھیلی، یہ ساری باتیں جو شخص جان لے وہ یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول تھے اور آپ کو جو قوت وطاقت، صبر وثبات اور فتح وتاثیر کئی گئی تھی وہ اس وجہ سے دی گئی تھی کہ آپ درحقیقت اللہ کے نبی تھے اور یہ کہ جو شخص جھوٹا ہو اس کی اس طرح منفرد ونگانہ تائید خدا تعالیٰ نہیں کرسکتا۔ (۱)

مطالعۂ سیرت کے مقاصد وفوائد

سیرت کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟ مطالعہ سیرت کے وہ کونسے مقاصد ہیں جو دنیا وآخرت میں حاصل ہوتے ہیں؟ معلم اور مربی حضرات اپنے تربیتی عمل میں سیرتِ رسول ﷺ سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں جو سیرتِ رسول ﷺ سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں، سیرت کے ایک قاری کو مطالعۂ سیرت کے دوران ان نکات پر خاص نظر رکھنی چاہئے، جب تک مسلمان سیرت کا بامقصد مطالعہ نہیں کریں گے، اس وقت تک عملی زندگی میں سیرتِ رسول سے استفادہ ممکن نہیں، اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا تذکرہ باعثِ خیر وثواب ہے، لیکن آپ کی مبارک سیرت صرف برکت حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ عملی اور حرکیاتی سیرت ہے جو قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، سطور ذیل میں مطالعہ سیرت کے چند فوائد ومقاصد

---

(۱) سیرۃ النبی ﷺ عبرت ونصیحت کالازوال خزانہ

تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک مومن "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کر کے جس چیز کی گواہی دیتا ہے، اس کی تکمیل مطالعۂ سیرت کا ایک مقصد ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرار اور اس بات کی گواہی سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، چار باتیں ضروری ہو جاتی ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت، دوزخ، عالم آخرت، حساب وکتاب اور جتنی ترغیب کی باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی ہیں، ان تمام باتوں کے تعلق سے آپ کو سچا جانا جائے اور آپ کی تصدیق کی جائے۔

(ب) آپ کو رسول ماننے کا ایک تقاضہ آپ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں آپ کے اوامر واحکام کو نافذ کرنا ضروری ہے، قرآن میں جگہ جگہ اس کی وضاحت کی گئی ہے، ارشاد ہے: "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" (نساء ۵۹:)

(ج) آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا، ان سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے، آپ کی منہیات اور ممنوعہ چیزوں میں سب سے بڑی چیز شرک ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہوتا ہے، فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جبکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔(۱)

(د) آپ کو رسول ماننے کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ عبادت اسی طریقہ پر انجام دیں جس طریقہ کی آپ نے تعلیم دی ہے، اس پر اضافہ یا اس میں کمی درست نہیں ہے، جو اس طریقے سے ہٹے گا وہ بدعت کا مرتکب کہلائے گا۔

(۲) مطالعہ سیرت کا ایک اہم مقصد محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اضافہ ہے جس سے اطاعت کی رغبت بڑھتی ہے، اور سنتوں کی پیروی آسان ہوتی ہے، آدمی کو جس سے سچی محبت ہوتی ہے ہر چیز میں اس کی نقالی کرتا ہے، سیرت کے مطالعہ سے قاری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیوں اور کمالات سے آگاہ

---

(۱) أن یجعل للہ نداًو ھو خلقک (بخاری باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب حدیث: ۷۵۲۰)

ہوتا ہے اور کمالات سے واقفیت محبت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے،لوگ عام طور پر چار باتوں کی وجہ سے دوسروں سے محبت کرتے ہیں(۱)حسن وجمال(۲)فضل وکمال(۳)عطاء ونوازش(۴)حسب ونسب کی شرافت، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ میں یہ سارے اسبابِ محبت جمع فرمادئیے، آپ کا حسن بے مثال تھا صحابہؓ نے آپ ﷺ کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی، کمالات ایسے تھے کہ کسی فرد بشر میں بشمول انبیاء کے ان کا تصور ممکن نہیں، مختلف انبیاء کرام میں جو خصوصیات وکمالات انفرادی طور پر تھیں، وہ تمام کمالات آپ میں ودیعت کئے تھے، لیکن ان کمالات سے آگاہی مطالعۂ سیرت کے بغیر ممکن نہیں، سیرتِ رسول کا قاری جب دورانِ مطالعہ ان کمالات سے واقف ہوگا تو اس سے محبتِ رسول میں اضافہ ہوگا۔

(۳)سیرتِ رسول کے مطالعہ کا بنیادی مقصد اقتداء اور اتباع ہے،خود قرآن مجید میں اس کی وضاحت کی گئی ہے،ارشاد ہے: ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ''(الاحزاب ۲۱:) تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے،آپ کی مبارک سیرت کو اللہ تعالیٰ نے کامل ومکمل بنایا جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، پھر اس کے ایک ایک جزکو محفوظ بھی رکھا، ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ اس کو عملی زندگی میں لانا آسان ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی، اسوۂ رسول کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں، اس طرح مطالعۂ سیرت، اتباعِ سنت کا سبب بنتا ہے۔

(۴)سیرت رسول کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ سیرت کے واقعات واحوال سے دروس ونکات کا استخراج کیا جاسکتا، سیرتِ رسول کا ہر واقعہ اپنے اندر بے پناہ اسباق رکھتا ہے،علماء اور اصحاب بصیرت نے واقعاتِ سیرت سے عبرت ونصیحت کے بے شمار پہلو نکالے ہیں، مکی زندگی سے الگ پیغام ملتا ہے، مدنی زندگی کے الگ، واقعۂ ہجرت عبر ونصائح سے معمور ہے، آپ کی سیرت ہر دور میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، سیرت کے گہرے مطالعہ کے ذریعہ موجودہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

(۵)سیرت کے مطالعہ کا ایک مقصد دعوتِ دین کے نبوی طریق کار سے واقفیت ہے،

آپ ﷺ زندگی بھر دعوت دیتے رہے، نبوت کے ابتدائی تین سالوں کے دوران آپ ﷺ نے خفیہ دعوت دی، پھر علانیہ دعوت کا آغاز ہوا، دعوت کی راہ میں آپ کو مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، مختلف قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، مطالعۂ سیرت سے ایک داعی کو معلوم ہوگا کہ کن حالات میں کس قسم کا اقدام کرنا چاہئیے، نیز اسالیب دعوت سے واقفیت ہوگی، آپ ﷺ نے اپنے طریقۂ کار کے ذریعہ ثابت کیا کہ دعوت میں حکمت و دور اندیشی ضروری ہے، زمان ومکان کے فرق سے کس طرح حکمت عملی بدلتی ہے، مدعو کے لحاظ سے کیسے اسالیب بدل جاتے ہیں، آپ نے اپنے اسوہ کے ذریعہ بتایا، آپ ﷺ کے طریقۂ دعوت میں پانچ خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں (۱) داعی کو اپنے کام میں حد درجہ اخلاص کا اہتمام کرنا چاہئے، دعوتی عمل صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو (۲) داعی کے لئے شریعت کے ضروری علم سے واقفیت ضروری ہے ورنہ وہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گا (۳) دعوت کے دوران اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی عظمت وقدرت پر زیادہ زور دے (۴) مدعو افراد کے ساتھ حد درجہ شفقت ورحمت کا معاملہ کرے، گفتگو کا لب ولہجہ نرم ہو (۵) ہر شخص اور ہر موقع کے لیے مناسب دعوتی اسلوب اپنائے۔

(۶) مطالعۂ سیرت کا ایک مقصد رسول اللہ ﷺ کی عبادات ومعاشرت سے واقفیت ہے، سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عبادات ومعاشرت میں اخلاص کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے، نیز عبادات میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، نفس پر طاقت سے زائد بوجھ نہ ڈالتے تھے، عبادات میں سنت کے التزام اور بدعات سے اجتناب کی تلقین فرماتے تھے، آپ عبادات میں جس معمول کو اپناتے اس پر مداومت فرماتے تھے، نیز ذکر اِلٰہی کی کثرت فرماتے، صبح وشام کی دعاؤں کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپ انفاق فی سبیل اللہ اور روزوں کی کثرت فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے، کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہ پہنچنے دیتے تھے، دنیا اور متاع دنیا سے بے رغبتی فرماتے تھے۔

(۷) مطالعۂ سیرت سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ پیش آئے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت ونفرت کا معیار اللہ کی

ذات ہونی چاہئے، خدا کے محبوب بندوں سے محبت ہو، اس کے دشمنوں سے نفرت، چنانچہ اس کے نتیجے میں سیرت کے قاری میں غیر اسلامی تہذیبوں اور نظامہائے زندگی سے نفرت پیدا ہوتی ہے، وہ تہذیب وتمدن میں غیروں کی نقالی سے احتراز کرے گا، صحابہؓ نے اپنے کافر قرابت داروں سے دوری اختیار کی حتی کہ جنگ میں ان کے خلاف صف آراء ہوئے۔

(۸) مطالعۂ سیرت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے قوموں کو ظلم سے آزادی دلانے اور دنیا میں قیامِ امن کے لئے جہاد کا کیا رول ہے، معلوم ہوگا، دنیا میں حقیقی انسانیت، عدل وانصاف اور احترام آدمیت عام کرنے میں جہاد کا اہم کردار ہے، جہاد کے معنی صرف قتال ہی کے نہیں بلکہ وہ اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

(۹) مطالعۂ سیرت سے یہود ونصاریٰ کی سازشوں سے جانکاری حاصل ہوتی ہے، مدنی زندگی میں قدم قدم پر آپ کو یہود ونصاریٰ سے سابقہ پڑا، آپ نے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کئے لیکن یہود نے ہمیشہ عہد شکنی کی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش رچتے رہے، آپ نے ان کی سازشوں کو ناکام بنایا، سیرت کے مطالعہ سے قاری کو معلوم ہوگا کہ آپ نے کس طرح یہودی سازشوں کو ناکام کیا۔

(۱۰) سیرتِ رسول کے مطالعہ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں اللہ کی نصرت کا یقین پیدا ہوگا، آپ ﷺ اور صحابہؓ کے حالات بتاتے ہیں کہ خدا کی نصرت ہمیشہ سچے مسلمانوں کے ساتھ رہی ہے، حالات چاہے کتنے ہی تاریک ہوں لیکن انجام اہلِ حق ہی کا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اس کی گواہ ہے، مطالعۂ سیرت سے معلوم ہوگا کہ جنگ احد، جنگ بدر، غزوۂ احزاب اور دیگر غزوات میں کس طرح نصرتِ خداوندی شامل رہی۔

(۱۱) سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعہ کا ایک اہم فائدہ اخلاقی تربیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اخلاق کی درستگی کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، لیکن سب سے عمدہ شکل یہ ہے کہ ایک مجسمۂ اخلاق شخصیت کی عملی زندگی سامنے رکھی جائے، حضور ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، پیغمبر اخلاق کی سیرت کا مطالعہ آدمی کی اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنتا ہے۔

مضامین سیرت

مضامین سیرت کے ذیل میں آپ ﷺ کی زندگی کے سارے گوشے آتے ہیں، آپ کے ذاتی احوال وواقعات سے لے کر غزوات، دلائل، معجزات، شمائل واخلاق سب کچھ آتے ہیں، ذاتی احوال وسیرت سے متعلق حصہ سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک قبل نبوت دوسرا بعد نبوت، پھر بعد نبوت کا ایک حصہ وہ ہے جو ہجرت الی المدینہ تک جاری ہے، ہجرت الی المدینہ کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے، قبل نبوت سے تعلق رکھنے والے حصے میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش، آپ کے اسماء وصفات، نسب نام، خاندانی خصوصیات، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، آپ ﷺ کے اخلاق، امانت ودیانت، حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایامِ شیرخوارگی، حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا واقعہ، آپ ﷺ کا تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں، بعد نبوت والے حصہ میں غارِ حرا میں عبادت کے لئے قیام، وحی کی ابتداء، خفیہ دعوتِ دین، علانیہ دعوت، مشرکین مکہ کی اذیت رسانی، قریش کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو مختلف ترغیبات کی پیش کشی، طائف کے اندوہناک واقعات، ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، اسراء ومعراج اور قبائل کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا دعوت پیش کرنا، بیعت عقبۂ اولیٰ، بیعت ثانیہ وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے، بعد ہجرت والے حصہ میں واقعۂ ہجرت کی تفصیلات، مسجد نبوی کی تعمیر، انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ، یہودی قبائل کے ساتھ معاہدے، اسلامی حکومت کی تاسیس، دعوتِ اسلام کے لئے وفود کی روانگی اور آنے والے وفود کا استقبال اور غزوات کی تفصیلات آتی ہیں، غزوات وسرایا کی تعداد اس سے قبل ذکر کی جاچکی ہے، مشہور غزوات یہ ہیں:

(۱) غزوۂ بدر کبریٰ...... رمضان ۲ھ

(۲) غزوۂ احد............ ۳ھ

(۳) غزوۂ خندق............ ذی قعدہ ۳ھ

(۴) غزوۂ بنی قریظہ...... ذی الحجہ ۵ ھ

(۵) غزوۂ حدیبیہ.............. ذی قعدہ ۶ ھ

(۶) غزوۂ خیبر اور عمرۃ القضاء............ ذیقعدہ ۶ ھ

(۷) غزوۂ فتح مکہ........... رمضان ۸ ھ

(۸) غزوۂ طائف........... شوال ۸ ھ

(۹) غزوۂ تبوک........... رجب ۹ ھ

ان کے علاوہ کئی غزوات اور سرایا پیش آئے جیسے غزوۂ سویق، غزوہ بنی قینقاع، غزوۂ المریسع، سریہ معونہ، سریہ موتہ، سریہ ذات السلاسل، سریہ عبداللہ بن حذافہ سہی وغیر (۱)

ان کے علاوہ ۹ ھ عام الوفود اور حجۃ الوداع، وفات نبوی ﷺ سے پہلے کے واقعات اسامہ بن زید کی فلسطین کو روانگی پھر وفاتِ رسول، یہ سیرت کے چند مشہور عنوانات ہیں، ذیلی تفصیلات سیرت کی مفصل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، حالات وسوانح سے تعلق رکھنے والے ان مضامین کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) شمائل نبی ﷺ　　　(۲) خصائص نبی ﷺ

(۳) دلائل نبی ﷺ　　　(۴) اخلاق نبی ﷺ

---

(۱) (۱) غزوۂ ودان یا ابواء صفر ۲ ھ (۲) غزوۂ بواط ربیع الاول ۲ ھ (۳) غزوۂ سفوان جمادی الاول ۲ ھ

(۴) غزوۂ ذوالعشیرہ جمادی الآخر ۲ ھ، (۵) غزوہ بدر الکبریٰ رمضان ۲ ھ

(۶) غزوہ بنو قینقاع شوال ۲ ھ (۷) غزوہ سویق ذی الحجہ ۲ ھ

(۸) غزوہ قرقرۃ الکدر محرم ۳ ھ (۱۰) غزوۂ نجران یا بنو سلیم جمادی الاول ۳ ھ

(۱۱) غزوہ حمراء الاسد شوال ۳ ھ، (۱۲) ۔غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ ھ

(۱۳) غزوہ بدر الموئد ذیقعدہ ۴ ھ، (۱۴) ۔غزوہ ذات الرقاع محرم ۵ ھ

(۱۵) ۔غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول ۵ ھ (۱۶) ۔غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق شعبان ۵ ھ

(۱۷) غزوہ بنو لحیان ربیع الاول ۶ ھ، ا (۸) غزوۂ ذی قرد یا غابہ ربیع الاول ۶ ھ، ان تمام غزوات وسرایا میں شہید اور قتل ہونے والوں کی کل تعداد (۱۰۱۸)

ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

(خصائص سیرت پر مشاہیر کے اقتباسات)

محبوب رب العالمین سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جس پر لوگ چودہ سو سال سے خامہ فرسائی کر رہے ہیں لیکن ہر آنے والے دن کے ساتھ اس کی شادابی اور تروتازگی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کے تعلق سے صاحب قرآن نے وضاحت کی تھی "لا تنقضی عجائبه" (۱) اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ ہر زمانہ میں لوگ اس کے بحر ذخار سے علم کے نئے نئے موتی نکالیں گے۔ جس پروردگار نے قرآن کو ایسی تابانی اور تروتازگی عطا فرمائی اسی رب ذوالجلال نے صاحب قرآن کی سیرت کو اور ان کی حیات مبارکہ کو ایسی متنوع اور ہمہ جہت بنا دیا کہ رہتی دنیا تک اہل علم اور ارباب عقل و دانش اس پر خامہ فرسائی کرتے کرتے تھک جائیں گے لیکن "سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے" کے مصداق بالآخر یہ اعتراف عجز پر خود کو مجبور پائیں گے۔ کوئی مصنف یا قلمکار جب سیرت کے موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قلم میں اچانک جان پیدا ہوگئی، الفاظ وتعبیرات اس کے نوکِ قلم پر اس طرح صف بستہ تیار رہتے ہیں جیسے وہ بزبان حال صاحب قلم سے اپنے انتخاب کی گزارش کر رہے ہوں، اور سیرت پر لکھنے والا یہ قلکار بقول ایک ادیب کے لفظوں کی ایسی آرائش اور جملوں کی ایسی زیبائش کرتا ہے کہ صفحہ کتاب جنت نگاہ اور نغمہ حرف فردوس گوش بن جائے اور الفاظ پھول بن جائیں اور جملے پھولوں کا دیدہ زیب ہار بن جائیں"

عربی زبان کے بعد سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اگر کسی زبان میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہے تو وہ اردو زبان ہے، برصغیر ہندو پاک میں اردو سیرت نگاروں نے سیرت کے ہر گوشے پر خامہ فرسائی کی ہے اور کوثر وتسنیم سے دھلی زبان استعمال کی ہے۔ اسلوب نگارش انتہائی شستہ، انداز بیان

---

(۱) المستدرک أخبار فی فضائل القرآن جملة حدیث: ۲۰۴۰

نہایت موثر اور ہر بات عقیدت و محبت میں ڈوب کر لکھی گئی ہے، سیرت پر لکھنے والے یہی قلم کار جب دوسرے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس میں وہ رعنائی، دلکشی اور قوت بیانی کا زور نہیں دکھائی دیتا جو ان کی سیرت پر موجود تحریروں میں نظر آتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اور دلکش پیرایہ

علامہ شبلی نعمانیؒ مشہور مؤرخ اور سیرت نگار ہیں۔ وہ ولادت باسعادت کی منظرکشی کس قدر دلکش پیرایہ میں کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے: ''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان کے ساتھ سجائی ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرکہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضاء وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ جاں نوازی مسیح سب اسی لئے تھے کہ یہ متاعِ گراں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی عید فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیاں میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گرے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر اور آتش کدہ کفر آزر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آ گئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا پرتو قدس چمک اٹھا''۔

بطور نمونہ یہ عبارت پیش کی گئی ہے، اردو کے دیگر سیرت نگاروں کی سیرت پر پائی جانے والی

تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو جگہ جگہ قلم کی جولانی عبارتوں کی سلاست وروانی اور تعبیرات کی شگفتگی اور دل آویزی نظر آئے گی۔ ایسا محسوس ہوگا جیسے اچانک قلم میں ایک نئی جان پیدا ہوگئی ہو۔

سیرت کی جامعیت

اردو کے معروف سیرت نگاروں نے خصوصیت کے ساتھ سیرتِ رسول ﷺ کے جس امتیازی پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے وہ اس کی جامعیت ہے۔ جس طرح آخری نبی کو عطا کیا گیا دین کامل و مکمل اور تمام انسانی شعبوں کو محیط ہے، اور قرآن مجید ساری آسمانی کتابوں میں جامع کتاب ہے اور شریعت اسلامی جامع و مکمل ہے، اسی طرح خالق کائنات نے ختم نبوت کا فیصلہ فرمایا تو اخیر میں آنے والے انسانی طبقات کے لئے اسوہ بنایا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی جامع بنایا۔ حیاتِ انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے سیرت رسول ﷺ میں نمونہ نہ ملتا ہو۔ اردو زبان کے سیرت نگاروں نے حیاتِ طیبہ پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے سیرت کی جامعیت کو انتہائی خوبصورت پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ پھر سیرت نگاروں میں بھی سیرت نبوی ﷺ کی اس اہم خصوصیت کو اجاگر کرنے میں معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ ”خصائص وامتیازات سیرت“ پر اردو کیا، کسی بھی زبان میں ”خطبات مدراس“ جیسی عظیم الشان کتاب منصہ شہود پر نہیں آسکی۔ ویسے اس کتاب میں سیرتِ رسول اللہ ﷺ کی جامعیت پر ایک مستقل ومبسوط خطبہ ہے۔ یہاں صرف چند اقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں: ”کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات وروابط اور فرائض وواجبات ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی“۔

آگے سیرت کی جامعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''ایسی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہو سکتی ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار پر ایک نظر دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاذ اور معلم ہو تو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار ومددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رکھا ہے، اور مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ گدا اور امیر وغریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسنؓ وحسینؓ کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی واصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور اللہ کے اس آخری عالمی انقلابی آفاقی اور دائمی پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر سیرت اور جامعیت کبریٰ

کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، جو کائنات کی شب دیجور میں ہدایت کا روشن چراغ بن کر آیا"۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کو سمجھنے کے لیے ذرا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"وہ جو کہ بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، دولت مند ایسا کہ اونٹوں پر لدے خزانے کے خزانے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اسے کے گھر میں چولہا تک نہ جلتا ہو، سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پرجوش جانثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چوں وچرا دستخط کر دیتا ہو، با تعلق ایسا کہ عرب کے ذرے ذرے اور پوری امت کے ایک ایک فرد کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی کی اس کو یاد نہ آتی ہو اور عین اس وقت جب کہ اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو تو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ عین اس وقت جب اس پر کشور کشاں فاتح کا شبہ ہوتا ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اس وقت جب عرب کے اطراف سے آآ کر اس کی مسجد میں مال واسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اس کی گھر میں فاقہ کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ اس اقتباس میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں پائے جانے والے متضاد پہلوؤں کی بڑے خوبصورت انداز میں منظر کشی کی گئی ہے۔

سب کے لئے ایک ہی اسوہ

سیرت رسول ﷺ کی جامعیت اور کس طرح نبی کی سیرت سب کے لئے واحد اسوہ ہے، اسے درج ذیل اقتباس سے سمجھئے: "لوگو! تمہیں زندگی گزارنے کا قرینہ سیکھنا ہو، سلیقہ معلوم کرنا ہو، یہ جاننا

---

(۱) خطبات مدراس: ۳۶

ہوکہ تمہارے دن اور تمہاری راتیں کیسے گزریں، تم صاحب اختیار ہوتو اختیار کیسے استعمال کرو؟ حاکم ہوتو حکومت کیسے کرو؟ سپہ سالار ہوتو جنگ کیسے لڑو؟ صاحب ثروت ہوتو دولت کا استعمال کیسے کرو؟ تاجر ہوتو تجارت کیسے کرو؟ اہل علم ہوتم علم کا فیضان کیسے عام کرو؟ انصاف کی مسند پر متمکن ہوتو عدل کیسے کرو؟ صاحب منبر ہوتو کیا انداز اپناؤ؟ کیا وقار بناؤ؟ زبان کھولو تو کیا بولو اور کیسے بولو؟ ادیب ہوتو کیسے لکھو اور کیا لکھو؟۔

تو اے لوگو! تمہارے لئے ایک ہی ذات ہے جس کی طرف دیکھو، جس کی سنو، جو کامل و اکمل ہے، جس میں کوئی خامی نہیں، نقص نہیں، عیب نہیں، تمہارے لئے ہر قدم پر نمونہ ہے۔ مثال ہے، منزل ہے، اول قدم بھی اور آخر قدم بھی۔

مرد مومن را محمدؐ ابتداء است
مرد مومن را محمدؐ انتہاء است

انقلاب آفریں سیرت

حیات تاجدار مدینہؐ انقلاب آفریں سیرت ہے، سیرت کا انقلاب کیا ہے اور نبویؐ انقلاب کیا ہوتا ہے؟ سیرت نگاروں نے اس پہلو کو بھی خوب اجاگر کیا ہے۔ سیرت رسولؐ کے انقلابی پہلو پر مشہور سیرت نگار ماہر القادری کی یہ تحریر سرمہ چشم بنانے کے لائق ہے: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انقلاب و اصلاح کا مجمع البحرین تھی، مگر یہ انقلاب خالص تعمیری انقلاب تھا جس میں قاہریت تھی مگر کس کے لیے؟ شر کو مٹانے اور خیر کو برپا کرنے کے لیے۔ اس انقلاب میں تلوار نے سول سرجن کے نشتر کا کام انجام دیا۔ یہ انقلاب جسموں کا ہی نہیں فکر و نظر اور قلب و ضمیر کا انقلاب تھا، دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہی وہ تنہا انقلاب تھا جس کے لانے والے نے اپنی زندگی ہی میں پوری کامیابی بھی دیکھ لی اور جس نے اپنی تربیت سے ہزاروں میں چھا جانے کی قوت تھی۔ یہ اصلاح ایسی نہ تھی جو چند آدمیوں کو نیک بنانے پر قناعت کر لیتی، اس اصلاح نے نیکی کو ایک غالب قوت بنا کر چھوڑا، اس اصلاح نے باطل اور سر وفساد کے اصول سے

کبھی سمجھوتہ نہیں کیا...... زندگی کا کونسا شعبہ ایسا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب برپا نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا یہ اثر تھا کہ جاہلیت کا ایک نشان مٹ کر رہا، اور اسلامی معاشرت دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا گئی''۔

سیرت رسولؐ کے انقلابی پہلو پر ایک اور سیرت نگار کی تحریر پڑھئے: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں ہے بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے، جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد ہے، وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر مشتمل ہے، ایک پوری جماعت ایک انقلابی تحریک اور ایک ہیئت اجتماعیہ اس کارنامے سے لے کر طائف کے بازار تک، امہات المؤمنین کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی، عمار ویاسر، خالد وخویلد اور بلال ومصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے اوراق ہیں، ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ وگل اور نرگس ونسترن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی زندگی مرقوم ہے۔ وہ قافلہ بہار وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے اس کے ذرے ذرے پر نکہت کی مہریں ثابت کر گیا...... پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی مثال ایک جوہر کے کھڑے پانی کی نہیں ہے کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لیں، وہ ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج وشباب ہے، سیپیاں اور موتی ہیں اور جس کے پانی سے مردہ کھیتوں کو مسلسل زندگی مل رہی ہے، اس دریا کا رمز آشنا ہونے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ رواں رہنا پڑتا ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت کی بہت سی کتابیں پڑھ کر نادر معلومات ملتی ہیں لیکن ہمارے اندر تحریک پیدا نہیں ہوتی، جذبے انگڑائی نہیں لیتے، عزم وہمت کی رگوں میں خون نہیں دوڑتا، ذوق عمل میں نئی حرارت نہیں آتی، ہماری زندگیوں کا جمود نہیں ٹوٹتا، وہ شرار آرزو ہم اخذ نہیں کر پاتے جس کی گرمی نے ایک یکہ وتنہا اور بے سروسامان فرد کو مدتوں

کے جمے ہوئے فاسد نظام کے خلاف معرکہ آراء کر دیا، وہ سوز وساز ایمانی نہیں ملتا جس نے ایک یتیم بے نوا کو عرب وعجم کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا بنا دیا"۔(۱)

توازن واعتدال

نبی کی سیرت میں جامعیت مطلقہ نہیں ہے بلکہ ایسی جامعیت ہے جو اپنے اندر توازن واعتدال لئے ہوئے ہے۔ سیرت نگاروں نے سیرت رسول ﷺ میں موجود توازن واعتدال کو بھی خوب واضح کیا ہے۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں: "دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں، بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کر دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق وقانون کے نظام سوچے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام کیے، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کیے اور بہادرانہ کارناموں کی میراث چھوڑ دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے سلطنتیں چلائیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے فکر درویشی کے عجیب نمونے ہمارے سامنے پیش کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر دکھایا مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگی کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس زندگی کی کسی ایسی شاخ نے چوس لیا اور باقی ساری ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں، ایک پہلو اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلو تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط۔ لیکن نبی ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، ایک گونہ بے خودی بھی ہے، مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے۔ خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے شفقت بھی ہے، کڑا اجتماعی نظم بھی ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے، گہری مذہبیت ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے، قوم کی قیادت میں انہماک ہے، مگر ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی کا بکھیڑا بھی نہایت خوبصورتی سے چل رہا ہے، مظلوموں کی داد رسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ

---

(۱) محسن انسانیت ﷺ: ۱۸

پکڑنے کا اہتمام بھی ہے''۔(۱)

نبوی کمالات اور انقلاب پر انوکھی تحریر

نبوی انقلاب اور کمالات واوصاف پر ایک البیلی تحریر ملاحظہ فرمائیے: ''وہ جس کے غلاموں کی ہیبت سے شاہی ایوانوں میں زلزلے آئے، وہ جس نے انسانیت کو بہیمیت کے چنگل سے چھڑایا، وہ جس کی جبین تابناک سے نور حقیقت شعاعیں نکلیں، وہ جس نے رنگ ونسل اور حسب ونسب کے بجائے فضیلتوں کا نیا نصاب مرتب کیا، وہ جس کے محراب یقین میں کہکشاؤں کے جھرمٹ جھومنے لگے، وہ جس کے شرف سے انسان کی مٹتی ہوئی قدریں پھر سے بحال ہوئیں، وہ جس کی بدولت حوا کی بیٹی کے برہنہ سر پر چادر آئی، وہ جس کی آمد سے ابلیسیت کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی، وہ جس کی وجہ سے رنگ ونسل کے بت پاش پاش ہوئے، وہ جس کی وجہ سے جبری زنجیروں میں جکڑے غلاموں کے سروں پر آزادی کا سورج طلوع ہوا، وہ جس کی وجہ سے سسکتی انسانیت کے آنگن میں خوشیاں رقص کناں ہوئیں، وہ جس کے ظہور سے آسمانوں میں بھی خوشی کے شادیانے بجے، وہ جس کے عرش بریں سے فرش بریں پر فروکش ہونے سے ظلم وستم کی تاریکیوں نے رخت سفر باندھا، وہ جس کی وجہ سے مقتل گاہوں میں خاک اڑی، وہ جس کی وجہ سے دامن شہر میں گلشن مہکے، وہ جس کی وجہ سے اجڑے چمن میں بلبل چہکی، وہ جس کی وجہ سے پیاسی زمین میں رحم وکرم کا بادل برسا، وہ جس کے مشکبار نے مشام جاں کو معطر کیا، وہ جس کی وجہ سے نسل آدم کے بخت خفتہ پر پڑے نامرادی کے قفل ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے، وہ جس کی وجہ سے شجر بشر پر صدق وصفا، فقر وغنا، جود وسخا اور لطف وعطا کی شگفتہ کلیاں مہکیں، وہ جس کی وجہ سے کارخانۂ قدرت کی روشنیاں عملی صورت میں مجسم ہوئیں، وہ جس کے لبوں کی ایک ہی جنبش نے گفتار کی دنیا کو عظمت بخشی، وہ جس کی وجہ سے منجمد سوچوں کے قلمر وانسان بھی اضطرابی تحریریں مرتب کرنے لگے، وہ جس کی وجہ سے جبین کائنات پر نوک قلم نے ایک عہد نامہ تحریر کیا، وہ جس کی وجہ سے بڑے بڑے ادیبوں اور انشاء

---

(۱) محسن انسانیتؐ: ۳۸

پردازوں نے تحریروں کا عنصر سیکھا، وہ جس کی وجہ سے جلتے ہوئے رہ گزاروں اور سلگتے ہوئے صحراؤں میں ٹھنڈے پانی کے چشمے پھوٹے، وہ جس کے تربیت یافتہ لوگوں نے فراعنہ، اکاسرہ، نماردہ، قیاصرہ، شدادنہ، قیادنہ جیسے مخلوق خداوندی کا خاتمہ کیا، وہ جس کی وجہ سے تاریک خطوں کے گھپ اندھیروں میں نور ایمانی کی ہفت رنگ کی قوس وقزح بکھرنے اور مچلنے لگی، وہ جس کی محبت کا خورشید مبین جابر سلطانوں کی قہرناکیوں سے تباہ اجڑی بستیوں پر طلوع ہوا، وہ جس کی وجہ سے چمنستانِ سعادت میں شگوفے پھوٹے، وہ جس کی ذات نے شب تاریک کی ظلمت میں مہر عالم افروز کی آمد کا مژدہ سنایا، وہ جس کی زبان مقدس سے نکلا ایک ایک حرف کفر وطاغوت کی شہ رگ کے لئے تیر ونشتر ثابت ہوا، وہ جس نے چشم زدن میں نگاہ حیات کا نقشہ بدل دیا، وہ جس کی وجہ سے خاکدان گیتی کا ہر چپہ ہدایت کے نور سے معمور ہوا، وہ جس نے چارسوئے گیتی میں شاہی وخسروی کو عدم افتخار قرار دیا، وہ جس نے افریقہ کے تپتے صحراء کے حبشی اور برفانی خطہ کے سفید فام میں تقویٰ کو وجہ معیار قرار دیا، وہ جو غریبوں کا والی اور یتیموں کا مولیٰ بن کر آیا، وہ جس نے دشمنوں کے بیچ انہی کا زبان سے صادق اور امین کا لقب پایا، وہ جس کے خمسخانہ جاوید کا نشہ سب پر چھایا، وہ جس کے لئے مدینہ کی دوشیزاؤں نے "طلع البدر علینا" کا نعرہ لگایا، وہ جسے ریت کے ذروں اور درختوں کے پتوں نے سلامی دی، وہ جس کے گرد پا کے تصدق حجاز کے نخلستانوں کے چرواہے خلیفہ راشد بن گئے، وہ جس سے بے زبان مویشیوں نے بھی اپنی مظلومیت کی شکایت کی، وہ جس کے وجود مبارک آفتاب عالم تاب سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، برابر نور اور تابش حاصل کرتے رہے، وہ جس کا ابر باراں پہاڑ جنگل میدان ریگستان، باغ نخلستان ہر جگہ برستا تھا، وہ جس کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں کبھی صدیق وفاروق ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورین اور مرتضیٰ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد وابوعبیدہ اور کبھی سعد وجعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر وابوذر، سلمان اور ابودرداء ہو کر مسجد ومحراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود کی صورت میں علم وفن کی درسگاہ اور عقل وحکمت کی دبستان بن جاتی تھیں، اور کبھی بلال ومصعب کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں"۔

مولانا گیلانیؒ کا البیلا انداز

سیرت پر لکھی گئی مختصر کتاب ''النبی الخاتم'' میں اس کے مؤلف نے جو البیلا انداز اپنایا ہے، اس کی انفرادیت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ اقتباس پڑھئے: ''یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا، پر ایک اور صرف ایک آیا اور آنے ہی کے لئے آیا وہی جو اگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے''۔

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امت مسلمہ کی غفلت

محسن انسانیتؐ کی سیرت از اول تا آخر خیر ہی خیر اور فوز و فلاح کی ضامن ہے، لیکن آج ہم ربیع الاول کی آمد پر اس نبی کی جس قدر تعریف و توصیف کرتے ہیں عملاً اس سے اتنے ہی دور ہیں، امت کی حالت زار پر مولانا آزادؒ یوں ماتم کناں ہیں: ''جب تم اس ماہ کے واقعہ ولادت کی یاد میں خوشیاں مناتے ہو تو اس کی مسرتوں کے اندر تمہیں کبھی اپنا وہ ماتم بھی یاد آتا ہے جس کے بغیر اب تمہاری کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کس کی پیدائش ہے جس کی یاد کے لئے تم سرو سامان کرتے ہو؟ یہ کون تھا جس کی ولادت کے تذکرے میں تمہارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیام ہے، آہ! اگر اس مہینہ کی آمد تمہارے لئے جشن و مسرت کا پیغام ہے کیونکہ اس مہینے میں وہ آیا جس نے ہمیں سب کچھ دیا تھا، تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کسی مہینے میں ماتم نہیں کیونکہ اس مہینے میں پیدا ہونے والے نے جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ سب ہم نے کھو دیا، اس لئے ایک طرف اگر یہ ماہ بخشنے والے کی یاد تازہ کرتا ہے تو دوسری طرف کھونے والوں کے زخم کو بھی تازہ ہو جانا چاہئے، تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو مگر تمہیں اپنے دل کی اجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو مگر اپنے دل کی اندھیاری کو دور کرنے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے، تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر آہ! تمہارے اعمال حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے، تم گلاب کے چھنٹوں سے اپنے رومال و آستین

کو معطر کرنا چاہتے ہو مگر آہ! تمہاری غفلت کے تمہاری عظمت اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کے مشام روح یکسر محروم ہیں۔کاش تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں،تمہارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب وزینت ایک ذرہ نصیب نہ ہوتا،تمہاری آنکھیں رات رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں،تمہاری زبانوں سے ماہِ ربیع الاول کی ولادت کے لئے دنیا کچھ نہ سنتی مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی،تمہاری زبانوں سے نہیں مگر تمہارے اعمال کے اندر سے اسوہ نبیؐ کی مدح وثنا کے لیے ترانے اٹھتے‘‘۔(۱)

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ امت کی حالت کا یوں رونا روتے ہیں: ’’اگر آج ہم اس بڑے امین کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بد دیانتی کا گزر نہ ہوتا،اگر ہم آج اس رؤف ورحیم کے پیرو ہوتے تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے بے اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی،اگر آج ہم نے اس غار حرا کے بیٹھنے والے کے آثار مبارک کو اپنا سرمہ چشم بنایا ہوتا تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی باقی نہ رہ جاتی،اگر آج ہم فاتح بدر کی عظمت دل سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ میں ہمیں شکستیں نصیب نہ ہوتیں،اگر آج ہم رحمۃ للعالمین کے پیام پر سچے دل سے ایمان رکھتے تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ بیگانگی اور مخالفت نہ ہوتی،اگر آج سچ بولنے اور سچ کے برتنے والے نبی کے طریقے پر ہم قائم ہوتی تو جھوٹ کا ہماری آبادیوں میں نام ونشان ہی نہ ہوتا،اگر آج ہم کو اسم مبارک احمدؐ کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد وثنا سے ہمیں اس قدر گریز نہ ہوتا،اگر آج ہم کو اسمِ گرامی محمدؐ سے عملاً کوئی واسطہ ہوتا تو اپنی موجودہ پستی و بدنامی سے یہ مراحل دور ہوتے،آج جبکہ سارے ملک میں میلاد مبارکؐ کی محفلیں آراستہ ہو رہی ہوں گی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانہ قلب میں بھی کچھ دیر کے لیے ذکر پیمبر و یادِ رسولؐ کی محفل گرم کریں‘‘۔

---

(۱) رسولِ رحمتؐ : مولانا ابو الکلام آزاد

انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے

ذرا آج سے چودہ سال قبل کے انسانی معاشرہ پر نظر دوڑائیے! آپ دیکھیں گے کہ اس وقت انسانی بدبختی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، ساری انسانیت نہ صرف مسائل میں گھری ہوئی تھی بلکہ اپنی خودکشی کا سامان فراہم کر چکی تھی، قرآن مجید نے ''وکنتم علی شفا حفرۃ من النار'' (آل عمران: ۱۰۳) کی مختصر مگر جامع تعبیر کے ذریعہ اس دور کا نقشہ کھینچا ہے، دورِ جاہلیت میں وہ کون سا مسئلہ تھا جو انسانیت کے لئے ناسور نہ بنا تھا، انسانی زندگی کا وہ کون سا پہلو تھا جس سے انسانیت رسوا نہ ہوئی ہو، ایسے تاریک اور انسانیت سوز ماحول میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور ۲۳/ سال کے مختصر عرصہ میں آپؐ نے وہ عظیم انقلاب برپا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، حیات انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے محمد عربی ﷺ کی پاکیزہ سیرت نمونہ نہ ہو۔

آج انسانیت ایک بار پھر دورِ جاہلیت کی طرف لوٹ رہی ہے، جسے جاہلیت جدیدہ کہا جاسکتا ہے، اب جاہلی اطوار نیا لبادہ اوڑھ کر سامنے آرہے ہیں، دورِ جاہلیت کا وہ کونسا بگاڑ ہے جس کی ترقی یافتہ شکل موجودہ معاشرہ میں نہ پائی جاتی ہو، آج پھر انسانیت مسائل کے دلدل میں پھنس چکی ہے، دنیا ہر قسم کے نظاموں کو آزما چکی ہے، سارے نظامہائے حیات انسانی مسائل کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں اب انسانیت کے لئے ایک ہی نسخہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے، اور وہ نسخہ سیرتِ رسول ﷺ ہے، آپ ﷺ کی سیرت سے عملی استفادہ ہمیں مسائل کے دلدل سے نجات دلا سکتا ہے، آپ ﷺ کی سیرت میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے دکھ درد کا علاج پنہاں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال، عادت واطوار اور آپ ﷺ سے متعلق تمام تفصیلات کو جس اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا ہے، تاریخ انسانی میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، امام ترمذیؒ کی ''شمائل نبویؐ'' پر نظر ڈالیے، امام بخاریؒ کی ''الادب المفرد'' دیکھیے، علامہ ابن القیمؒ کی

شہرۂ آفاق کتاب ''زاد المعاد'' پڑھیے، آپ کو حیرت ہوگی کہ ذاتِ رسول ﷺ سے متعلق باریک سی باریک تفصیلات تک کا احاطہ کیا گیا ہے، پچھلے پیغمبروں کی شریعت مخصوص علاقہ اور مخصوص مدت کے لئے ہوا کرتی تھی، اس لیے شریعت کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، لیکن آپؐ کی نبوت چونکہ زمان و مکان کے حدود سے بالاتر قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آپؐ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تو دوسری طرف اس میں انتہاء درجہ کی جامعیت رکھی، اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، اس میں شانِ توکل کا عروج بھی ہے اور احوال وظروف کا صحیح ادراک بھی، سپاہیانہ جفاکشی اور قائدانہ احتشام بھی ہے اور راہبانہ زہد و سادگی بھی، اس میں خلوت کا سوز و گداز بھی ہے اور جلوت کے روح پرور نظارے بھی، اپنوں کے ایثار و قربانی کے لازوال نقوش بھی ہیں اور دشمنوں کی عداوت کی تیز و تند آندھیاں بھی، عشق و محبت کے والہانہ نمونے بھی ہیں اور دشمنوں کی جانب سے بغض و نفاق کی دہکتی آگ بھی، مشکلات و مصائب کے طوفان بھی ہیں اور فتوحات کی شادکامیاں بھی، غرض یہ کہ پوری سیرت حرکتِ مسلسل، سراپا انقلاب، عمل پیہم، عزم جواں اور جوشِ رواں کی جیتی جاگتی تصویر اور حسین مرقع ہے، بقول ایک سیرت نگار کے: ''آپ ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ ایک تاریخی طاقت کی داستاں ہے، وہ زندگی کے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی سیرت نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روئیداد ہے، وہ عالم انسانیت کے معمار کی سیرت ہے، آپؐ کی سیرت غارِ حرا سے غارِ ثور تک، حرم کعبہ سے طائف کے بازاروں تک، امہات المؤمنین کے حجروں سے میدانِ جنگ تک، چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے''۔ اس جامعیت کے ساتھ سیرت کی دوسری حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ میں کامل و مکمل ہے، سیرت رسول اللہ ﷺ کے جس شعبہ کو دیکھئے، ایسا لگتا ہے کہ آپؐ اسی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، دعا و مناجات کے باب کا مطالعہ کیجئے تو ایسا لگے گا کہ شاید حضور ﷺ کی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ یہی ہے، غزوات و سرایا کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ آپ ﷺ کا اصل کمال اسی کے اندر ہے، جوہر شناسی اور مردم گری کی صفت

دیکھیں تو احساس ہوگا کہ شاید آپ کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے، گھریلو زندگی کا مطالعہ کیجئے تو ایسا نظر آئے گا کہ سب سے زیادہ عملیت، بے ساختگی اور لطف و محبت کے نمونے اسی جگہ ملتے ہیں، صحابہ سے تعلقات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کی محبوبیت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے، الغرض آپ ﷺ کی زندگی کا ہر شعبہ انتہائی کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے

علاوہ ازیں آپؐ کی سیرت عجیب انقلابی تاثیر کی حامل ہے، یہ دراصل انسانی اصلاح کا جامع نظام العمل ہے، اس کی روشنی میں دنیا میں بسنے والی ہر قوم اپنی اصلاح کا سامان فراہم کرسکتی ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: ''سیرت محمدیؐ دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم وروح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل اور طور و طریق کی اصلاح و درستی کرسکتا ہے، اسی لیے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسولؐ کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کو اس کی ضرورت ہے، سیرت محمدیؐ دنیائے اسلام کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چوں کہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں ہے اس لیے تمام تر انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ ہے''۔

سیرتِ رسولؐ امتِ مسلمہ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، یہی ہماری طاقت و قوت کا حقیقی سرچشمہ ہے، ہمارے دشمنوں کو بخوبی اندازہ ہے کہ مسلمان جب تک دامن رسول اللہؐ سے وابستہ رہیں گے انہیں زیر نہیں کیا جاسکے گا، ان کی ایمانی حرارت اور جوش ایمانی کا مقابلہ تیغ و تفنگ سے نہیں کیا جاسکتا، دشمنوں کو علم ہے کہ مسلمانوں میں پایا جانے والا سارا جوش و ولولہ سیرتِ رسولؐ سے وابستگی کا نتیجہ ہے، اس لئے دشمن چاہتے ہیں کہ اس سیرت سے ہمارا رشتہ کمزور پڑ جائے، چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ نہ صرف ہر قسم کے حربے استعمال کررہے ہیں، بلکہ عالمی ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے اس کے خلاف عالمی سطح پر مہم چلائی جارہی ہے، چنانچہ ڈنمارک سے شروع کی گئی مذموم حرکت اسی مہم کا ایک حصہ ہے، ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان نبی کریم ﷺ سے اپنا

رشتہ مضبوط سے مضبوط تر کریں، انفرادی واجتماعی سطح سے ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعہ امت میں سیرتِ رسولؐ سے گہری وابستگی پیدا ہوجائے، صرف جلسے جلوسوں پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ سیرت سے وابستگی کے لئے عملی اقدامات کیے جائیں، ہماری زندگی سیرت کا جیتا جاگتا نمونہ بن جائے، روزمرہ کے معمولات میں سنتوں کا اہتمام کریں، بچوں کی تربیت سیرتِ رسولؐ کے خطوط پر کریں، ہر طبقہ اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے سامنے اس پیشہ سے متعلق اسوۂ نبوی پیش کریں، ہماری پستی کا یہی واحد علاج ہے، سیرتِ طیبہ سے دوری نے ہی ہمیں پستی کے غاروں میں ڈھکیلا تھا، آج اسی سے وابستہ ہوکر ہم سرخرو ہوسکتے ہیں۔

دوسرا باب

سیرت رسول اور ہمارا طرز عمل

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہماری ذمہ داریاں

ربیع الاول کی آمد کے ساتھ مسلمانوں میں ایک غیر معمولی جوش دیکھا جاتا ہے، ہر طرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلسوں کا ایک سماں بندھ جاتا ہے، جگہ جگہ جشن کا منظر نظر آنے لگتا ہے، لوگ غیر معمولی جوش وخروش کے ساتھ جلسہ ہائے سیرت میں شرکت کرتے ہیں، ہر محلہ میں محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد عمل میں آتا ہے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جلسوں کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہماری ذمہ داریاں صرف جلسوں کے انعقاد سے ختم نہیں ہوتیں، سیرت کے جلسوں کے مثبت اثرات کے ساتھ ان کا منفی پہلو یہ ہے کہ مسلمان صرف جلسوں کے انعقاد ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے ہیں، جبکہ سیرتِ رسولؐ سے وابستگی مسلمانوں پر عظیم ذمہ داری عائد کرتی ہے۔

اس وقت امت ایک نازک موڑ سے گذر رہی ہے، اس کی عزت ذلت میں تبدیل ہو چکی ہے، دشمنوں کی یلغار ہے، عالم اسلام کی طاغوتی قوتوں کے آگے بے بس نظر آرہا ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں خون مسلم کی ارزانی ہے، مسائل کے اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ امت مسلمہ پورے طور پر سیرتِ رسول سے وابستہ ہو جائے، سیرتِ رسولؐ اور اسوۂ حسنہ کو پوری طرح اپنی زندگی میں رائج کرنے کے لیے اجتماعی حیثیت سے امت کو کچھ عملی اقدامات کرنے ہوں گے، اس سلسلہ کا پہلا کام یہ ہے کہ ساری تحریکیں، جماعتیں اور ادارے ملک بھر میں مسلمانوں کو سیرتِ کے جلسوں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ اہلِ علم طبقہ میں مختلف زبانوں میں سیرت کے علمی موضوعات پر مستند کتابیں عام کی جائیں، یہ جلسے اور پروگرام اور تعارف سیرت کی یہ مہم صرف ماہ ربیع الاول تک ہی محدود نہ رہے بلکہ سال کے بارہ مہینے وقفہ وقفہ سے ان کا انعقاد عمل میں آتا رہے، عصری اداروں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبا کے لیے ایسا نصاب تیار کیا جائے جو سیرت رسولؐ وسیرتِ خلفائے راشدین اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہو، اسی طرح چھوٹے بچوں کے لئے ابتدائی درجہ کی عام فہم کتابیں تیار کی جائیں، سیرتِ رسولؐ سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی

جانکاری حاصل کی جائے۔امت کا بڑا طبقہ سیرت کی ابتدائی چیزوں سے نابلد ہے، عصری درسگاہوں میں زیرِتعلیم مسلمان طلباء چونکہ ان کے کورس میں سیرت کا مضمون نہیں ہوتا سیرت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، تعارفِ سیرت کی اس مہم میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سیرت کا ہر گوشہ سامنے آجائے، یہ ایک جامع ترین سیرت ہے، اس میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے کے لیے اسوہ پایا جاتا ہے، مختلف طبقات کے لیے الگ الگ موضوعاتی پروگراموں کا انعقاد بھی ممکن ہے، مثلاً تاجر طبقہ کے اجلاس میں رسول اکرمؐ کی تجارتی تعلیمات پر روشنی ڈالی جائے، خواتین کے اجلاس میں رسول اکرمؐ کی خواتین سے متعلق ہدایات ذکر کی جائیں، قائدین اور رہنماؤں کے اجتماع میں آپؐ کے قائدانہ کردار کو اجاگر کیا جائے، اساتذہ کے مجمع میں تعلیم وتدریس سے متعلق اسوہ نبویؐ کی توضیح کی جائے وغیرہ،تعارفِ سیرت کی اس مہم کو اگر منظم انداز میں روبہ عمل لایا جائے تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

سیرت رسول اور ہماری عملی زندگی

تعارفِ سیرت کے بعد دوسرا مرحلہ سیرت رسولؐ کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کا ہے،اس وقت امت سیرت سے وابستگی کے لمبے چوڑے دعوے کرتی نظر آتی ہے، لیکن اسکی عملی زندگی سیرت رسول سے بہت دور ہے، سیرت سے وابستگی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اعتقادی دوسر عملی، اعتقادی وابستگی کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو خدا کا برحق رسول تسلیم کیا جائے اور آپ کی تعلیمات کو پاکیزہ تعلیمات مانا جائے، یہ صرف اعتقادی وابستگی ہے، عملی وابستگی یہ ہے کہ آپ کی سیرت اور آپ کے طور وطریق کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے، امتِ مسلمہ میں اعتقادی وابستگی تو پائی جاتی ہے لیکن عملی وابستگی میں کافی جھول پایا جاتا ہے، مسلمان نماز کی حالت میں تو سیرتِ رسولؐ کے پابند ہوتے ہیں، لیکن زندگی کے دیگر شعبوں میں وہ خود کو سیرت سے آزاد سمجھتے ہیں ایک مسلمان نماز ویسے ہی ادا کرتا ہے جیسے رسولؐ نے ادا کیا تھا لیکن اس کی تجارت اور معاشرت ویسی نہیں ہوتی جیسے رسولؐ نے کی تھی، اتباعِ سنت اور اسوہ حسنہ کو امت مسلمہ میں عام کرنے کے لئے ملت کے ذمہ داروں کو تعارفِ سیرت ہی کی طرح باقاعدہ مہم چلانا چاہئے، مختلف اداروں اور تحریکوں کے ذریعے نبویؐ کی

سنتوں کی عملی مشق کرائی جائے، گھروں میں والدین اور سرپرست حضرات بچوں کو سنتوں کی عملی تربیت دیں، کھانے کا موقع ہو تو کھانے کی سنتوں پر عمل کرایا جائے، سوتے وقت سونے کی سنتیں بتائی جائیں اور سنتوں کے مطابق سلایا جائے، لباس پہننے کا موقع آئے تو اس کی سنتیں یاد دلائی جائیں، اسی طرح دینی جماعتوں کے ذمہ داروں کی زندگی سیرت رسولؐ کا نمونہ ہو، مساجد میں یومیہ چند سنتوں کی جانب توجہ دلائی جائے، روزمرہ کی زندگی سے متعلق سنتوں کا مستند مجموعہ یاد کیا جائے، جس کو مسلم گھرانوں میں عام کیا جائے، آپؐ کی سنتوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب نورانیت رکھی ہے، سنتوں پر عمل سے دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے، معاملات میں صفائی آتی ہے، معاشرتی زندگی سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

سیرت رسول اور دعوت دین

سیرت رسول کے متعلق مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری دعوت دین کے لئے سیرت کا استعمال ہے، غیر مسلموں میں دعوت کے لئے سیرت رسولؐ کو مؤثر ذریعے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، سیرت رسولؐ کی دعوتی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''غیر مسلم طبقہ پر اتمام حجت کے دو طریقے ہیں : ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کی صداقت کا عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور ہماری عملی زندگی میں لوگ اسلام کی برکتیں اور رحمتیں دیکھ کر اسلام کو نجات و ہدایت کا راستہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی کمالات اور آپؐ کے معجزانہ کیرکٹر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر طبقہ کو اس کی زبان، اس کی سمجھ اور اس کی استعداد کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ رحمۃ للعالمینؐ اور صاحب خلق عظیم رسول کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور پھر اس محسن انسانیت کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو لوگ سچی ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ عزیزیہ ۱۴۱: بحوالہ اخلاقِ رسول اکرمؐ

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دفاعِ سیرت

سیرتِ رسولؐ کے دعوتی استعمال کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں مثلاً یہ کہ مختلف زبانوں میں سیرت سے متعلق مؤثر لٹریچر تیار کر کے عام کیا جائے، غیر مسلموں کے سامنے سیرتِ رسولؐ کے رحمت والے پہلو کو رکھا جائے اور آپؐ کی وہ تعلیمات جو انسانی رواداری اور امن عالم پر مبنی ہیں رائج کی جائیں، مختلف تقریبوں اور عیدوں کے موقع پر غیر مسلموں کو مدعو کر کے سیرت بیان کی جائے، اہل علم طبقہ کے لیے علمی انداز اختیار کیا جائے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے الگ الگ اجلاس بھی منعقد کریں، اسی طرح مسلم ڈاکٹر، ڈاکٹروں کو مدعو کریں، تاجر حضرات غیر مسلم تاجروں کا اجلاس منعقد کریں۔

سیرتِ رسول سے متعلق ایک ذمہ داری سیرت کے دفاع کی ہے، خود مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے، جو سیرت وسنت کا شدت سے منکر ہے، اب اس طرح کی ذہنیت کے حامل لوگوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ امت کے سارے اختلاف اور مسائل کی بنیاد سنت واحادیث ہیں، صرف کتاب اللہ تھامے رہنا چاہئے، یہ لوگ عمل بالکتاب کے عنوان سے قرآن سے دور ہورہے ہیں اسلئے کہ انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہی کی ایک شکل ہے، سیرت وسنت سے متعلق ان حضرات کے شبہات کا دور کرنا علماءِ امت کی اہم ذمہ داری ہے، یہ کام منظم طور پر انجام دیا جانا چاہئے، جن جامعات میں تخصصات کے شعبہ جات قائم ہیں، وہاں اختصاص فی الحدیث کے طلبہ کو فتنۂ انکارِ حدیث کے موضوع پر تیار کرنا چاہئے، علمی دفاع کا کام دیر طلب ہے، خاموش طریقہ سے ایسے علماء تیار کئے جائیں جو منکرین حدیث کے ہر شبہ کا جواب دے سکتے ہوں، اسی طرح اس وقت مسلمانوں کو بچانے کا مسئلہ ہے جو آئے دن فتنۂ انکارِ حدیث سے متاثر ہوتے جارہے ہیں، منکرین حدیث میدان میں پوری طرح سرگرم ہو چکے ہیں، شہر کے مختلف مقامات پر ان کے پروگرام منعقد ہورہے ہیں اور نوجوانوں کو برگشتہ کیا جارہا ہے، اس کے لیے علماء حضرات اپنے خطبوں اور جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ اس موضوع کو زیرِ بحث لائیں۔

سیرت سے وابستگی کے نتیجہ میں عائد ہونے والی ایک اہم ذمہ داری تحفظِ ختمِ نبوت کی ہے،

بہت سادہ لوح مسلمان قادیانیت کا شکار ہو رہے ہیں، عام مسلمانوں کے ذہنوں میں ختم نبوت کا واضح تصور نہیں ہے، اضلاع اور دیہاتوں میں قادیانیت سرگرم ہے، شہروں میں بھی کافی سرگرمیاں جاری ہیں، ربیع الاول کے موقع پر سیرت النبیؐ کے جلسوں کی بھرمار ہوتی ہے، ان جلسوں میں ختم نبوت کے موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے، علاوہ ازیں مختلف تحریکات کے ذمہ دار حضرات قادیانیت سے متأثرہ مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کریں، قادیانیت کا فتنہ جس تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے، امت مسلمہ میں اسی قدر غفلت پائی جاتی ہے، سیرتِ رسولؐ سے وابستگی کا تقاضہ ہے کہ ہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہر چیز کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

ربیع الاول کے موقع سے سیرت کے عنوان سے آج جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا تعلق صرف زبانی خرچ سے ہوتا ہے، جب کہ سیرت سے متعلق عملی ذمہ داریوں سے جی چرایا جاتا ہے، اس وقت امت کو سیرت سے وابستہ کرنے کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام

ماہِ ربیع الاول اور محافل سیرت

ماہ ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہی بڑے جوش وخروش کے ساتھ محافل سیرت کا انعقاد عمل میں آتا ہے، چھوٹے بڑے پیمانے پر جلسے منعقد ہوتے ہیں، ہر طرف سیرت کے تذکرے ہوتے ہیں، ہر زبان پر رسولِ پاک کا نام ہوتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا جاتا ہے، کہیں آپ کی مکی زندگی پر روشنی ڈالی جارہی ہے تو کہیں آپ کی مدنی زندگی کو پیش کیا جارہا ہے، کہیں حضورؐ کے معاشرتی پہلو کو نمایاں کیا جارہا ہے تو کہیں آپ کے سیاسی گوشے کی وضاحت کی جارہی ہے، ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہمارے ذہن میں حضورؐ کی ساری زندگی گھوم جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ رہ رہ کر یاد آنے لگتا ہے، کبھی جنگِ اُحد میں دندانِ مبارک کے شہید ہونے کا واقعہ دل کو ہلا دیتا ہے تو کبھی طائف میں بے یارو مددگار جسمِ اطہر کا لہولہان ہونا ہمیں بے چین کر دیتا ہے، کبھی مکہ کی گلیوں میں کفار مکہ کے سب وشتم کو یاد کر کے تڑپ جاتا ہے تو کبھی حالت نماز میں سر مبارک پر اوجھ کے ڈالے جانے کا واقعہ بے قرار کر دیتا ہے۔

بلاشبہ سیرت کی یہ محفلیں باعث صد رشک ہیں، حضورؐ کے یہ تذکرے دنیا وآخرت میں سعادت کا ذریعہ ہیں، مبارک ہیں وہ زبانیں جو ذکر رسول سے تر ہیں، مبارک ہیں وہ کان جنہیں حضور کا مبارک تذکرہ سننے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، لیکن کیا صرف ان ہی چند چیزوں سے حضورؐ کی سیرت کا حق ادا ہو جائے گا؟ جلسوں میں شرکت اور محافل سیرت کے انعقاد سے ہماری ذمہ داری پوری ہو جائے گی؟ ماہ ربیع المنور کی آمد کے ساتھ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اس مہینہ میں جس مبارک ذات کی سیرت بیان کی جاتی ہے آخر اس کا پیغام کیا ہے؟ سیرت رسول کے پیغام کے دو پہلو ہیں اور ان دونوں گوشوں کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بھی کیا گیا ہے، آپؐ کی سیرت کے پیغام کا ایک پہلو تو وہ ہے جس کے مخاطب مسلمان ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں جو آپؐ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کے ذکر میں راحتِ قلب محسوس کرتے

ہیں، اور دوسرا پہلو وہ ہے جس کی مخاطب ساری انسانیت ہے، مسلمانوں کے لیے سیرت کا پیغام یہ ہے کہ آج بھی آپؐ کی سیرت ہمیں جھنجھوڑ رہی ہے اور ہمارے قول وفعل اور ظاہر و باطن کے تضاد پر ماتم کناں ہے، آپ کی سیرت ہمارے سامنے صحابہ کرام کی کامیاب زندگیوں کو پیش کر کے دوٹوک انداز میں ہم سے کہہ رہی ہے کہ تاریخ کے جس دور میں بھی مسلمانوں مجھے اپنے سینے سے لگایا اور میری روشنی میں اپنی زندگی کے خدوخال درست کئے کامیاب وکامران رہے اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر حاکم ہوئے اللہ نے انہیں خلافتِ ارضی سے نوازا کہ گوکہ وہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن دنیا نے ان کا لوہا مانا اور آج کے مسلمانوں کو مسائل نے اس لیے گھیر رکھا ہے چونکہ انہوں مجھے (سیرت رسول) پس پشت ڈال دیا ہے، مسلمانوں کو ''سیرت'' کی صورت میں ایک نہایت پاکیزہ زندگی دی گئی تھی جو دنیا و آخرت کی کامیابی ضامن تھی لیکن انہوں نے اس کی ناقدری کی اور قعر مذلت میں گر گئے۔

سیرت سبب انقلاب حیات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے سلسلے میں خاص بات قرآن میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے، قرآن اہل ایمان کو خطاب کر کے کہتا ہے ''رسول اکرم کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے'' (۱) آپؐ کی سیرت (زندگی) کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ دیگر انسانوں کے محیر العقول واقعات کی طرح اس کو لطف اندوزی یا وقت گزاری کے لئے پڑھا جائے اور عمل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اس کو تو روزِ اول ہی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے، اس پاک سیرت میں حیاتِ انسانی کے ہر پہلو کا نمونہ پایا جاتا ہے، تاجر کے لئے تجارت کا، قائد کے لئے قیادت کا، استاذ ہو تو معلّمی کا، شاگرد ہو تو شاگردی کا، شوہر ہو تو کامیاب شوہر کا، باپ ہو تو شفیق باپ کا غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر انسانی طبقہ کے لئے رسول کی سیرت میں نمونہ ہے آپ کی سیرت دراصل ایک مکمل دستورِ حیات ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن اگر الفاظ کی شکل میں

---

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب: ۲۱)

نظامِ الٰہی ہے تو آپ کی زندگی اس نظام کی عملی تفسیر ہے، اسی طرح قرآن اگر اسلام کا اخلاقی نظام کتاب کی شکل میں پیش کرتا ہے تو رسول کی سیرت اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے نیز قرآن اگر "فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ" (۱) کہہ کر عفوو درگذر کا حکم کرتا ہے تو عفوو درگذر کے بے شمار واقعات حضورؐ کی زندگی میں اس قرآنی حکم کی تشریح کرتے نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کریمہ کے بارے میں کسی نے یہ سوال کیا کہ آپؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو ام المؤمنین نے صاف کہہ دیا کہ حضورؐ کے اخلاق جاننا چاہتے ہو تو قرآن کے صفحات کھولو، جو کچھ قرآن میں تم نے اسلامی طور وطریقے اور خدا کی مطلوب زندگی پاؤ اس کی عملی صورت حضورؐ کی زندگی تھی، بنیادی طور پر آپؐ کی سیرت حرکت، تموج انقلاب اور عمل سے عبارت ہے، سیرت سے وابستگی یا صاحب سیرت سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہم نے ایک ایسے دستور حیات سے منسلک کرلیا جو چوبیس گھنٹے زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے لئے تیار کھڑا رہتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن کے لئے زندگی کے کسی لمحے سیرتِ رسول سے چھٹکارا نہیں وہ جہاں جائے گا اور جس ماحول میں رہے گا سیرت اس کا ساتھ نہ چھوڑے گی، وہ اس بات کی محتاج نہیں کہ کچھ لوگ اس کو پڑھ کر سنائیں اور جلسوں میں اس سمجھائیں اور اس کو یاد کرائیں، وہ تو ایک مومن کی عملی زندگی کا حصہ ہے چوبیس گھنٹے ایک مومن کو اپنے عمل سے سیرت رسول کی ترجمانی کرنی ہے اس طور پر کہ اس کی ہر ادا رسولؐ کی ادا بن جائے، رسول کا آئینہ دار بن جائے، صحابہ نے کچھ ایسا ہی کر دکھایا، انہیں ذکر رسول کے لئے اہتمام کی اس لئے ضرورت نہیں تھی کہ خود ان کی زندگی سیرت کی ترجمانی تھی ان میں سے کسی کو حضورؐ کی سیرت معلوم کرنے کے لئے کسی کتاب یا کسی مقرر کی ضرورت نہ تھی ان میں کوئی سیرتِ رسول کے جلال کا پرتو تھا تو کوئی اس کے جمالی پہلوؤں کا آئینہ تھا، صدیقؓ میں رسول کا جمال کارفرما تھا تو فاروق نبی کے جلال کی جھلک تھا ابوذر میں آپؐ کی زاہدانہ زندگی کا اثر تھا تو معاویہ میں آپؐ کی شان بادشاہی کارفرما تھی ہر صحابی حیاتِ رسولؐ کے کسی نہ کسی گوشے کا ترجمان تھا، اس پاک سیرت کو

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۱۳

اپنانے ہی کا نتیجہ تھا کہ مٹھی بھر انسانوں نے ساری دنیا کو انقلاب سے آشنا کر دیا اور کائنات کے شب و روز بدل دیئے لیکن جوں جوں ان مقدس انسانوں سے دوری پیدا ہوتی گئی اور جوں جوں سیرتِ رسول کو مسلمانوں نے اپنی عملی زندگی سے نکال کر کتابوں کے صفحات میں محفوظ کرنے پر اکتفاء کیا، ذلت و نکبت نے انہیں گھیر لیا، تباہی منہ کھول کر ان کی طرف بڑھنے لگی اور بدبختی کے منحوس سائے ان سے قریب ہوتے گئے، اس لئے کہ ہر طرح کی کامیابی کی ضمانت اس پاک سیرت میں ہے اس کو چھوڑنا دراصل اپنے آپ کو تباہی کے حوالہ کرنا ہے آج ہم سیرت سے دوری کا خمیازہ بھگت رہے ہیں ایسے مصائب و آلام کا شکوہ بے جا ہے یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں کا کیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ سیرتِ رسولؐ کے ساتھ ہمارا رویہ بڑا ظالمانہ ہو چکا ہے ہم نے سیرت کو صرف سننے اور سر دھننے کی حد تک محدود کر رکھا ہے عمل کا مرحلہ جب آتا ہے تو سیرتِ رسولؐ سے محبت کے سارے دعوے بے حقیقت ہو جاتے ہیں، ایک طرف ہم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ رسولؐ کی زندگی ہی میں کامیابی ہے دوسری جانب ہمارا طرز عمل بزبانِ حال یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ کامیابی تو غیروں کے اصولوں میں ہے قول و عمل اور زبان و دل کا یہ تضاد پتہ نہیں ہمیں کہاں لے جائے گا اور کس گڑھے میں پھینک دے گا۔

محافل سیرت کو تہوار نہ بناؤ

ربیع الاول کا یہ مہینہ ہر سال آتا ہے اور جاتا ہے، ہر سال سینکڑوں سیرت کے جلسے اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں ان میں آپؐ کی سیرت طیبہ بڑی تفصیل سے بیان کی جاتی ہے، لیکن اس سب کا ہماری زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے کہ ایک تہوار تھا آیا اور گیا برق کا ایک شرارہ تھا چمکا امت کا سانحہ یہ ہے کہ بے حسی بڑھتی ہی جارہی ہے اس کی اسباب مرض کی تلاش کی فرصت ہی نہیں، ہم اس مسئلہ پر سنجیدگی سے سوچیں اور ان وجوہات کی کھوج لگائیں جو سیرت سے استفادہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں، ہمارے لیے سیرت کے بے فیض ہونے کے کئی اسباب ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن سراسر کتاب ہدایت ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دل بھی اس

سے استفادہ کے قابل ہوں، اسی لیے کہا گیا "ھدی للمتقین" (ا) وہ متقین کے ہدایت ہے، یہی کچھ حال سیرت کا ہے، اس سے ہر شخص مستفید نہیں ہوسکتا جب تک آدمی سرچشمہ سیرت سے مستفیض ہونے کی صلاحیت نہ ہو سیرت کا عظیم سرمایہ بے فیض ہے اس کے لئے سب سے پہلے آدمی میں بے پناہ طلب کا ہونا اشد ضروری ہے ساتھ ہی اس بات کا استحضار ہو کہ یہ اس عظیم ہستی کی سیرت ہے جس نے ساری انسانیت پر احسان کیا اور ایک ایسا نظام حیات پیش کیا جو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے، جب کبھی کسی محفل یا سیرت یا جلسہ میں شرکت یا سیرت کی کسی کتاب کا مطالعہ کا موقعہ ہو تو اس بات کا پختہ ارادہ ہو کہ اس وقت سیرتِ رسولؐ کے جن گوشوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی ہم انہیں عملی جامہ پہنائیں گے، جلسہ سیرت میں اگر رسولؐ کی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر چھڑ جائے تو ہم اس جلسہ سے دعوت کا جذبہ لے کر اٹھیں اگر اس میں آپؐ کے حسن اخلاق کے نمونے پیش کیے جائیں تو وہ جلسہ ہمیں نبوی اخلاق سے قریب کرنے کا ذریعہ بنے، مختصر یہ ہے کہ جلسوں میں سیرت کا جو گوشہ ہمارے سامنے لایا جائے ہم اسے اپنائیں، اس کے لئے نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ سننا بھی ضروری ہے، آج کل کے سیرتؐ کے جلسوں کا عجیب حال ہوتا ہے اگر کچھ لوگ جلسہ گاہ میں بیٹھے سن رہے ہوتے ہیں تو کچھ لوگ گپ شپ اور چائے نوشی میں مصروف نظر آتے ہیں ایک طرف رسول پاکؐ کا مبارک ذکر ہو رہا ہے تو دوسری طرف اس سے بے التفاتی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، ہم یہ نہیں سوچتے کہ غیر شعوری طور پر ہم شانِ رسالتؐ میں گستاخی کئے جا رہے ہیں۔

سیرت نگار کی ذمہ داری

دنیا کے موجودہ حالات میں سیرت کے جلسوں کی بڑی افادیت ہے، بشرطیکہ انہیں مقصد بنایا جائے، ان جلسوں سے بہت کچھ اصلاح کا کام انجام دیا جاسکتا ہے، سیرت کے عنوان سے امت کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جاسکتا ہے اگر امن سیرت رسولؐ پر مجتمع ہو جائے تو پھر سارے اختلافات ختم ہوسکتے ہیں، اس سلسلہ میں علماء کی ذمہ داری بڑی نازک ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ مقام رسالت کے

(ا) سورۃ البقرۃ: ۲

ساتھ سیرت کے عملی اور انقلابی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں، اور جلسوں کی وقتی تاثیر کو دیر پا تاثیر میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں میں رسول اکرمؐ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کریں۔

سیرتِ رسولؐ کے پیغام کا دوسرا پہلو جس کی مخاطب ساری انسانیت ہے یہ ہے کہ اللہ نے ساری انسانیت کے لئے آپؐ کی ذات کو رحمت بنا کر بھیجا ہے، اس لحاظ سے آپؐ کی سیرت ساری دنیا کے لئے رحمت کا پیغام ہے، حالات بتا رہے ہیں کہ آج پھر انسانیت اسی طرح تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے جس طرح رسولؐ کی آمد سے پہلے تھی رسول کی بعثت کے بعد جب انسانوں نے ان کی پاک سیرت کو اپنایا تو انہیں تباہی سے نجات ملی، آج بھی ساری انسانیت کے لیے تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ سیرتِ رسولؐ سے وابستہ ہو جائے۔

سائنس کی بے پناہ بلندیوں کے باوجود آج انسان امن وسلامتی سے محروم ہے، آئے دن تباہی کے نت نئے آلات ایجاد کئے جا رہے ہیں، جوہری بموں کی وجہ سے سارے کرۂ ارض کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے، نسلی منافرت اور کالے گوروں کا امتیاز سر چڑھ کر بول رہا ہے، وحدت بنی آدم کا تصور ناپید ہوتا جا رہا ہے، دو عالمی جنگوں کے بعد دنیا تیسری جنگِ عظیم کے دہانے پر آ کھڑی ہے، فضاء کا ذرہ ذرہ امن وسکون کو ترس رہا ہے، سارے نظامہائے زندگی انسانیت کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں، ایسے میں انسانیت کی نجات کا واحد راستہ سیرتِ رسولؐ ہے، وہی پاک سیرت جس نے چودہ سو سال قبل سسکتی انسانیت کو تباہی سے بچا لیا تھا

عشق رسول جزِ ایمان ہے

ایک مؤمن پیغمبر سے تعلق محض قانونی انداز کا نہیں ہے، بلکہ اس تعلق کی بنیاد حد درجہ محبت اور والہانہ عقیدت پر رکھی گئی ہے، کتاب وسنت کے اشارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محبتِ رسولؐ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے: ”لا یؤمن احدکم حتی

اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین"۔(۱) (تم میں کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں)۔عملی زندگی میں اس کی واضح مثال حضرت عمر بن خطابؓ کا واقعہ ہے، عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں: "ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اب اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب اے عمر! (تم پکے مسلمان ہو گئے)۔(۲)

محبتِ رسول کے بغیر ایمان کا تصور ممکن نہیں، اس لئے کہ رسولؐ کی محبت مؤمن کا سرمایہ حیات ہے، ہر مسلمان کا سینہ عشق رسول سے ہمیشہ معمور رہتا ہے، محبتِ رسولؐ ایمان کا لازمی عنصر ہے، اس کو تو ہر مسلمان اچھی طرح سمجھتا ہے۔

عشق رسول کا پہلا تقاضہ

لیکن عام مسلمانوں کو محبتِ رسولؐ کی حقیقت سمجھنے میں بڑی غلط فہمی ہوتی ہے، کسی بھی ذات سے محبت اپنے پیچھے کچھ تقاضے رکھتی ہے اور ایک محبِ صادق محبوب سے تعلق کی بنیاد پر عائد ہونے والے تقاضوں کا پورا پاس ولحاظ رکھتا ہے اور وہ محبت جس کے تقاضوں کی تکمیل نہ کی جاتی ہو، اس جسم کے مانند ہے جس سے روح نکل چکی ہو، اسلئے کہ محبت تقاضوں کی تکمیل ہی سے باقی اور سرسبز

---

(۱) بخاری باب حب الرسول من الایمان حدیث: ۱۵

(۲) لا والذی نفسی بیدہ حتی أکون أحب إلیک من نفسک (بخاری باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث: ۶۲۵۷)

وشاداب رہتی ہے، تقاضوں کی تکمیل کے بغیر زبانی اظہارِ محبت کی مثال اس دعوے کی سی ہے جو دلیل سے خالی ہو، اظہارِ محبت اگر دعویٰ ہے تو اس کے تقاضوں کی تکمیل اس دعویٰ کی دلیل ہے، اور ظاہر ہے کہ دلیل بغیر دعوی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس وقت مسلمانوں کی جانب سے محبتِ رسولؐ کے زبانی دعوے عروج پر ہیں، لیکن اس محبت کے تقاضوں کو بالکل نظر انداز کیا جارہا ہے، جب کہ اصل اہمیت تقاضوں کی ہے، قرآن مجید میں کامیابی کا انحصار صرف ایمان کے زبانی دعوے پر نہیں رکھا گیا، بلکہ ایمان کے ساتھ ہر جگہ عمل صالح کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، جو ایمان کا تقاضہ ہے، محبتِ رسول کے بہت سے تقاضے ہیں، اس کا سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں رسول کی اطاعت کی جائے، دنیا میں جتنے رسول اللہ تعالیٰ نے بھیجے، سب کا یہی مقصد تھا کہ ان کی اطاعت کی جائے، ارشاد ربانی ہے: ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ'' (۱) ''ہم نے جو رسول بھیجا ہے، اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے، علاوہ ازیں رسولؐ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں، ''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' (النساء:۸۰) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے در اصل اللہ کی اطاعت کی'' اطاعتِ رسول کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بکثرت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کی طاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ''أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول'' جیسی آیات بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں، نیز جگہ جگہ اطاعتِ رسولؐ کے فوائد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا تقاضہ

محبتِ رسول کا دوسرا تقاضہ اتباع ہے، اگرچہ اطاعت اور اتباع میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، لیکن قرآن میں اطاعت کی طرح اتباع کی بھی تاکید کی گئی ہے، اتباع کے معنی نقش قدم پر چلنے کے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا عاشق وہی ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں رسولؐ کے نقش

---

(۱) النساء: ۶۴

قدم پر چلے، ایک جگہ محبتِ الٰہی کے دعویداروں سے کھلے انداز میں کہا گیا: ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی“ (۱) ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، ایک اور جگہ فرمایا: ”واتبعوہ لعلکم تھتدون“ (۲) ”اس کی پیروی کرو شاید تم ہدایت پاؤ“ اسی مضمون کو رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ“ (۳) (تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہوجائیں)۔

تیسرا تقاضہ

محبتِ رسولؐ کا ایک تقاضہ آپؐ کی توقیر و تعظیم ہے، قرآن میں اہلِ ایمان کو اس کی رعایت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا: یا ایھا الذین آموا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون“ (الحجرات: ۲) اے ایمان والو! اپنی آواز و نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو“ ادب واحترام کا حکم جیسے آپؐ کی مسجد اور آپؐ کے روضۂ اقدس سے متعلق ہے کہ اس کے پاس آواز بلند نہ کی جائے، اسی طرح آپ کے ارشادات کے پڑھنے اور سننے کے وقت بھی ادب واحترام ملحوظ رکھا جائے، حتی کہ آپؐ سے منسوب اشیاء اور اشخاص کا بھی احترام کیا جائے، اسلاف اس کا پورا لحاظ رکھتے تھے، امام مالکؒ نے تمام عمر مدینہ میں بسر کی اور شہر رسولؐ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ مدینہ کے حدود میں بول و براز تک نہیں کیا، ایک شخص نے کہا مدینہ کی مٹی خراب ہے، امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور قید کیا جائے، پھر فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اسی کی گردن اڑادی

---

(۱) آل عمران: ۳۱ (۲) الاعراف ۱۵۸

(۳) مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ حدیث: ۱۶۷ المکتب الاسلامی بیروت

جائے۔(۱)

محبت رسول کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اپنے تمام مسائل و معاملات میں رسول ﷺ کو ہی حکم تسلیم کیا جائے اور خدا اور رسول کے فیصلوں کو بخوشی قبول کیا جائے، ارشادِ خداوندی ہے کہ: ”**فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما**“ (النساء ۶۵) ”تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو حکم نہ مانیں، کہ تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بہ تسلیم کریں۔“ سچے عاشق رسول کا یہ شیوہ ہونا چاہیئے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں نفس وشیطان اور طاغوتی قوتوں کے بجائے رسول ﷺ کو حکم بنائے اور شریعت کے فیصلے پر راضی ہو جائے۔

چوتھا تقاضہ

محبتِ رسول کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کسی طرح سے ایذاءِ رسول ﷺ کا سبب نہ

---

(۱) اور کچھ عرصہ کے لیے قید بھی کر دیا جائے تا کہ اسکا دماغ ٹھیک ہو جائے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اتنا سخت فتویٰ کیوں دیا ہے آپ رح نے جواب دیا کہ یہ تو گردن زدنی کے قابل تھا بھلا جس زمین پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں وہ مٹی کس طرح خراب ہو سکتی ہے، کے اصطبل میں بہت سے عمدہ نسل کے گھوڑے اور خچر تھے مگر یہ کبھی مدینہ منورہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہیں نکلے۔لوگوں سے فرمایا کرتے تھے جس زمین پر رسول اللہ ﷺ پیدل چلتے تھے، اس کو میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندوں یہ کیسے ممکن ہے۔خدا کی قسم! یہ پلکیں بچھانے کا مقام ہے۔

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہِ مصطفی ﷺ!
دید ہے کعبہ کو تیری حجِ اکبر سے سوا (اقبال)

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مہدی نے انہیں دربار خلافت میں بلا بھیجا، اس وقت یہ زیادہ بیمار تھے اس لئے ان کے لئے سواری بھی بھیجی گئی کہ اس پر سوار ہو کر آجائیں۔آپ نے یہ سواری دیکھ کر بہت افسوس کیا اور فرمایا: ”افسوس! جن گلیوں میں رسول اللہ ﷺ پیدل چلتے تھے ان میں سوار ہو کر نکلوں۔“ انہوں نے سواری واپس بھیج دی اور بیماری کی حالت میں گرتے پڑتے خلیفہ سے ملنے پہنچے۔(تاریخ ابن خلکان: ۲/ ۲۰۰، بستان المحدثین: ۷)

بنیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ’’وما کان لکم ان تو ذوا رسول اللہ‘‘ (الاحزاب ۵۳:) ’’تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو‘‘ مؤمن کو چاہئے کہ وہ ہر اس حرکت سے باز رہے جو رسول کی تکلیف کا باعث بنتی ہو، اسے صحابہؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کو بھی ہدفِ تنقید نہ بنانا چاہئے اس لیے وہ یہ بھی ایذاء رسول ہے، ایذاءِ رسول کے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت بہت سی باتیں آتی ہیں مثلاً رسولؐ کی سنتوں سے بے اعتنائی بھی ایذاء رسول میں داخل ہے، نیز احکامِ شریعت میں رسولؐ کی خلاف ورزی بھی ایذاءِ رسول ہے، محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، قرآن میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے، درود کے بے شمار فوائد و برکات ہیں، ہر نیک عمل میں قبولیت و عدمِ قبولیت کے امکانات ہوتے ہیں، لیکن درود ایک ایسا عمل ہے جس کا قبول ہونا طے ہے، پھر درود ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں بندوں کے ساتھ خدا بھی شریک رہتا ہے، نیز ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل کرتا ہے، سچے عاشق رسول کو درود کا التزام کرنا چاہئے۔

پانچواں تقاضہ

محبتِ رسولؐ کا ایک تقاضہ رسولؐ کی سنتوں کو زندہ کرنا ہے، جس کو آپؐ سے محبت ہوگی، لامحالہ اسے آپؐ کی ہر ادا سے محبت ہوگی، اور جو آپؐ کی اداؤں اور سنتوں سے محبت کرے گا وہ انہیں زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا، سنتوں سے دوری کے زمانے میں کسی ایک سنت کے زندہ کرنے کا بھی بڑا اجر بتایا گیا ہے، ایک عاشق رسول کو جہاں سنتوں سے لگاؤ ہونا چاہئے وہیں بدعات سے نفرت ہونی چاہئے، بدعات کا خوگر انسان کبھی سچا محب رسول نہیں ہوسکتا۔

مختصر یہ کہ محبتِ رسولؐ صرف زبان سے ادا کیا جانے والا بول نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ان گنت تقاضے ہیں، جو ان تقاضوں کی تکمیل کرے گا وہ حبِّ رسول کے مطلوبہ معیار پر پورا اترے گا، حضراتِ صحابہ کرامؓ اپنی زندگی کے ذریعے محبتِ رسولؐ کا معیار مقرر کر گئے، انہوں نے نہ زبانی جمع خرچ کا مظاہرہ کیا، اور نہ ہی عشق رسول کے لمبے چوڑے نعرے لگائے، بلکہ اپنے عمل و کردار

کے ذریعے سچے عاشق رسول کا نمونہ پیش کیا، حضراتِ صحابہ کرامؓ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اتباعِ رسولؐ کا اہتمام کرتے تھے، حضرت مجاہدؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم سفر میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھے، وہ ایک جگہ سے گذرے تو ہٹ کر کنارے ہو گئے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، توانہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے، لہذا میں نے بھی ایسا کیا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کا اتنا پاس ولحاظ کہ کسی عمل سے ناراضگی کی ہلکی سی بھنک بھی لگتی تو فوراً باز آجاتے، ایک صحابی ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپؐ نے دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے، وہ سمجھ گئے کہ آپ نے اسے ناپسند فرمایا ہے، بھاگے ہوئے گھر آئے اور اسے تنور میں ڈال دیا، اگلے دن آپؐ نے پوچھا: چادر کا کیا؟ توانہوں نے حقیقت بیان کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ اپنے گھر میں کسی کو پہنا دیا؟ (۲)

اسی طرح ایک اور صحابی خریم الاسدؓ لمبے بال رکھتے تھے اور تہبند نیچا باندھتے تھے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خریم الاسد کتنا اچھا آدمی تھا اگر بال لمبے نہ رکھتا اور تہبند نیچے نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی سے اپنے بالوں کو کانوں تک کتر ڈالے اور اپنے تہبند کو نصف پنڈلیوں تک چڑھالیا۔(۳)

اس طرح کے دسیوں واقعات ہیں جن سے صحابہؓ کی سچی اطاعت کا اندازہ ہوتا ہے، آج اسی سچی اطاعت کی ضرورت ہے، صرف دعویٰ محبت کافی نہیں!

---

(۱) لاأدری إلاأنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ ففعلتہ (الشفاء ماورد عن السلف والائمۃ ۲/۳۴۳) (الترغیب والترہیب ۲۲ :)

(۲) ألا کسوتھا بعض أھلک (ابوداؤد باب فی الحمرۃ حدیث: ۴۰۶۸)

(۳) فبلغ ذلک کریباً فجحل فأخذ شفرۃ فقطع بھا جمتہ إلی أذنیہ (ابوداؤد باب ماجاء فی اسبال الازار حدیث ۴۰۹۱)

ماہِ ربیع الاول کے جلسہ اور ہمارا طرزِ عمل

ماہِ ربیع الاول اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں۔ اسی ماہِ منور میں وہ ہستی جلوہ افروز ہوئی جس نے خزاں رسیدہ اور پرمژدہ چمن انسانیت کو نئی بہار عطا کی تھی اور جس کے طفیل میں انسانیت اخلاق ورواداری، عفت وپاکدامنی، عبادت وانابت اور اعلیٰ انسانی صفات کی بہاروں سے آشنا ہوئی۔ آپ کی آمد سے پہلے دنیا تاریکیوں میں ڈوبی تھی۔ آپ آفتاب وماہتاب بن کر اس ماہ میں طلوع ہوئے اور پورے عالم کو منور کر دیا۔ آپ کے ورودِ مسعود سے پہلے دنیا ظلم کی بھٹیوں میں پس رہی تھی۔ آپ اسی ماہِ مسعود میں ابرِ رحمت بن کر آئے جو ظلم کی آگ پر ایسے جم کر برسائے گئے کہ ہر طرف عدل وانصاف کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور انسانیت ٹھنڈی سانس لینے لگی، ایسی عظیم ہستی کی آمد جس ماہ میں ہوئی اس کی عظمت ورفعت کے کیا ٹھکانے ہوں گے۔ چنانچہ اس ماہ کی آمد کے ساتھ مسلمانوں کے قلوب محبت وفرحت کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ نوجوانوں کے سینے جوش وولولوں سے معمور ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہت سے مسلمان جوش میں ہوش کھو جاتے ہیں اور اندھی عقیدت اور بے لگام جوش میں وہ سب حرکتیں کر جاتے ہیں کہ جن کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ پیغمبر نے جن سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔

یومِ پیدائش یا غیروں کی نقالی

ربیع الاول میں ولادت باسعادت کی مناسبت سے ایسے جلسوں کا انعقاد جن میں سیرتِ رسول کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے اور عام مسلمانوں کو سیرتِ رسول اور اسوۂ نبوی سے عملی وابستگی کی تلقین کی جائے ایک مستحسن اقدام ہے۔ اگر چہ ان جلسوں کو بھی ہم نے ربیع الاول تک محدود کر دیا ہے۔ جس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کو صرف سال میں ایک مرتبہ ماہِ ربیع الاول ہی میں یاد کرتے ہیں، جب کہ وہ اس بات کے مکلف ہیں کہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن

بلکہ ۲۴ گھنٹے نبی کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور شب و روز کے معمولات میں سیرتِ رسول کو اس طرح داخل کر لیں کہ ایک مسلمان کی رفتار گفتار اور اس کے طور و طریق سے نبی کی یاد تازہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے ذکر رسول ﷺ کو کسی ایک ماہ کے ساتھ مختص کرنے کے بجائے سال کے بارہ مہینے تذکرۂ سیرت سے معطر رہنا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ ربیع الاول کے موقع پر ہی سہی سیرت کے جلسوں کے ذریعہ کچھ نہ کچھ بیداری کی جاتی ہے۔ سیرت کے با مقصد جلسوں سے ہٹ کر جشنِ میلاد النبی ﷺ کے عنوان سے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نبی کی سیرت اور صحابہ کے طرز عمل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، نبی رحمت ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ۶۳ سال رہی۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد آپ ۲۳ برس اس دنیائے آب وگل میں رہے۔ اس طرح آپ کی زندگی میں ۲۳ مرتبہ ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ آئی لیکن آپ نے کبھی اپنا یومِ پیدائش نہیں منایا۔ آپ جس وقت دنیا سے رخصت ہوئے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ تھے جو نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق اور نبی پر ہر وقت نچھاور رہتے تھے لیکن کسی صحابی نے یومِ پیدائش نہیں منایا، چونکہ صحابہ جانتے تھے کہ اسلام دیگر انسانی مذاہب کی طرح کوئی رسموں کا مذہب نہیں اسلام عملی اور اتباع کا دین ہے یومِ پیدائش کو بطورِ تہوار منانے کا تصور مسلمانوں میں کہاں سے آیا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے عالم اسلام کے ایک معروف عالم دین لکھتے ہیں:

> ”یہ تصور ہمارے معاشرے میں عیسائیوں سے آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یومِ پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵/ دسمبر کو منایا جاتا ہے، اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک ان کی یومِ پیدائش کا تصور نہ تھا، آپ علیہ السلام کے حوارین میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا بلکہ بعد میں کچھ لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا۔ حالانکہ اس وقت جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یومِ پیدائش کا کوئی ذکر نہیں تو جن لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا انہوں

نے کہا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی بری بات تو نہیں ہے کہ ہم اس دن جمع ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کریں بلکہ اس طرح تو لوگوں میں عمل کا شوق پیدا ہوگا۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ شروع شروع میں تو چرچ میں ایک پادری کھڑے ہو کر سیرت کا بیان کرتا اور پھر اجتماع ختم ہو جاتا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے سوچا کہ اس میں نوجوان اور شوقین لوگ نہیں آتے اور اسے دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی شروع کر دی گئی اور ناچ گانا بھی شامل ہوگیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تو پیچھے رہ گئیں اور یہ ایک جشن کی صورت اختیار کر گیا۔ اور عام مشاہدہ ہے کہ مغربی ممالک میں اس دن کیا طوفان برپا ہوتا ہے''۔

تاریخ ولادت وطریقۂ فرحت

۱۲/ ربیع الاول کو میلاد کے عنوان سے ہر گذرتے سال کے ساتھ جس کے قسم کے حالات پیش آرہے ہیں وہ انتہائی افسوسناک ہیں، جب کہ ۱۲/ ربیع الاول کے تاریخِ ولادت ہونے کے تعلق سے تاریخی روایات متعارض ہیں۔ تاریخی طور پر ولادتِ نبوی کے سلسلہ میں جہاں ۱۲/ ربیع الاول کا ذکر آتا ہے وہیں اس کے علاوہ دیگر دنوں کی بھی صراحت ہے۔ اس کے برخلاف ۱۲/ ربیع الاول کو وفاتِ نبوی پیش آنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ۱۲/ ربیع الاول کو جو متفقہ طور پر وفاتِ رسول کا دن ہے ہمیں غیر شعوری طور پر خوشی منانے میں لگا دیا گیا ہو؟ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ ۱۲/ ربیع الاول ہی یومِ ولادت ہے اور دنیا میں نبی جیسی عظیم ہستی کا پیدا ہونا تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا واقعہ اور جس دن آپ پیدا ہوئے وہ دن نہایت مقدس ومبارک اور ذی شان ہے اور وہ دن سب سے زیادہ خوشی ومسرت کے جذبات سے سرشار ہونے کے لائق ہے تو سوال یہ ہے کہ اسلام اور تعلیماتِ رسول کی رو سے خوشی منانے کا طریقہ کیا ہے؟ اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحی کی شکل میں دو خوشی کے دن رکھے گئے ہیں لیکن عیدین کے موقع پر خود نبی کیسے خوشی مناتے تھے اور صحابہ کو آپ نے کیا حکم فرمایا؟ ظاہر ہے کہ عیدین کے

موقع پر پاک صاف کپڑے اور غسل وصفائی کے اہتمام کے ساتھ نماز کا حکم ہے جو عام نمازوں کے مقابلہ میں ٦/ زائد تکبیروں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔اسی طرح عید الاضحی کے موقع پر قربانی اور عید الفطر میں صدقہ ادا کیا جاتا ہے۔ان دونوں عیدوں کی نوعیت سے اسلام میں خوشی منانے کا طریقہ واضح ہوتا ہے۔وہ یہ کہ خوشی کا دن دراصل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استحضار اور ان پر شکرگذاری اور زیادہ سے زیادہ خدا کی بڑائی بیان کرنے کا دن ہے۔نیز اللہ کے محتاج بندوں کا تعاون اور ان کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کرنے کا دن ہے۔خوشی اور غم انسانی زندگی کے جزولاینفک ہیں۔ زندگی میں انسان کو ان دونوں حالتوں سے گذرنا پڑتا ہے۔دین اسلام چونکہ ایک کامل ومکمل دین ہے جس میں حیاتِ انسانی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے اس لیے خوشی وغم کے تعلق سے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام نے مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ایک مسلمان جس طرح زندگی کے کسی بھی معاملہ میں آزاد خود مختار نہیں ہے،اسی طرح خوشی منانے میں پابند ہے،خوشی کے موقع پر پیغمبر نے اس کی اجازت نہیں دی کہ گانے بجانے اور موسیقی کے ذریعہ ہنگامہ برپا کیا جائے۔یا راستوں اور چوراہوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے دوسروں کو زحمت میں مبتلا کیا جائے۔ ١٢/ ربیع الاول کو ہمارے نوجوان ولادتِ نبوی کے عنوان سے خوشی منانے کی خاطر جس قسم کی ناشائستہ حرکات کر رہے ہیں وہ نہ صرف خلافِ شرع ہیں بلکہ برادرانِ وطن کو اس سے انتہائی غلط پیغام مل رہا ہے۔بعض منچلے نوجوانوں کی حرکتوں سے تنگ آ کر اب بعض مسلم یہ پوچھنے لگے ہیں کہ کیا پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے اس قسم کی حرکتوں کی اجازت دی تھی؟ اور کیا مسلمانوں کے پیغمبر کی یہی تعلیمات ہیں؟ غیر مسلم بھائیوں کی طرف سے جب اس قسم کے سوالات کئے جاتے ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

١٢/ربیع الاول کی بے اعتدالیاں

١٢/ ربیع الاول کو خوشی میں غلو اب اس حد کو پہونچ چکا ہے کہ باقاعدہ روضۂ اقدس اور کعبہ شریف کی شبیہ بنائی جانے لگی ہے، پھر اس کا ویسا احترام کیا جانے لگا ہے جیسا حقیقی روضۂ پاک کا کیا جاتا ہے،حتی کی روضہ اور کعبہ شبیہ کے اردگرد طواف بھی کیا جانے لگا ہے۔پھر بعد میں اس شبیہ کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا جاتا ہے۔ستم بالائے ستم یہ کہ چند سال قبل شہر حیدرآباد کے ایک محلہ میں ایک

نو مولود بچہ کو عمدہ کپڑے پہنا کر اس کا احترام کیا گیا۔اسے گویا نبی کی جگہ تصور کر کے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ نبی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۱۲/ ربیع الاول کے جلوس میں منچلے نوجوان جس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں وہ انتہائی نازیبا ہیں۔سروں پر پٹیاں باندھے موٹر سائیکلوں پر تیز رفتاری کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے شاہراہوں پر سگنل توڑتے ہوئے رواں دواں ہوتے ہیں۔ہر مہذب انسان نہ صرف ان سے متنفر ہو جاتا ہے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے تعلق سے بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سیرت النبیؐ کے جلسوں کے انعقاد مستحسن اقدام ہے لیکن ان میں بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔جہاں کہیں جلسہ منعقد ہوتا ہے دور دور تک مائیک لگا دئے جاتے ہیں اور اصل پروگرام سے کافی پہلے لاؤڈ اسپیکر پر نعتوں کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔اور ساؤنڈ اس قدر بلند رکھا جاتا ہے کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں۔لوگوں کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔گھروں میں موجود بوڑھوں ضعیفوں اور بیماروں کے لیے مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔اکثر جلسے سرراہ منعقد کئے جاتے ہیں جس سے آمد ورفت کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے اور راہ گیروں کو شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جب کہ ایسے جلسے فنکشن ہالوں اور میدانوں میں بھی کئے جا سکتے ہیں۔جلسوں سے قبل بلند آواز میں جو ریکارڈنگ کا اہتمام ہوتا ہے اس میں سنائی جانے والی بیشتر نعتیں غلو سے خالی نہیں ہوتیں پھر ان نعتوں میں میوزک کو شامل کر کے جس طرح گستاخی کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ الامان والحفیظ۔اب نعتوں میں نبی کریم ﷺ کی تعریف کم اور موسیقی کا اہتمام زیادہ ہونے لگا ہے۔بہت سے نعت خواں گانوں کی نقالی کرنے لگے ہیں اور معاشرے میں ایسے ہی نعت خوانوں کی واہ واہ ہوتی ہے۔اس قسم کی نعت خوانی حقیقی مقصد سے عاری ہوتی ہے۔جلسے بالعموم رات دیر گئے جاری رہتے ہیں اور ان میں شریک بیشتر مسلمان نمازِ فجر سے بے خبر صبح دیر تک سوتے پڑے رہتے ہیں۔جلسوں کی گھن گرج اور کانوں کو پھاڑنے والی آوازیں اطراف واکناف کی ساری آبادی والوں کو بالجبر جاگنے پر مجبور کرتی ہیں۔جہاں تک ان جلسوں میں شرفِ تخاطب حاصل کرنے والے مقررین کا تعلق ہے تو انہیں عوام کی اصلاح سے زیادہ اپنی واہ واہ کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔بہت کو عوامی اصلاح کی بات ہوتی ہے۔زیادہ تر گفتگو نعروں اور چیخ پکار پر ہوتی ہے۔بلکہ مقرر اس قسم

کے جلسوں کو مسلکی تنازعات بھڑکانے اور دوسرے مکاتبِ فکر کے علماء پر کیچڑ اچھالنے کا زرین موقع خیال کرتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے جس اسٹیج سے محبت والفت اور اتحاد واتفاق کا پیغام عام ہونا چاہئے اب وہ انتشار اور تعصب وتحزب اور آپسی تفرقہ کے پلیٹ فارم بن چکے ہیں۔ چنانچہ ایک مسلک سے تعلق رکھنے والے مقررین فریق مخالف کے خلاف خوب بھڑاس نکالتے ہیں اور عوام الناس کو دوسرے مکاتب کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب تو سیرت النبی کے جلسوں کو سیاسی مقاصد کے لیے بھی خوب استعمال کیا جانے لگا ہے۔ مسلم سیاسی پارٹیاں جگہ جگہ سیرت کے جلسے منعقد کراتی ہیں۔ جن میں سیرت پر تو بہت کم لیکن سیاسی مخالفین پر خوب برسا جاتا ہے۔

ربیع الاول کو بتدریج باقاعدہ عید کی شکل دی جارہی ہے۔ بلکہ بعض غالی افراد کی جانب سے اسے عید الاعیاد کا نام دیا جارہا ہے۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول نے عید الفطر اور عید الاضحی کے نام سے صرف دو عیدیں رکھی ہیں لیکن اب غالی طبقہ نے شریعت سازی کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے، حتی کہ ۱۲/ ربیع الاول کو عیدین کی طرح باجماعت نماز اور خطبہ بھی دیا جانے لگا ہے۔ یہ دین میں دخل اندازی نہیں تو اور کیا ہے؟ افسوس اس بات کا ہے کہ غلو کا شکار یہ طبقہ حقائق سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس قسم کی خرافات اور خلافِ شرع باتوں پر جب نکیر کی جاتی ہے تو غالی طبقہ کی جانب سے نکیر کرنے والوں پر گستاخِ رسول کا لیبل لگا دیا جاتا ہے، جب کہ دین کے نام پر بدعات وخرافات کو رواج دینا اور یہود ونصاریٰ کی نقالی کرنا ہی حقیقی گستاخی ہے۔

ربیع الاول میں کیا کریں؟

۱۲/ ربیع الاول کو میلاد کے نام سے غالی طبقہ جو کچھ کرتا ہے اس سے نفس کی تسکین تو ہوسکتی ہے لیکن دین وملت کی کوئی حقیقی خدمت نہیں ہوسکتی۔ یہ صرف شور شرابے کی نوعیت کے کچھ ظاہر ہنگامے ہوتے ہیں جن کا عملی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ شیطان کا منشاء بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو کچھ ظاہری ہنگاموں میں لگا کر رسول سے وابستگی کے حقیقی تقاضوں سے توجہ ہٹائی جائے۔ محبتِ رسول اور نبی فداہ ابی وامی سے حقیقی تعلق وعقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو سیرتِ رسول سے عملی طور پر وابستہ کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ اس کے لیے درج ذیل نکات پر کام

کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

سیرت کی جامعیت کو اجاگر کیا جائے

غیر تو غیر عام مسلمانوں کا حال یہ ہے وہ نبی کی زندگی کو چند عبادات تک محدود سمجھتے ہیں، جب کہ آپ کی سیرت زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے سیرتِ رسول نے تشنہ چھوڑا ہو۔ چونکہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والے نہیں ہیں اور قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے آپ ہی کی ذات اسوہ اور نمونہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر آپ پر ایسے حالات لائے کہ آپ کی سیرت جامع ہوگئی۔ سیرتِ رسول کی جامعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک معروف سیرت نگار لکھتے ہیں:

> ”دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں، بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کر دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق وقانون کے نظام سوچے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاحِ معاشرہ کے کام کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کئے اور بہادرانہ کارنامے کی میراث چھوڑی، وہ بھی ہیں جنہوں نے سلطنتیں چلائیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے فکرِ درویشی کے عجیب نمونے ہمارے سامنے پیش کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر دکھایا، مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگیوں کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس زندگی کی کسی ایک شاخ نے چوس لیا اور باقی ساری ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں۔ ایک پہلو اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلو تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ ایک ہی طرح کے کمال کا نمونہ

ہے، جلال ہے تو جمال بھی ہے، روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، ایک گونہ بے خودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے، خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے محبت و شفقت بھی ہے، کڑا اجتماعی نظم بھی ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے، گہری مذہبیت ہے تو ہمہ گیر سیاست بھی ہے، قوم کی قیادت میں انہماک ہے مگر ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی کا بکھیڑا بھی نہایت خوبصورتی سے چل رہا ہے۔ مظلوموں کی دادرسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی۔

آپ کی سیرت کے مدرسہ سے ایک حاکم ایک امیر ایک وزیر ایک افسر ایک ملازم ایک آقا ایک سپاہی ایک تاجر ایک مزدور ایک جج ایک معلم ایک واعظ ایک لیڈر ایک ریفارمر ایک فلسفی ایک ادیب ہر کوئی یکساں درسِ حکمت و عمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک باپ کے لیے ایک ہمسفر کے لیے ایک پڑوسی کے لیے یکساں مثال موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی بھی اس درسگاہ تک آپہونچتا ہے پھر اسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانیت جس آخری کمال تک یہی ایک ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ایوانِ حیات روشن کرسکتے ہیں، کروڑوں افرادِ انسانی نے اس سے روشنی لی، لاکھوں بزرگوں نے اپنے علم و عمل کے دیے اسی لو سے جلائے۔ (۱)

عام افرادِ امت میں سیرت رسول کی ایسی مہم چلائی جائے کہ امت کے ہر طبقہ کو سیرت کی جامعیت کا شعور حاصل ہو جائے اور اپنے اپنے شعبہ اور زندگی کے ہر موڑ میں سیرت سے رہنمائی حاصل کرسکے۔ تاجر کو تجارتِ رسول کے طریقے بتائے جائیں، قائد کو قیادت کے نبوی اصول سے واقف کرایا جائے، شوہر خدیجہ و عائشہؓ کے شوہر نامدار کا اسوہ یاد رکھے۔ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیمی افکار و نظریات سامنے رکھے۔ اس کے لیے موضوعاتی پروگراموں کا اہتمام کیا جائے۔ مختلف پیشوں

---

(۱) ذکرِ مصطفی: ۲۱

اور شعبوں سے وابستہ افراد کے الگ الگ اجلاس منعقد کئے جائیں۔اور ان کے سامنے ان کے شعبوں سے متعلق نبوی اسوہ پیش کیا جائے۔

سیرت کے انقلابی پہلو پر زور

بالعموم سیرت کا مطالعہ حصولِ ثواب کے لیے کیا جاتا ہے۔بعض لوگ محض معلومات میں اضافے کی خاطر سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں۔کچھ لوگ مذہبی فریضہ سمجھ کر سیرت سنتے اور پڑھتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت کا مطالعہ باعثِ برکت و ذریعۂ سعادت ہے لیکن سیرتِ رسول درحقیقت پیغام انقلاب ہے۔یہ سراسر حرکت و انقلاب کی داعی سیرت ہے۔اس سے ولولوں کو تحریک ملتی ہے۔جذبات انگڑائی لینے لگتے ہیں۔عزم وہمت کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگتا ہے۔زندگیوں کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔عمل و کردار کے ذوق میں نئی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔بقول ایک سیرت نگار کے:

''سرورِ عالم کی زندگی کی مثال ایک جوہر کے کھڑے پانی کی نہیں ہے کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لیں وہ ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج و حباب ہیں، سیپیاں ہیں، موتی ہیں اور جس کے پانی سے مردہ کھیتیوں کو مسلسل زندگی ملتی ہے۔اس دریا کا رمز آشنا ہونے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہنا پڑتا ہے......حضرت محمد ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے محض ایک درویش کی سرگذشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد ہے، وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر مشتمل ہے۔ایک پوری جماعت ایک انقلابی تحریک اور ایک ہیئتِ اجتماعیہ اس کارنامے کی تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔سرور عالم کی سیرت غارِ حرا سے لے غارِ ثور تک، حرم کعبہ سے لے کر طائف کے بازار تک، امہات المؤمنین کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔اس کے

نقوش بے شمار افراد کی کتابِ حیات کے اوراق کی زینت ہیں۔ابوبکر وعمر،عثمان وعلی،عمار و یاسر، خالد وخویلد اور بلال وصہیب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سب کے سب ایک ہی کتابِ سیرت کے اوراق ہیں۔ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ وگل اور نرگس ونسترن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی کی زندگی مرقوم ہے۔وہ قافلہ بہاری وقت کی جس سرزمین سے گذرا ہے اس کے ذرے ذرے پر نکہت کی مہریں ثبت کر گیا۔"(۱)

کرنے کے کام:

ماہِ ربیع الاول ہر سال آتا ہے اور گذر جاتا ہے، ہم چند رسمی ہنگاموں کے علاوہ کچھ کر نہیں پاتے، جب کہ یہ مہینہ نبی سے وابستگی کے تقاضوں کی تکمیل کا مہینہ ہے۔نبی سے تعلق کا تقاضہ صرف یہی نہیں ہے کہ نعرے لگائے جائیں،عشقِ رسول کے کھوکھلے دعوے کئے جائیں بلکہ محبتِ رسول کے حقیقی تقاضے یہ ہیں:

۱)اس ماہ میں سیرتِ رسول کے مطالعہ کا اہتمام کریں۔

۲)روزمرہ کی سنتوں پر عمل شروع کریں۔

۳)روزانہ کسی ایک مٹی ہوئی سنت کا احیاء کریں۔

۴)بچوں کو اخلاقِ رسول سے واقف کرائیں۔

۵)روزانہ دس منٹ افرادِ خاندان کے سامنے سیرتِ رسول پر کوئی کتاب پڑھ کر سنائیں۔

۶)ہر دن بچوں کو کسی ایک سنت پر عمل کے عادی بنائیں۔

۷)اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ سے واقف کریں۔

۸)یہود ونصاریٰ کی جانب سے سیرتِ رسول کے تعلق سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالہ کی تدبیر کریں۔

۹)سیرتِ رسول کو اجاگر کرنے والے مختصر رسالے ملک کی مختلف زبانوں میں شائع کریں۔

---

(۱)ذکرِ مصطفی:۲۰

یہ کیسی جفا ہے؟ یہ کیسا ہے ظلم!

(محبت رسول کے تقاضے اور ہمارا طرز عمل)

محسن انسانیت کی کرشمہ سازی

احسان شناسی اور اپنے محسنوں سے محبت وعقیدت فطرتِ انسانی کا حصہ ہے سلیم الفطرت انسان کبھی محسن کشی کا مرتکب نہیں ہوتا، اگر کسی میں یہ بات پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ اس کتے سے بدتر ہو جاتا ہے جو ایک روٹی کے ٹکڑے پر دُم ہلا کر اپنے مالک کی احسان شناسی کا ثبوت دیتا ہے، برسہا برس قبل ایک پیالی چائے پلانے والے سے آپ کا سامنا ہوتا ہے تو آپ سراپا احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کا وہ چھوٹا سا احسان آپ کے رویہ کو بدل کر رکھ دیتا ہے، بھری بس میں اگر کوئی آپ کو اپنی نشست پر بیٹھنے کا موقع دیتا ہے تو اس کا یہ احسان آپ کے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتا، ایسا آپ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ آپ کی فطرت کا تقاضہ اور آپ کے ضمیر کی آواز ہے، جب کہ یہ سارے احسانات وقتی اور ان کی افادیت انتہائی محدود ہے، اس کائنات میں انسان کا سب بڑا اور اولین محسن اور منعم حقیقی تو ''رب ذو الجلال'' ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا وہ عالم نیست میں تھا اسے عالم ہست میں لایا وہ کچھ نہیں تھا تو اسے بہت کچھ بنا دیا، ذرہ بے مقدار کو رشک ماہ وانجم بنا دیا، اس کی نوازشیں حد شمار سے باہر، اس کی عنایتیں لامحدود، اگر ایک سکنڈ کے لئے بھی اس کی عنایتوں کی برسات رک جائے تو انسان کا وجود خطرہ میں پڑ جائے، تب ہی تو اس نے انسانوں کو چیلنج کیا کہ تم اگر میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ تمہارے بس کا کام نہیں، خدائے بزرگ و برتر کے بعد انسانوں پر اگر کسی کے احسانات سب سے زیادہ ہیں تو وہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہے، آپ کے احسانات ونوازشات کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ساری مخلوقات کو محیط ہے، شجر وحجر، شمس وقمر، بحر وبر کوئی مخلوق آپ کے احسانات کے دائرہ سے باہر نہیں، اس لیے کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا، جب آپ کی رحمت سارے عالموں کو محیط ہے تو پھر کوئی

عالم خلق آپ کے احسانات سے مستثنیٰ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس وقت عالم ارضی میں جو کچھ رونقیں نظر آرہی ہیں وہ سب آپ کی پہلی وحی اقراء باسم ربک (العلق ا:) کی ادنی تجلی ہے جاہلیت کی تاریکیوں میں علم کا یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو دنیا سائنس وٹیکنالوجی سے کوری رہتی اور اس کی یہ ساری رونقیں کبھی جلوہ نہ دکھاتیں، انسانوں پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انہیں انسانیت کی الف بے پڑھائی انہیں درسِ انسانیت دیا، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور آپ نے انسان نما درندوں کو انسانیت کا سبق نہ پڑھایا ہوتا تو لوگ دورِ جاہلیت کی طرح جانوروں اور درندوں کی سی زندگی گذارتے، انسانی طبقات میں کوئی طبقہ آپ کا مرہونِ منت نہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، مرد ہوں کہ خواتین، بوڑھے ہوں کہ بچے، اپنے ہوں کہ دشمن، مزدور وملازم ہوں کہ آقا ومالک، عام رعایا ہوں کہ تختِ سلطنت پر متمکن حکمراں ہر طبقہ کو آپؐ نے نوازا، عورتوں کو نئی زندگی عطا فرمائی، مردوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا، حکمرانوں کو رعایا کا خادم بنایا، مالکوں کو ملازموں سے ہمدردی سکھائی، دانشوروں کو صحیح سمت دکھائی، اصحابِ فلسفہ کا قبلہ درست فرمایا، دوشیزاؤں کے سروں پر چادر عصمت ڈالی، بے نواں اور بے کسوں کی دستگیری فرمائی، بادشاہوں کو شاہی میں فقیری کے گر سکھائے۔

اشرف المخلوقات پر کرم گستری

الغرض اس کرم گستر نبی کا کرم ہر طبقہ پر ابر رحمت بن کر برستا رہا، آپ ﷺ سے فیض سبھوں نے پایا لیکن اشرف المخلوقات کا تاج رکھنے والے انسان اور ان میں بھی دولت ایمان سے مشرف ہوئے خوش نصیب مسلمانوں پر آپ کے احسانات سب سے زیادہ ہیں، امت کے ایک ایک فرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے آپ کس قدر بے چین رہا کرتے تھے، اس کا اندازہ قرآن کی اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے ”**فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا**“ (ا) لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے پڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے، اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں، انتھک کوششوں اور سعی پیہم کے باوجود وہ لوگ ایمان نہ

(ا) الکہف: ٦

لاتے تو آپ کو اس قدر کڑھن ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کو ہدایت دینی پڑتی کہ آپ غم نہ کریں۔

ایک جگہ یوں ہدایت دی گئی: "واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون" (۱) اور آپ صبر کیجئے آپ کا صبر کرنا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوگا، ان پر آپ غم نہ کریں اور نہ ان کی چالوں سے تنگ دل ہوں، نبی کو اپنی امت کی راحت اور ان کے تکالیف و مصائب سے محفوظ رہنے کی کس قدر فکر دامن گیر رہتی تھی اسے قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا: بے شک تمہارے پاس جو رسول آئے ہیں وہ تمہارے اپنے ہیں، ذرا تکلیف تم کو پہونچے تو بہت بھاری دُکھ لگتا ہے، تمہاری آسانی کی ان کو بڑی تمنا ہے اور ایمان والوں سے بڑی نرمی اور مہربانی کا معاملہ چاہتے ہیں۔ (التوبہ)

کافروں کے کفر پر جمے رہنے سے ذاتِ نبوت پر جو اثر ہوتا تھا اس تعلق سے بار بار تسلی دی گئی، فرمایا گیا و من کفر فلا یحزنک کفرہ (۲) جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو غم میں مبتلا نہ کرے۔

ہر وقت امت کی فکر سوار رہنے سے آپ کا یہ حال تھا کہ آپ ہمیشہ غمگین رہتے تھے، صحابہ کرامؓ نے اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان، دائم الفکرۃ، لیست لہ راحۃ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین رہتے آپ پر ہمیشہ ایک فکر چھائی رہتی، ایک بے چینی تڑپ آتی آپ نے کبھی راحت کی سانس نہیں لی، سفر میں حضر میں دن میں رات میں خلوت میں جلوت میں ہر وقت اللہ کا لاڈلا نبی امت کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہتا تھا، اس کی راتوں کی تنہائیاں اسی فکر سے آباد رہتی تھیں، رات کو جب سارے لوگ سو رہے ہوتے خدا کا حبیب بارگاہِ صمدیت میں سربسجود ہو کر اپنی امت کے لیے آنسو بہاتا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا کہ بارِ الٰہا میری امت کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابراہیم کی یہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے تلاوت فرمائی رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن

---

(۱) النحل: ۱۲۷ (۲) لقمان: ۲۳ (۳) المعجم الکبیر ۲۲: /۱۵۵

تبعنی فانه منی و من عصانی فانک غفور رحیم (۱) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول جو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا تلاوت فرمائی ”ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم“ (۲) پھر یوں دعا فرمائی کہ الٰہی میری امت کو بخش دے اور رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر کہہ دو کہ ہم آپ کی امت کے سلسلہ میں آپ کو خوش کر دیں گے ناراض نہیں کریں گے۔ (۳)

ذرا غور فرمائیں! طائف میں خدا کا حبیب کس کے لیے لہولہان ہوا؟ اُحد میں دندانِ مبارک کس کی خاطر شہید ہوئے؟ احزاب میں آپؐ نے اپنے پیٹ پر دو دو پتھر کیوں باندھ رکھے؟ دو دو ماہ تک نبی کے گھر چولہا کیوں نہیں سلگا؟ بقول حضرت شاہ حکیم اختر صاحب علیہ الرحمۃ اگر آپ کا خون مبارک طائف کے بازار میں نہ بہتا اور آپ کے دندانِ مبارک اُحد کے دامن میں شہید نہ ہوتے تو ہم تک کیسے اسلام پہونچتا؟ سرورِ عالمؐ احد کے دامن میں اپنے ہاتھوں اپنا خون مبارک پونچھ رہے تھے اور فرمارہے تھے کیا حال ہوگا اس قوم کا جو اپنے نبی کو لہولہان کرتی ہے، ظاہر ہے کہ آپ کی یہ ساری قربانیاں امت کی خاطر تھیں، ایسے محسن اعظمؐ کے ساتھ آج ہمارا برتاؤ کیسا ہے؟ اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، یہ کیسی جفا ہے اور کس قدر ظلم ہے کہ ہماری خاطر سب کچھ سہنے والے نبی کے ساتھ ہم نے احسان شناسی کا ادنیٰ حق بھی ادا نہیں کیا۔

جفا ہی جفا

اُدھر سے وفا ہی وفا کا ظہور ہوتا رہا اِدھر سے وفا کا بدلہ جفا سے دیا جارہا ہے، اُدھر سے محبت ہی محبت کی برسات تھی اِدھر سے مسلسل اعراض کا مظاہرہ ہے، جس نبی کی راتیں امت کے لئے دعاؤں میں اور دن سوز وگداز میں گذرتے تھے جس کے گھر ایک چاند سے دوسرے چاند تک چولہا جلنے کی نوبت نہ آتی تھی، جس نے امت کو نارِ جہنم سے بچانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا، جس کی ہر فکر پر اُمت کی فکر غالب تھی اسے کے ساتھ امت نے جفا کی کوئی شکل نہیں چھوڑی۔

---

(۱) ابراہیم: ۳۶ (۲) المائدہ: ۱۱۸

(۳) إنا سنرضیک فی امتک (تفسیر مظہری ۳/ ۲۰۹ مکتبۃ الرشیدیہ پاکستان)

سنتِ رسولؐ سے دوری

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفا کی سب سے افسوس ناک شکل وہ ہے جو آپ کی سنتوں سے دوری کی شکل میں پائی جاتی ہے، سنتِ رسول ہی امت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، لیکن آج اس سرمایہ سے امت تہی دامن ہے، سنت سے دوری دراصل پیغمبرؐ سے دوری ہے، ارشادِ نبوی واضح ہے فمن رغب عن سنتي فليس مني (۱) جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں، حضرت ابی بن کعبؓ کا قول ہے کہ تم لوگ سنت کو لازم پکڑو! جو کوئی سنت رسول پر کاربند ہو پھر تنہائی میں خوفِ خدا کے تصور سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس کے سارے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں اور جو کوئی سنت پر رہ کر خدا کی یاد میں آنسو بہائے اسے جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوئے گی (۲) سنت سے دوری در اصل حقیقی محبتِ رسول سے محرومی کی دلیل ہے، اس لیے کہ قرآن وحدیث میں محبت کا معیار اطاعت قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (۳) اے نبی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو، آگے اطاعتِ خدا اور رسول سے منھ پھیرنے کو کافرانہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لايحب الكافرين (۴) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔

اصحاب محمد اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضراتِ صحابہؓ سے زیادہ نبی سے محبت کرنے والے نہ پیدا ہوئے اور نہ پیدا ہوں گے، لیکن ان کی زندگیاں گواہ ہیں کہ وہ سب کچھ گوارا کر سکتے تھے لیکن نبیؐ کی سنت سے بے اعتنائی ان کے

---

(۱) بخاری باب الترغیب فی النکاح حدیث: ۵۰۶۳ (۲) حلیۃ الاولیاء ۱/ ۲۵۳

(۳) آل عمران: ۳۱ (۴) آل عمران: ۳۱

لئے ناقابل برداشت تھی۔

۞ حذیفہ بن یمانؓ نے کسریٰ کے دربار میں شاہانہ رسم ورواج کی پرواہ نہ کی اور گرے ہوئے لقمے کو صاف کر کے کھالیا، لوگوں نے عار دلایا تو کہا کہ کیا ان احمقوں کی وجہ سے میں اپنے محبوب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حال یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر دیگر وقتی عادات میں بھی اتباع کا اہتمام کرتے تھے، ایک مرتبہ راستہ میں اچانک اپنی اونٹنی گھمانے لگے کسی نے اس بارے میں ان سے استفسار کیا تو فرمایا مجھے خود پتہ نہیں لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتا دیکھا تھا اس لئے کیا۔(۱)

۞ حضرت علیؓ ایک موقع پر ہنس پڑے حاضرین نے دریافت کیا امیر المؤمنین آپ کیوں ہنس پڑے؟ فرمایا میں نے اس جگہ حضورؐ کو اس طرح کرتے دیکھا کہ آپ ہنس پڑے، لوگوں نے دریافت کیا آپؐ کیوں ہنسے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل بندہ اس بات پر حیرت اور تعجب کرتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے رب اغفرلی ذنبی کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ اس کی مغفرت میرے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔(۲)

۞ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس وقت مسجد میں داخل ہورہے تھے آپ کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دروازہ ہی پر جوتوں کے پاس بیٹھ گئے، پھر سرورِ عالمؐ نے انہیں اندر بلوالیا۔(۳)

۞ حضرت عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے جن کے ساتھ ان کا خچر تھا یہ کہا کہ چچا جان سوار ہوجائیے تو آپؓ نے فرمایا میرے بھتیجے! اگر میں سوار ہونا چاہتا تو مجھے سواریاں مل جاتیں لیکن میں بھی اس مسجد کو اسی طرح پیادہ جاؤں جس طرح میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پیادہ جاتے

---

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ۲/۳۴ دار الفیحاء عمان

(۲) مسند احمد، مسند ابی ھریرہ حدیث: ۱۰۳۸۴

(۳) فجلس عند باب المسجد فراٰہ النبی تعال یا عبداللہ بن مسعود (کنز العمال حدیث ۳۷۲۰۹)

ہوئے دیکھا ہے۔(۱)

اسلاف کا اتباع سنت

یہ تو حضراتِ صحابہ کرامؓ کی بات تھی، ماضی قریب کے بعض اہلِ اللہ میں بھی اتباعِ سنت کا اہتمام اس شدت سے تھا کہ کسی ایک سنت کا چھوٹنا بھی ان کے لیے گوارہ نہ تھا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا کہ ان کا کرتہ اتارنے والے خادم نے داہنے ہاتھ کی طرف سے کرتہ اتار دیا، حالانکہ سنت یہ ہے کہ کرتہ پہنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں پہنے اور اتارتے وقت بائیں ہاتھ سے اتاریں، حضرت نے خادم کو ڈانٹ کر فرمایا تم کیسے بے وقوف ہو؟ تم کو سنت کا علم نہیں تم نے میرا کرتہ سنت کے خلاف اُتار دیا اب دوبارہ پہنادو، دوبارہ داہنے ہاتھ میں پہنا اور فرمایا کہ اب بائیں ہاتھ کی طرف سے اتارو۔

حضرت حکیم صاحب نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ سے بھی اس قسم کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ کا موزہ اتارا جو پہلے داہنی طرف سے اتار دیا، فرمایا پھر پہناؤ اور پہلے بائیں طرف سے اتارو، آج امت کا عجیب حال ہے کہ وہ سنت کو سنت خیال کرکے نظر انداز کرنے لگی ہے، جب کہ بگاڑ کے زمانہ میں ایک سنت پر چلنے والے کو سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، قاضی عیاضؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل بندے کو محض ایک سنت کے اتباع کی وجہ سے جنت میں داخل کردیتا ہے۔(۲)

مسلمانوں کا حال

مسلمان سنت سے کس قدر دور ہیں اور خلافِ شرع چیزوں کے کس قدر عادی ہیں اس کا اندازہ لگانے کے لئے مسلم معاشرہ پر اچٹتی نگاہ ڈالنا کافی ہے، تصویر نبیﷺ کو کس قدر ناپسند تھی اور اس

---

(۱)أنا احب ان أمشی إلیه کما رأیته یمشی (مسند احمد، عبداللہ بن عمر حدیث:۵۹۹۹)

(۲)إن اللہ یدخل العبد الجنة بالسنة تمسک بها(الشفاء:فصل وأما وجوب اتباعه وامتثال سنته ۲۱۲)

کے تعلق سے کس قدر سخت وعید آئی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے. جس گھر میں جاندار کی تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، لیکن مسلم گھروں کا حال یہ ہے کہ محض فیشن اور شوق کے لئے گھروں میں تصویریں آویزاں کرتے ہیں، ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا وجوب ہر شخص جانتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اس کا حکم دیا، سب نبیوں نے ڈاڑھی رکھی، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ سب اس کا اہتمام کرتے تھے لیکن نبی کی اس اہم ترین سنت کی ہم نے کیا درگت بنائی ہے؟ اسے ہر شخص جانتا ہے، بعض لوگ ڈاڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں ڈاڑھی ہے ڈاڑھی میں دین نہیں، اگر ان کی اس تھیوری پر عمل کیا جائے تو پھر دین کا کوئی رکن باقی نہیں رہے گا، مثلاً یہ کہ دین میں کلمہ ہے کلمہ میں دین نہیں، دین میں نماز ہے نماز میں دین نہیں، دین میں زکوۃ ہے زکوۃ میں دین نہیں، دین میں حج ہے حج میں دین نہیں، اس نامعقول اور بے سروپا تھیوری پر عمل کریں تو دین کا کوئی عمل اور نبی کی کوئی سنت باقی نہیں رہے گی، ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کے وجوب پر چاروں ائمہ کا اجماع ہے، غور کیجئے! کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمالیں کہ اے میرے امتی تو نے میرے چہرے میں کیا عیب پایا کہ میرے جیسی شکل نہیں بنائی تو ہم کیا جواب دیں گے؟

ایک مرتبہ ڈاڑھی منڈھے ایران کے دو سفیر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے اپنا چہرہ مبارک نفرت سے پھیرلیا۔(۱) کل قیامت کے دن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفرت سے چہرہ پھیرلیا تو بتائیے کہ ہم شفاعت کے لیے کہاں جائیں گے؟ فارسی کے مشہور شاعر مرزا بیدل کے پاس دور دراز سے ایک وفد پہونچا مرزا ڈاڑھی منڈوا رہے تھے؟ وفد کے امیر نے حیرت سے کہا کہ مرزا آپ بھی ڈاڑھی منڈواتے ہیں؟ مرزا نے شوخی سے جواب دیتے ہوئے کہا ہاں ڈاڑھی منڈاتا ہوں کسی کا دل نہیں دکھاتا، اس پر وفد کے سربراہ نے جو جواب دیا وہ ہم سب کے لئے غور طلب ہے، اس نے کہا ہاں! آپ کسی کا دل نہیں دکھاتے لیکن ڈاڑھی منڈوا کر اپنے رسول کے دل پر آرے ضرور چلاتے ہیں۔

---

(۱) "فکرہ النظر إلیھا" (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ذکر بعثہ إلی کسری ملک الفارس ۳/ ۵۰۹ دار المعرفۃ بیروت)

۞ اس وقت سنت سے دوری ہر چیز میں عام ہے، لباس میں، وضع قطع میں، گھر میں، شادی بیاہ میں، ہمارے گھروں میں کوئی سچا محبِ رسول آئے تو وہ فرق نہیں کر پائے گا کہ یہ رسول کے چاہنے والے کا گھر ہے یا دشمن رسول کا۔

۞ ٹخنوں سے نیچے سے شلوار، پاجامہ وغیرہ رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار تھا، آپ نے یہاں تک فرمایا: ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (۱) یعنی ٹخنوں سے نیچے ازار یا پائجامہ لٹکانے والے کے لیے آگ ہے، لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو نبی کی اس پسند کا لحاظ رکھتے ہوں، واقعہ یہ ہے کہ اتباعِ رسول کتنی قیمتی چیز ہے ہمیں اس کا اندازہ نہیں بقول حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ کے جتنا قدم قیمتی ہوتا ہے اتنا ہی قیمتی نقشِ قدم ہوتا ہے اور پوری کائنات میں حضورؐ کے قدم مبارک سے بڑھ کر کسی مخلوق کا قدم نہیں۔

۞ گانے بجانے سے اور موسیقی سے نبی کو بے حد نفرت تھی ایک مرتبہ آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے کسی کے گانے بجانے کی آواز آرہی تھی آپ نے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور صحابہؓ سے پوچھتے رہے کہ آواز رک گئی یا نہیں؟ جب صحابہ رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ آواز نہیں آرہی ہے تو آپ نے انگلی مبارک کو کان سے نکالا، (۲) ایک روایت میں آپ نے فرمایا: الغناء ینبت فی القلب کما ینبت الماء الزرع (۳) گانا آدمی کے دل میں اس طرح کا نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی گھانس کو اُگاتا ہے، آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے گانا بجانا مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہے نبی کی اس انتہائی ناپسندیدہ چیز کو ہم نے اس قدر من پسند بنالیا کہ موسیقی کے بغیر ہمارا جینا مشکل ہوگیا ہے کہ حتی کہ نبی کی ولادت کے نام پر منائے جانے والے جشن میں تک میوزک اور ریکارڈنگ کے بے تحاشہ استعمال ہونے لگا ہے، مساجد تک رنگ ٹون کی میوزک سے محفوظ نہ رہیں، موبائل نے ۲۴/ گھنٹے آدمی کو میوزک کے سمندر میں ڈبو کر رکھ دیا ہے، گھروں میں گھنٹوں ٹی

---

(۱) بخاری باب ما أسفل من الکعبین فی النار حدیث ۵۴۵۰۱

(۲) فوضع اصبعیہ فی أذنیہ وعدل براحتہ عن الطریق (الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۴/۶۳)

(۳) شعب الایمان فصل ومما ینبغی للمرء المسلم أن یحفظ حدیث ۵۱۰۰

وی پرفحش اور ننگے رقص کے ساتھ میوزک کا ناپاک سلسلہ جاری رہتا ہے، شادی بیاہ کی تقریبات میں فحش ریکارڈنگ کے ساتھ نیم برہنہ رقاصاؤں کا رقص عام ہوتا جارہا ہے، نبی کے ساتھ یہ کیسی جفا ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے کہ موسیقی کو مٹانے والے پیغمبر کی امت موسیقی کی حد درجہ دلدادہ ہورہی ہے۔

ۃ شادی بیاہ کے موقعوں پر سنتِ رسول کو کس بے دردی سے پامال کیا جاتا ہے، اس کے تصور ہی سے دل کانپ جاتا ہے، رشتہ کے انتخاب سے لے کر شادی کے اختتام تک ہر کام سنت سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، رقعوں میں النکاح من سنتی تو سنہرے الفاظ میں لکھا ہوتا ہے اسی طرح فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۱) (جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں) کی وہ نبوی وعید بھی خوبصورت تحریر میں درج ہوتی ہے لیکن قدم قدم پر سنت کی پامالی کر کے اس حدیثِ رسول کے ساتھ غیر شعوری طور پر مذاق اڑایا جاتا ہے، شادی میں چاہے لین دین کا معاملہ ہو یا فضول خرچی؟ دورانِ تقریب ویڈیو گرافی ہو یا خواتین کی بے پردگی، حسن و جمال اور مال ومنال کی بنیاد پر رشتہ کا انتخاب ہو یا بیہودہ رسموں کا اہتمام ہر جگہ سنتِ رسول سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، بقول حضرت تھانویؒ کے شادیوں میں سب کو خوش کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ،سوائے خدا اور رسول کے۔

سچی محبت کا ثمرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ماویٰ وملجا ہیں، ہمیں ایمان آپ ہی سے ملا، انسانیت آپ ہی سے ملی، ہماری دنیوی واخروی کامیابی کا دارومدار آپ ہی پر ہے، ہم پر آپ کے بے پناہ احسانات ہیں، آپ سے سچی محبت ہمارے ایمان کی روح ہے، قرآن وحدیث میں آپ کی محبت پر خوب زور دیا گیا ہے، ایک مؤمن کے دل میں خود اپنی ذات سے بھی زیادہ رسول کی محبت ضروری ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے، آپ ﷺ نے فرمایا

---

(۱) بخاری باب الترغیب فی النکاح حدیث ۴۷۷۶

نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو،[۱] اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا : خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا : الآن یا عمر! اب اے عمر! (تمہارا ایمان مکمل ہوگیا)

بخاری کی ایک اور حدیث میں یوں فرمایا: **فو الذی نفس محمد بیدہ لا یؤمن احد کم حتی أکون احب الیه من ولدہ و والدہ و الناس اجمعین**۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ۔(۲)

افراد امت میں جو زیادہ نبی سے محبت کرے گا وہ دنیا و آخرت میں اسی قدر سرفراز ہوگا، محبت خدا اور رسول سے ایمان کی حلاوت اور چاشنی نصیب ہوتی ہے، حدیث میں جن تین چیزوں کے پائے جانے پر حلاوتِ ایمان کے حصول کی بات کہی گئی ہے ان میں سے ایک یہ کہ آدمی کی نگاہ میں اللہ و رسول تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں ۔(۳) پھر جو بندہ نبی سے سچی محبت کرتا ہے اسے نہ صرف اخروی نجات حاصل ہوگی بلکہ وہ نبی کی رفاقت و معیت سے سرفراز ہوگا، ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس شخص نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم کو محبت ہوگی ۔(۴)

اس کے علاوہ محبت رسول مؤمن کے لئے عرشِ الٰہی کے نیچے سایہ کی ضامن ہوگی، چنانچہ احادیث میں جن سات افراد کے لیے عرش کے سایہ کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں ایسے دو افراد بھی ہیں

---

(۱) لاوالذی نفسی بیدہ حتی أکون أحب إلیک من نفسک (بخاری حدیث ۶۲۵۶)

(۲) بخاری باب حب الرسول ﷺ من الایمان حدیث : ۱۴

(۳) مسلم ۱ : /۶۶

(۴) "أنت مع من أحببت" (بخاری باب مناقب عمر بن الخطاب حدیث ۳۴۸۵۱)

جو اللہ کے واسطے محبت کرتے ہیں اللہ کی محبت پر جمع ہوتے ہیں اور اس کی بنیاد پر جدا ہوتے ہیں۔ (۱) اور محبت ِ خدا محبت ِ رسول کے بغیر ممکن نہیں، نبی سے محبت کو علماء نے ایمان کی شرط قرار دیا ہے، ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری چیزوں سے محبت خدا اور رسول کی محبت کے بعد ہے۔ (۲)

حقیقی محبت کا فقدان

نبی کی جس محبت پر ہمارے ایمان کا دارومدار ہے آج امت میں اس حقیقی محبت کا فقدان ہے، زبانی دعوؤں کی تو کمی نہیں ہے لیکن اطاعت واتباع پر کھڑا کرنے والی محبت ناپید ہے، نبی کے نام پر چند رسمی حرکتوں کا نام ہم نے محبت رکھ لیا ہے۔

۞ محبت رسول پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں محبت دینی کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض (۲) مستحب فرض وہ محبت ہے جو آدمی کو اللہ کے اوامر کو اپنانے اور نواہی سے بچنے پر آمادہ کرے، اگر کوئی مسلمان کسی گناہ یا حرام میں مبتلا ہے یا کسی واجب کو ترک کرتا ہے تو یہ دراصل محبت ِ الٰہی میں کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے خواہش نفس کو مقدم رکھا، محبت خدا کی طرح محبت رسول کی بھی دو قسمیں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کی گئیں۔ (فتح الباری ۱: /۶۱)

حقیقی محبت کی اس کسوٹی کی روشنی میں امت کا جائزہ لیا جائے تو بہت کم لوگ اس پر پورے اُتریں گے اگر ہم میں سچی محبت ہوتی تو ہم آپ کی سنتوں کو پامال نہ کرتے، آپ کی پسند وناپسند کا پاس ولحاظ رکھتے؛ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ماہ ربیع الاول میں جشن ولادت کے عنوان سے وہ سب باتیں ہم اپناتے ہیں جو نبی کو ناپسند تھیں، دوسروں کو تکلیف دینا آپ کو انتہائی ناگوار تھا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کو آپ نے ایمان کا شعبہ قرار دیا۔ (۳) درخت کاٹنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس سے لوگ سایہ سے محروم ہوں گے، حقیقی مسلمان کی تعریف یہ فرمائی کہ اس کے ہاتھ

---

(۱) ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ (بخاری باب الصدقۃ بالیمین حدیث: ۱۳۵۷)

(۲) جلاء الأفہام ۱۸۷/ادارالعروبۃ کویت

(۳) مسلم باب بیان عدد شعب الایمان حدیث: ۳۵

اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے؛(۱) لیکن ہم نبی سے اظہارِ محبت کے نام پر ایسی حرکات کرتے ہیں جس سے سراسر دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے، راستہ روکنا کان کے پردے پھاڑنے والی ریکارڈنگ کا اہتمام شور وہنگامہ سب کچھ اذیت رسانی ہے؛ اسی طرح فضول خرچی آپ کو انتہائی ناپسند تھی؛ لیکن محبت ِرسول کے عنوان سے رسمی چیزوں میں بے تحاشہ پیسہ صرف کیا جاتا ہے اور فضول خرچی کے گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا؛ اسی طرح غیروں سے مشابہت سے آپ سخت منع فرماتے تھے؛ لیکن ہم لوگ زندگی کے ہر معاملہ میں یہود ونصاریٰ کی نقل میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

جانثاری تقاضائے عشق ہے

حقیقی محبت تو حضراتِ صحابہؓ میں تھی جو انہیں نبی کی خاطر ہر چیز قربان کرنے پر آمادہ کرتی تھی، ایک مرتبہ تابعین میں سے کسی نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ نبی سے کیسی محبت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا قسم بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک اپنے مال واولاد، ماں باپ اور سخت پیاس کے دنوں میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔(۲) صحابہؓ کی محبت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان ومال کو نبی کے حوالہ کردیا تھا؛ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر سعد بن معاذؓ نے نبی ﷺ سے فرمایا یارسول اللہ ﷺ یہ ہمارا مال آپ کے سامنے ہے آپ اس کے تعلق سے جو چاہیں فیصلہ کریں اور یہ ہماری جانیں حاضر ہیں اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں گے ہم آپ کے آگے پیچھے سے دائیں بائیں سے ہر طرف سے قتال کریں گے "لو استعرضنا بنا هذا البحر فخضته لخضناه معک"(سیرۃ ابن ہشام ۲: /۸۸)

صحابہؓ کی جانثاری کا یہ عالم تھا کہ غزوۂ احد میں جب کافروں نے آپ ﷺ کی شہادت کی

(۱)"من سلم المسلمون من لسانه ويده"(بخاری باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده حدیث:۱۰)

(۲) ومن الماء البارد على الظمأ (شفاء ماروی عن السلف والائمة ۵۲/۲ دار الفيحاء عمان)

جھوٹی خبر اڑادی تو ایک صحابیہؓ بے چینی کے عالم میں نبی کا حال معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی کہ راستہ میں وقفہ وقفہ سے لوگوں نے ان کے باپ بھائی بیٹے کے شہید ہونے کی اطلاع دی ؛لیکن وہ ہر مرتبہ یہی دریافت کررہی تھی کہ نبی کا کیا حال ہے؛ بالآخر جب نبی کے قریب پہونچی تو کہنے لگی یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگرآپ موجود ہیں تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ۔(۱)

۞ زید بن دثنہ کفارِ مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جب انہیں شہید کرنے کے لیے حرم سے باہر لایا گیا تو ابوسفیان نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان سے پوچھا کہ زید! کیا تم اس کو پسند کروگے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ہم تمہارے بدلے ان کی گردن اڑادیں اورتم اپنے اہل وعیال میں عیش کرو؟ تو انہوں نے کہا کہ (قتل کیا جانا تو دور کی بات ہے) اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ ہوں اور آپ کا کانٹا چبھ جائے اسے بھی میں گوارا نہیں کرسکتا، اس پر ابوسفیان نے کہا میں نے لوگوں میں سے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اُن سے محبت کرتے ہیں ۔(۲)

۞ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندہ عروہ بن مسعود ثقفیؓ معاہدہ کرکے کفار کے پاس پہونچے تو انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو بخدا میں دنیا کے نامی گرامی بادشاہوں کے پاس جاچکا ہوں میں نے قیصر وکسریٰ کے پاس حاضری دی ہے، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اور رعایا ویسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم ومحبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں، قسم بخدا! جب وہ ناک صاف کرتے ہیں تو اس کی ریزش کسی نہ کسی کی ہتھیلی میں گرتی ہے جسے وہ اپنے چہرے پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی بات کا حکم کرتے ہیں تو سب اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو

---

(۱)"کل مصیبۃ بعدک جلل" (البدایہ والنہایہ فصل فی عدد الشہود ۴/۵۴)

(۲) وما أحب أن محمدا الان فى مكانه الذى هو فيه تصيبه شوكة تؤذيه وإنى حابس فى أهلى (البدایہ، غزوۃ الرجیع حدیث ۴/۷۵)

کرتے ہیں تو اُن کے وضو کے پانی کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب وہ کچھ کہنے لگتے ہیں تو اُن کی آواز پست ہو جاتی ہے(۱)

❖ قبولِ اسلام سے قبل جب ابوسفیان مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیاہ ہوئی اپنی لڑکی حضرت امِ حبیبہ کے گھر پہونچے تو نبی کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا بیٹی ام حبیبہؓ نے فوراً آپ کے بستر کو لپیٹ دیا اور کہنے لگی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک ہونے کے سبب ناپاک ہیں اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتی ہوں کہ آپ اس پر بیٹھیں۔ وأنت امرؤ نجس مشرک"(۲)

❖ ہجرت کے موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہونچ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم میرے ساتھ رہو گے تو ہجرت میں رفاقت کے شرف پر مارے خوشی کے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی کہ خوشی سے بھی رویا جاتا ہے۔(۳)

❖ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی جب مدینہ میں اطلاع پہونچی تو مدینہ کے انصار کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے اشتیاق اور شدتِ انتظار کا یہ عالم تھا کہ ہر روز صبح مدینہ سے باہر آیا کرتے اور جب تک دھوپ اور گرمی کی شدت نہ پڑتی واپس نہ آتے۔(۴)

❖ یہ تو صحابہؓ کی محبت رسول کا حال تھا کہ جانوں کو تک قربان کر ڈالا اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں نمازِ فجر کے لیے نیند قربان کرنا دشوار ہے، ہر دعوائے محبت کے پیچھے دلیل ہوتی ہے ہمارا دعوئے محبت بلا دلیل ہے اس لیے کہ اگر ہمیں سچی محبت ہوتی تو ہم آپ کی سنتوں سے محبت کرتے اور صحابہؓ کی طرح آپ کے اوامر بجالاتے اور آپ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز

---

(۱)وإذا تکلم علی وضوئه(بخاری باب الشروط فی الجاد حدیث۲۷۳۱۷)

(۲)الاصابہ حرف الراء ۷/۶۵۳، دارالجبل بیروت

(۳)فرأیت أبا بکر یبکی وماکنت أحسب أن احداً یبکی من الفرح (فتح الباری ۷/۳۳۵، دارالمعرفۃ بیروت)

(۴)فلما أحرقتهم الشمس رجعوا إلی منازلهم(الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۲۳۸ دار صادر، بیروت)

آتے، تحویل قبلہ کا حکم آیا تو صحابہؓ نے حالتِ نماز ہی میں اپنا رخ پھیر لیا۔(۱)

۞ شراب حرام کردی گئی تو صحابہؓ نے برسہا برس کی شراب کو اس طرح بہا دیا کہ مدینہ کی نالیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (حرمتِ شراب کے اعلان کے وقت) مجھ سے ابوطلحہؓ نے کہا جاؤ شراب بہاؤ، میں نکلا اور شراب بہادی اور مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی، حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مسلمانوں نے شراب بہادی اس لیے اس کی کثرت کی وجہ سے گلیوں میں شراب بہنے لگی یہ سب کچھ بغیر قیل وقال کے ہوگیا نہ کسی کو تردد ہوا نہ ہی کسی سے استفسار کیا گیا۔(۲)

۞ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ابوطلحہ اور فلاں فلاں شراب پلانے کے لیے کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کو خبر ملی؟ لوگوں نے کہا وہ کیا؟ اس شخص نے کہا کہ شراب حرام کردی گئی، لوگوں نے مجھ سے کہا، انسؓ شراب کے یہ گھڑے بہا دو، لوگوں نے اس خبر کے بعد کسی سے کچھ نہیں پوچھا نہ ہی کسی نے صراحت کی۔

۞ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ساتھ میں اس کی ایک بیٹی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے، آپ نے دریافت فرمایا کیا تم اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ عورت نے نفی میں جواب دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ قیامت کے دن تم کو ان دو کنگنوں کے بدلہ آگ کے کنگن پہنائے جائیں یہ سنتے ہی اس عورت نے دونوں کنگن اُتار کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈالدیئے اور کہنے لگی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ اور اس کے رسول کے واسطے صدقہ ہے۔(۳)

---

(۱) أسرعوا فی تولیۃ وجوھھم إلی الکعبۃ (بخاری باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد حدیث: ۶۸۲۵)

(۲) فجرت فی سلک المدینۃ (بخاری باب صب الخمر فی الطریق حدیث: ۲۴۶۴)

(۳) "فخلعتھا فألقتھا إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (ابوداؤد باب الکنز ماھو؟ حدیث: ۱۵۶۵)

عشق و تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطاعت سے ہے

اگر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت ہوتی تو ہم کو آپ کی باتوں کی صداقت اور ان کے یقینی ہونے پر آنکھوں دیکھی باتوں سے زیادہ یقین ہوتا جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھا کہ ان کی نگاہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی حقیقت جھوٹی ہوسکتی تھی؛ لیکن نبی نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں تردد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج سے مشرف کیا گیا صبح آپ نے مشرکین کو خبر دی تو سب آپ کا مذاق اڑانے لگے؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بلا تأمل اس کی تصدیق کی۔(١)

ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم زبان سے تو آپ کے طریقہ میں کامیابی کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس پر سچا یقین نہ ہونے کے سبب آپ کی اتباع نہیں کرتے؛ آپ کا فرمان ہے کہ صدقہ سے مال میں برکت آتی ہے اور سود مال کو مٹاتا ہے؛ لیکن صدقہ دینا ہمارے لیے اس لیے گراں ہے کہ ہمیں اس فرمان کا یقین نہیں ہے، امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ نبی کی تعظیم کی بنیاد یہ ہے کہ آپ کی کامل اطاعت کی جائے اور آپ کی باتوں کی بھرپور تصدیق کی جائے کہ ذرہ برابر اس میں شک یا شبہ نہ کیا جائے اور نہ کسی باطل کے ذریعہ اس کا تقابل کیا جائے۔(٢)

اگر ہمیں رسول سے سچی محبت ہوتی تو ہم اپنے آپسی نزاعات میں نبی کو حکم بناتے اور احادیث رسول سے جو بھی ثابت ہوا اسے بسر وچشم قبول کرتے ہم میں سے کتنے مسلمان ہیں جو طلاق، خلع اور عائلی مسائل میں شریعت اور نبی کے طریقہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے ملکی عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور قرآن وسنت کے فیصلے کے آگے جھکنے کے بجائے عدالت بازی کا سہارا لیتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں صاف اعلان ہے: **فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا**

---

(١) "نعم إنی لأصدقه فیما هو أبعد من ذلک" (المستدرک، ابوبکر صدیق حدیث ٤٤٠٧)

(٢) "ومعارضه الحق بالباطل" (مدارج السالکین فصل فی نظر العبد فی الذنب ٢٣٩/١ دار الکتاب العربی بیروت)

تسلیما۔ (۱) قسم ہے آپ کے پروردگار کی یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے آپسی نزاعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کریں، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو سنت رسول سے ہٹ جائے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمارہے ہیں کہ ایسا شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں نبی کے فیصلہ پر راضی نہ ہوجائے اور دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ ہو (۲) اسی طرح اگر ہمیں نبی سے سچی محبت ہوتی تو کفار ومشرکین اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے کئے جانے والے حملوں میں آپ کا بھرپور دفاع کرتے جیسے صحابہؓ کا حال تھا کہ مادی ومعنوی ہرلحاظ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاء کا حق ادا کردیا، غزوات میں نبی کے آگے ڈھال بن گئے، سارے تیر خود کھائے نبی پر خراش آنے نہ دیا؛ نیز دشمنوں کی جانب سے آپ کے طریقہ اور شریعت کے خلاف ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا، نبی سے سچی محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم آپ کے صحابہؓ کا دفاع کریں اس وقت دشمنانِ صحابہؓ کی جانب سے صحابہؓ امہات المؤمنین اور خلفاءِ راشدینؓ کو ناحق نشانہ بنایا جارہا ہے اور ہم ہیں کہ اپنی عیش وعشرت میں مگن ہیں، سارے صحابہؓ کو رضائے الٰہی کا پروانہ حاصل ہوچکا ہے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کی آیت نے سب کو خدا کا پسندیدہ بنادیا ہے نبی نے اپنے صحابہ کے تعلق سے خدا سے ڈرنے کی تاکید فرمائی اور انہیں برا بھلا کہنے سے منع فرمایا صحابہ کی عدالت اوران کا معیارحق ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے؛ صحابہؓ سے محبت ان کی تقلید واتباع اوران کا احترام ہر شخص پر لازم ہے، دشمنانِ صحابہؓ، امہات المؤمنین اوران میں بھی بالخصوص حضرت عائشہؓ کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ کا فرمان ہے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ سب وشتم کرے گا اسے قتل کردیا جائے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتا ہے اس نے دراصل قرآن کی مخالفت کی۔ (۳)

---

(۱) النساء: ۶۵ (۲) مجموع الفتاوی ۵۸: /۴۷۱ (۳)"من رماها فقد خالف القرآن" (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ۵۶۶/۱) الطابع الجرس الوطنی السعودی

مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ سارے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کوئی حضرت عائشہؓ کو برا بھلا کہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اس نے قرآن سے عناد کیا۔(۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم سنت رسول اور احادیث رسول کا دفاع کریں اس وقت خود کو اہلِ قرآن کہنے والے منکرین حدیث کا فتنہ عروج پر ہے وہ احادیث کے خلاف نوجوانوں کو برگشتہ کر رہے ہیں، احادیث کے تعلق سے طرح طرح کے شبہات پیدا کر رہے ہیں، محدثین کی ثقاہت کو چیلنج کر رہے ہیں، محمد بن مرتضی یمانی لکھتے ہیں کہ سنت رسول اور احادیث کا دفاع کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے اسے حتی المقدور اس جہاد کے لیے آلات واسباب کی تیاری کرنا چاہئے، حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعہ حضورؐ کا دفاع کرتے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہوتے تھے یہی حال آپ کے بعد آپ کی سنتوں کا دفاع کرنے والے کا ہے۔(۲)

اسی طرح محبت رسول کا ایک تقاضہ آپ کی سنتوں کی نشر واشاعت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے بلغوعنی ولو آیۃ[۳] میری ایک بات ہی کیوں نہ معلوم ہو اسے دوسروں تک پہونچاؤ یہ سب حضورؐ سے سچی محبت کی نشانیاں ہیں ان کے بغیر محبت کے محض زبانی دعوے قابل قبول نہیں ہوسکتے ان نشانیوں کی روشنی میں ہم اپنی محبت رسول کا جائزہ لیں اور کوتاہیوں کی اصلاح کریں۔

محبت رِسولؐ کیسے پیدا کی جائے؟

علماء نے حب رِسول پیدا کرنے کے لیے چند باتوں کی تاکید کی ہے، مثلاً اللہ کی محبت پیدا کرے اس سے رسول کی محبت پیدا ہوگی، اس لیے کہ محبت رسول کے بغیر محبت خدا ممکن نہیں، اللہ

(۱)"فانه کافر لأنه معاند للقرآن" (تفسیر ابن کثیر ۶/۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲)"کذلک من ذب عن دینه وسنته من بعده" (إیثار الحق علی الخلق ۱/۲۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) بخاری ۳ : / ۳۴۵

کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نعمتیں یاد کی جائیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، آدمی جس کو بار بار یاد کرتا ہے اس کی محبت دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے؛ اسی طرح نمازوں میں خشوع وخضوع اور فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام بھی محبت ِالٰہی میں معاون ہے، دعا کی کثرت سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، دعا کے آداب کی پوری رعایت رکھی جائے اسی طرح تدبر وترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اس مقصد کے لیے بے حد مفید ہے، تلاوت کلام اللہ دراصل اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرنا ہے؛ نیز اللہ کے محبوب بندوں سے محبت اور ان کی صحبت انتہائی مؤثر ہے؛ اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے حالات کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

(۱) نبی کی محبت کے لیے بار بار نبی کا تذکرہ اور آپ کے حالات وسیرت کے سننے پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، اس دوران خصوصیت کے ساتھ امت پر نبی کی شفقت ورحمت کی تفصیلات اور دعوت کی راہ میں پیش آئیں مشکلات اور کفار ومشرکین کی ایذارسانیوں کو بار بار سوچتا رہے، آپ نے امت کی ہدایت کی خاطر کیسی کیسی تکلیفیں جھیلیں طائف میں لہولہان ہوئے، احد میں زخمی کئے گئے، فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے، ان سب باتوں کا مذاکرہ حب رسول کے لیے انتہائی مفید ہے۔

(۲) اسی طرح اس بات پر بھی غور کرے کہ آپ کی محبت کے بغیر ایمان کامل ہو نہیں ہوسکتا؛ نیز سچی محبت رسول کے بغیر اعمال وعبادات میں حلاوت اور لذت نہیں آسکتی؛ نیز محبت ِرسول سے غم ہلکے ہوتے ہیں دل کو تقویت ملتی ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور جو جتنا زیادہ نبی سے محبت رکھے گا کل قیامت کے دن نبی سے اتنا ہی قریب ہوگا۔

(۳) حضراتِ صحابہؓ سے محبت اور ان کے حالات کا مطالعہ بھی نہایت مؤثر ہے، صحابہؓ کس طرح نبی سے والہانہ محبت کرتے تھے اور رسولؐ پر اپنی جان اپنا مال نچھاور کرتے تھے، صحابہؓ کی محبت کے واقعات کے بار بار سننے سے آدمی میں سچی محبت کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۴) کثرتِ درود کے اہتمام سے بھی امتی کا نبی سے تعلق بڑھتا ہے۔

رفعتِ شانِ مصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کوئی ذات سب سے باعظمت ہے تو وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہے، خدا کے نام کے بعد انہی کے نام کی رٹ ہے، قرآن خود آپ کی رفعت شان پر گواہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک فرما کر آپ کو عظمت ورفعت کی چوٹیوں پر پہونچا دیا ہے، نماز واذان میں خدا کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے، معراج میں آپ نے جن بلندیوں کو چھوا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی وہ مقام حاصل نہ ہوسکا، آپ پر درود وصلوٰۃ کا جہاں مؤمنوں کو حکم دیا گیا وہیں خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی اس میں شریک ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا، آپ کو انبیاء کی امامت کا شرف عطا کیا گیا، قیامت کے دن آپ کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، سارے انبیاء میں آپ ہی کو شفاعتِ کبریٰ کا حق حاصل ہوگا، سارے نبیوں کی انفرادی خصوصیات آپ میں اکھٹی جمع کردی گئیں، آپ کی عظمتِ شان کے پیش نظر صحابہؓ کو پابند کردیا گیا کہ وہ اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کریں لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات ۲۱:) ورنہ ساری نیکیوں کے ضائع ہونے کی وعید سنائی گئی، علماء نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک رکھا ہوا ہے وہ ٹکڑا عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے، جس سے سچی محبت ہوتی ہے آدمی اس کی تعظیم وتوقیر بھی کرتا ہے، نبی سے سچی محبت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے قلوب ان کی عظمت سے سرشار ہوں۔

عظمتِ رسول میں کوتاہی

قرآن مجید میں کامیاب مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں پر نبی کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں توقیر وتعظیم بھی ہے؛ بدقسمتی سے ہم مسلمانوں سے جہاں اور باتوں میں کوتاہی ہو رہی ہے وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں بھی کوتاہی ہو رہی ہے۔

ماہِ ربیع الاول کے موقع پر محبت رسول کے نام پر کی جانے والی بیشتر حرکتیں عظمت رسول کے تقاضوں سے عاری ہوتی ہیں، کاغذ کے پھریروں اور جھنڈوں پر رسول کا نام درج ہوتا ہے؛ پھر دوسرے دن وہ پھریرے پیروں تلے آجاتے ہیں، آپ کی شان میں پڑھی جانے والی نعتوں میں میوزک کا اہتمام اور جلوس میں رقص کا شغل گنبد خضریٰ کا ماڈل بنا کر اسے ضائع کردینا وغیرہ بے شمار حرکتیں ہیں جو عظمت رسول کے منافی ہیں۔

اسلاف کے عظمت رسول پر حیرت انگیز واقعات

حضراتِ صحابہؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین ومحدثین تھے جنہوں نے عظمتِ رسول کا حق ادا کیا، آیت قرآنی یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعضکم أن تحبط اعمالکم وأنتم لا تشعرون (۱) جب نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو نبی کے ساتھ بلند آواز سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا تو حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ اس قدر پست آواز سے گفتگو کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ دریافت کرنا پڑتا۔(۲)

۞ حضرت ثابت بن قیسؓ فطری طور پر بلند آواز تھے آیت بالا کے نزول کے بعد گھر ہی میں محصور ہوکر رہ گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ میں تو جہنمی ہوگیا؛ یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔(۳)

۞ عظمت رسول کا یہ عالم تھا کہ صحابہؓ جی بھر کے حضورؐ کو دیکھتے بھی نہ تھے (فتح الباری ۵: / ۳۸۸) جب آپ گفتگو فرماتے تو اس طرح خاموش ہوجاتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔(۴)

۞ حتی کہ صحابہ کرامؓ آپ کے گھر پہونچتے اور دروازہ کھٹکھٹانے کی نوبت آتی تو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے؛ تاکہ آواز سے کہیں نبی کو تکلیف نہ پہونچے۔(۵)

۞ یہی حال حضراتِ تابعینؒ، ائمہ محدثینؒ کا تھا کہ حدیث بیان کرتے تو عظمتِ رسول کے احساس سے حالت غیر ہوجاتی تھی، اکثر محدثین کے تعلق سے آتا ہے کہ وہ بغیر وضو کے حدیث بیان

---

(۱) الحجرات: ۲

(۲) "فماکان عمر یُسمع رسول اللہ بعد ھذہ الایۃ حتی یستفھمہ" (بخاری :لاترفعوا أصواتکم، حدیث: ۴۸۴۵)

(۳) "ولکن من أھل الجنۃ" (بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام حدیث ۳۶۱۳)

(۴) "کأن علی رؤوسھم الطیر" (بخاری باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ حدیث ۲۸۴۲)

(۵) "کانت أبواب النبی تقرع بالأظافیر" (الجامع لاخلاق ا لراوی، ۱۶۱۱)

کرنے سے گریز کرتے تھے اور باوضو حدیث سنانے کا اہتمام کرتے تھے، ضرار بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اعمش ؒ کو دیکھا کہ اگر بے وضو ہوتے اور حدیث بیان کرنے کی نوبت آتی تو تیمم فرمالیتے ۔(۱)

۞ حضرت ابو مسلمہ خزاعی ؒ کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس ؒ درسِ حدیث کے لیے نکلتے تو وضو فرماتے، اچھے کپڑے زیب تن کرلیتے، ٹوپی پہنتے ڈاڑھی میں کنگھی کرلیتے، ان سے پوچھا جاتا کہ آپ اس قدر اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ حدیث رسول کی توقیر کررہا ہوں ۔(۲)

۞ حضرت سعید بن مسیب ؒ بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے جب شاگردوں کو حدیث سنانے کا وقت آیا تو فرمایا مجھے بٹھادو میں لیٹے لیٹے حدیث سنانے کو انتہائی گراں سمجھتا ہوں ۔(۳)

۞ حضرت محمد بن سیرین گفتگو کے دوران حسب ضرورت ہنستے لیکن جوں ہی حدیث سنائی جاتی ان پر خشیت اور رعب طاری ہوجاتا ۔(۴)

۞ حضرت امام مالک ؒ سے ایوب سختیانی کے تعلق سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے سامنے جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا اس قدر روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا، جب مین نے نبی کی تعظیم کی یہ کیفیت ان پر دیکھی تو ان سے احادیث لینے لگا ۔(۵)

۞ حضرت مصعب بن عبداللہ امام مالک کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کا ذکر شریف ہوتا تو امام مالک ؒ کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا اور بالکل جھکنے لگتے حتی کہ ان کی یہ کیفیت ان کے ہمنشینوں کے لیے دشواری کا باعث بننے لگی، لوگوں نے ان سے اس تعلق سے دریافت کیا تو

---

(۱)"کانت أبواب النبی تقرع بالأظافیر "(الجامع لاخلاق ا لراوی، جواز طرق الباب وصفتہ۱۶۱۱، مکتبہ المعارف الریاض)

(۲)"اوقر بہ حدیث رسول اللہ "(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۸)

(۳)الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۸

(۴)الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۹

(۵)الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۹

فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم دیکھنے لگو تو اس کیفیت پر تعجب اور حیرت نہ کرو، حضرت امام مالکؒ محمد بن منکدر کے تعلق سے نقل کرتے ہیں کہ جب بھی ہم ان سے کوئی حدیث دریافت کرتے تو وہ اس قدر روتے کہ ہمیں ان پر ترس آتا۔(۱)

حضرت امام مالکؒ جعفر بن محمد کے تعلق سے کہتے ہیں کہ وہ بڑے ظریف الطبع تھے بہت مزاح فرماتے تھے؛ لیکن جب ان کے سامنے نبی کا ذکر آتا تو ان کے چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا میں نے دیکھا کہ ہمیشہ باوضو درس حدیث دیا کرتے تھے۔(۲)

حضرت عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ کے بارے میں آتا ہے جب ان کی مجلس میں نبی کا ذکر آتا تو ان کا چہرہ اس قدر سرخ ہو جانے لگتا تھا کہ خون رس رہا ہے اور......زبان سوکھ جاتی تھی یہی حال حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر کا تھا کہ نبی کے تذکرہ پر اتنا روتے کہ آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے زہری اوصفوان بن سلیم کے بارے میں بھی یہی کیفیت نقل کی گئی ہے۔(۳)

حضرت امام مالکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ تمام عمر مدینہ میں بسر کی اور بہ پاسِ ادب کبھی مدینہ منورہ کے حدود میں بول و براز نہیں کیا، ایک شخص نے کہا مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے تو حضرت امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے ۳۰/ درے مارے جائیں اور قید کر دیا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے وہ زمین جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوں اس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔(۴)

امام مالکؒ سے یہاں تک نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ زرت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیاۃ طیبہ خاص حیات سے مشرف ہیں، حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے؛ انہوں نے جب سنا کہ

---

(۱) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۹

(۲) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۹۰

(۳) حتی لاتبقی فی عینیہ دموع (الشفاء الفصل الثالث حرمتہ وتوقیرہ دار الفیحاء عمان ۲/۹۴)

(۴) تربۃ دفن فیھا رسو لااللہ ﷺ یزعم أنھا غیر طیبۃ (الشفاء حرمتہ وتوقیرہ ۲/۹۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دستِ مبارک میں لیا تو اس روز سے پاس ادب میں کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔(۱)

حضرت ابوالفضل اندلسی جوہری نے زیارتِ مدینہ کا قصد کیا جب مدینہ منورہ کے حدود میں داخل ہوئے تو سواری سے اُتر پڑے اور پیدل چلنے لگے۔(۲)

حضرت عمرؓ کو وصال رسول کے بعد مسجد نبوی کے احترام کا تک اس قدر لحاظ تھا کہ دو افراد کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے گفتگو کرتے دیکھا تو دونوں کو بلوایا اور دریافت کیا کہ تم دونوں کا تعلق کس علاقہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تمہیں دردناک سزا دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو؟۔(۳)

عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضے

عظمت رسول کے متعدد تقاضے ہیں، عظمت رسول کا تقاضہ ہے کہ آپ کی سنتوں کا احترام کیا جائے ان کے مقابلہ میں غیروں کا طریقہ اپنانا عظمتِ رسول کے سراسر منافی ہے؛ اسی طرح صحیح احادیث سے ثابت سنتوں کا استخفاف بھی توہین رسالت کے برابر ہے، عظمتِ رسول میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار تذکرہ کیا جائے آپ کے فضائل وخصوصیات بیان کئے جائیں آپ کے معجزات و دلائل نبوت کا علم حاصل کیا جائے، لوگوں کو آپ کی سنتوں سے واقف کرایا جائے؛ نیز لوگوں کو آپ کے مقام ومرتبہ اور علو شان سے آگاہ کیا جائے، آپ کی صفات واخلاق اور حلیہ مبارک بیان کیا جائے اور امت پر آپ کے کیا حقوق عائد ہیں انہیں بیان کیا جائے؛ نیز آپ کی سیرت اور آپ کے غزوات کا علم حاصل کیا جائے اور ان سے دوسروں کو واقف کرایا جائے۔(۴)

---

(۱) ما مسست القوس إلا علی طھارة (حوالہ سابق)

(۲) وقرب من بیوتھا ترجل ومشی باکیا

(۳) "وترفعان أصواتكما في مسجد الرسول" (بخاری باب رفع الصوت فی المساجد حدیث ۴۵۸)

(۴) "وما كان من امر دعوته وسيرته وغزواته" (حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی امتہ، تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲/۴۷۲)

عظمت رِسول کاایک اہم تقاضہ آپ پر درود وسلام کااہتمام ہے،قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز میں مسلمانوں کواس کی تاکید فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے نبی پررحمت نازل کرتے ہیں فرشتے بھی ہمیشہ آپ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں؛گویاعالم علوی اورعالم سفلی دونوں کوآپ پر درود بھیجنے کاحکم دیاجارہاہے۔(۱)

مؤمنوں کانبی پر درود بھیجنا دراصل اللہ تعالیٰ سے آپ کی مزید ثنا کی گذارش ہے۔(۲) آیت قرآنی میں امر کاصیغہ استعمال کیا گیاہے اورامر وجوب کے لئے آتاہے،جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر درود واجب ہے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کوبخیل قرار دیاہے جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاذکرکیاجائے اوروہ آپ پر درود نہ پڑھے۔(۳)

عظمت رِسول کاایک تقاضہ یہ ہے کہ آپ کانام پاک ادب سے لیاجائے؛بلکہ آپ کونام لیکر پکارنے کے بجائے رسول اللہ نبی اللہ یا آپ کے دیگراوصاف ذکر کئے جائیں،قرآن مجید میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے،ارشاد ہے لاتجعلوا دعاءالرسول کدعاءبعضکم بعضا۔(۴)

عظمت نام پاک کانمونہ

آدمی کے دل میں جب عظمت جاگزیں ہوجاتی ہے تو پھراس کے لیے بادشاہت بھی احترام کے تقاضوں کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنتی،سلطان محمود پرحب رسول اورعظمت رسالت کا اس قدرغلبہ تھاکہ وہ اپنی زبان پررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کااسم مبارک لانے میں حد درجہ احتیاط کرتاتھا؛اس کے ایک ندیم خاص کانام محمد تھاوہ اس کوہمیشہ اسی نام سے پکاراکرتاتھاایک روز اس

---

(۱)"ثم امر اللہ تعالیٰ أھل العالم السلفی بالصلاۃ والتسلیم علیه" (أضواء السلف السعودیة، تفسیر ابن کثیر ۶۴۰۴ دار الکتب العلمیه بیروت)

(۲)"فھی طلب المزید من الثناء من اللہ عزوجل" (التادیب مع الرسول ۱۱۹/۱ احسن نورمحمد)

(۳)"البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ" (ترمذی حدیث:۳۵۴۶)

(۴)النور ۶۳

نے اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا، تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، سلطان نے اس کو گھر سے بلوا بھیجا اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا تو اس نے عرض کیا کہ آقا مجھے ہمیشہ محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلافِ عادت مجھے تاج الدین کے نام سے پکارا گیا تو میں نے سمجھا کہ مجھ سے بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اس لیے میں نے اپنی صورت نہیں دکھائی اور یہ تین روز میں تم سے بدگمان نہیں ہوں؛ لیکن جب میں نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا اس وقت میں باوضو نہیں تھا، مجھے شرم آتی ہے کہ محمد کا نام بے وضو لوں۔(۱)

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات

عظمتِ رسول کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر خیر سراسر خیر و برکت کا ذریعہ ہے، عارف باللہ حضرت شاہ حکیم اختر صاحب علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں حضرت تھانویؒ کی تصنیف لطیف ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کا واقعہ نقل فرمایا ہے جب حضرت تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر اس کتاب کو لکھ رہے تھے اس زمانہ میں تھانہ بھون میں طاعون پھیلا ہوا تھا جس دن کتاب لکھتے قصبہ میں کوئی موت نہیں ہوئی تھی اور جس دن ناغہ ہوتا اس دن کئی اموات ہو جاتی تھیں، جب حضرت کو مسلسل یہ روایت پہونچی تو آپ روزانہ لکھنے لگے تو وہاں طاعون ختم ہوگیا۔(۲)

عظمت رسول میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ کی مسجد اور آپ کے روضہ مبارک نزدیک آواز بلند نہ کی جائے حتی کہ سلام پیش کرتے ہوئے بھی علماء نے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور مسجد نبویؐ اور روضۂ رسول کی زیارت کے مستقل آداب ہیں جن کی رعایت کرنا ہر مؤمن پر ضروری ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ شہر مدینہ کا احترام بھی لازم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے متعدد فضائل ذکر فرمائے ہیں، مدینہ مقدس شہر ہے جہاں مسجد نبوی اور روضۂ رسول ہے۔

---

(۱) تاریخ فرشتہ ۱/ ۷۴ (۲) آداب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا حکیم اختر صاحب ص: ۱۲

تیسرا باب

واقعاتِ ہجرت کا پیغام

واقعۂ ہجرت - ایک مطالعہ

واقعۂ ہجرت اسلامی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے جس کے بغیر اسلامی تاریخ ادھوری رہ جاتی ہے، بلکہ اسلامی تاریخ کی وسعت اور اس کا ارتقاء واقعۂ ہجرت ہی سے وابستہ ہے، ہجرت کے بعد ہی اسلام مکہ کی بنجر زمین اور اسکی محدود چہار دیواری سے نکل کر آفاق عالم کی جانب اپنے سفر کا آغاز کرسکا، ہجرت دراصل ساری انسانیت کے لیے حرکت، بیداری، تموج اور بے پناہ اولوالعزمی کا ایک انقلاب آفریں پیغام ہے، ہجرت ہی سے ساری انسانیت کے لئے دنیا میں ایک نیا سویرا طلوع ہوا، خداوند قدوس کے یہاں یہ بات طئے شدہ تھی کہ اس کے محبوب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی گئی صدا چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی، چنانچہ اس عظیم انقلاب کے لئے جب مکہ کی زمین تنگ کردی گئی تو قدرت نے ہجرت کی شکل میں ایسے اسباب پیدا کردئیے کہ اس عظیم دعوت کو کھلی فضا نصیب ہوئی، قبل اس کے کہ ہم ہجرت کے رموز واسرار اور بصائر وحکم کی طرف اشارہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہجرت کے پس منظر، اسباب ومحرکات پر ایک نظر ڈال لیں۔

ہجرت کا پس منظر اور مستشرقین کا پروپیگنڈہ

مستشرقین اور اسلام دشمن لابی کی طرف سے کئے گئے پروپیگنڈوں اور تاریخ کی مادی تشریح کے فلسفہ سے جہاں تاریخ اسلام اور بالخصوص اس کا وہ حصہ جو آپ کے اقدامات اور سیرت سے متعلق ہے مخدوش ہوگیا وہیں پر ہجرت جیسے عظیم واقعہ کا مخدوش ومتأثر ہونا تعجب خیز بات نہیں، عصر حاضر کے ان نام نہاد محققوں نے تحقیق وریسرچ کے نام پر تحقیقی حقائق کو جس بھونڈے انداز سے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اس سے ان کی اسلام دشمنی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ہجرت اور اس کے پس منظر کو ایک نئے زاویہ سے پیش کیا جائے تو اس سے اسلامی تاریخ پر کاری ضرب ہی نہیں بلکہ بعثت رسول کے مقاصد اور واقعہ ہجرت پر مبنی حقائق ونتائج بھی بری طرح متاثر ہوسکتے ہیں تو انہوں نے اس گوشہ پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور کہنے لگے کہ

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کسی دینی مقصد یا اسلامی جذبہ کے تحت نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک نئے دین کو قبول کرنے سے جب ان پر اقتصادی ناکہ بندی کردی گئی اور انہیں ایک خطرناک معاشی بحران سے دوچار ہونا پڑا نیز مکہ میں ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تو انہوں نے ایک ایسی جگہ ہجرت کرنی چاہی جہاں وہ چین کا سانس لے سکیں اور ان کا اقتصاد بھی مستحکم ہو، یہ ایک ایسا پروپیگنڈہ ہے جس کی نہ تاریخی حقائق تائید کرتے ہیں اور نہ ہی سیاق وسباق سے اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مکہ میں جن جواں مردوں نے سب سے پہلے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا تھا ان کی معاشی حالت کا معیار کیا تھا؟ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت عثمانؓ، یہ وہ حضرات تھے جن کے پاس مال ودولت کی بہتات تھی ان کی تجارت کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ وہ بہ آسانی مکہ کی اقتصادیات پر اثر انداز ہوسکتے تھے، اس کا اندازہ کتب سیرت کی روایات سے لگایا جاسکتا ہے، کوئی اپنا سارا مال جائیداد چھوڑ کر جارہا ہے تو کسی کو اپنے گھر کے ساز وسامان سے ہاتھ دھونا پڑ رہا ہے، کوئی ہے کہ محض کافروں سے خلاصی پا کر نکلنے کے لئے ان سے اپنی ساری دھن دولت کا سودا کر رہا ہے ادھر حضرت ابوبکر جیسے رئیس شخص کو جن کی تجارت کا مکہ میں ڈنکا بج رہا تھا، جب ہجرت کی خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اپنے گھر کا سارا صرفہ جس کی مقدار ۵۰ / ہزار درہم تھی لے کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکل پڑتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان دیکھئے کہ ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ہجرت جیسے عظیم عمل میں مخلص نہیں ہے بلکہ دنیوی اغراض کے حصول کے تحت ہجرت کر رہا ہے تو فوراً تنبیہ کردی "ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه" (۱) (جس کی ہجرت دنیوی مقصد کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی)

ایک طرف حضورؐ سے صحابہ کا شدت عشق نظر میں رکھئے اور دوسری طرف حضورؐ کا یہ ارشاد ذہن

---

(۱) بخاری: کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث ۱:

میں رکھئے پھر سوچئے کہ صحابہ کی ہجرت کا کیا مقصد تھا؟

ایک مغالطہ کا جواب

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مغالطہ کا ازالہ کیا جائے جس کا عام طور پر لوگ شکار ہوتے ہیں گو کہ واقعہ ہجرت سے اس کا تعلق دور کا ہے تاہم اس کے بعض گوشوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے وہ مغالطہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مظلومانہ زندگی، دفاعی کاروائی سے احتراز اور پے در پے ظلم سہتے رہنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلمان اس قدر زبوں حال تھے کہ ان کے لئے سوائے ظلم کی چکیوں میں پسنے کے کوئی چارہ نہ تھا چہ جائے کہ وہ کفارِ مکہ سے برسرِ پیکار ہوجاتے حالانکہ حقیقت حِال ایسی نہ تھی، یہ صحیح ہے کہ مسلمان کفارِ مکہ کے مقابلہ میں کمزور ضرور تھے کیونکہ ان کی نفری تعداد مختصر تھی، وسائل کی بھی ان کے پاس قلت تھی لیکن بایں ہمہ اگر وہ چاہتے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ملتا تو وہ کفار مکہ کی زندگی دوبھر کردیتے اور خفیہ طریقہ پر ان کے خلاف پُر تشدد کاروائیاں کرتے، جیسی صورت حال آج پنجاب وکشمیر اور بعض دوسرے علاقوں میں نظر آرہی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان اسی میں الجھ کر رہ جاتے اور ان کا اصل دعوتی مشن لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوجاتا، ورنہ کیا وجہ ہے کہ جن جاںنثاروں نے سارے سماج کی دشمنی مول کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہو اور ان پر بے رحم ظالم آئے دن ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں انہیں ''صبراً یا آل یاسر''(۱) (اے آل یاسر صبر کرو) کی تلقین کی جائے؟ واقعہ یہ ہے کہ جس ذات عالی کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ یہ سب برداشت کررہے تھے اس کی طرف سے طاقت کے استعمال کی اجازت بھی نہیں ملی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب مدینہ کی ہجرت کو کچھ عرصہ گذر گیا تو حضر جبرئیل ''اذن للذین یقاتلون بأنھم ظلموا''(۲) (ان لوگو کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا) لے کر اترے، اس آیت میں اجازت دی گئی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے'' اجازت نہیں تھی، اس پوری صورتِ حال سے مسلمانوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر نقصان کو

---

(۱) مستدرک: ذکر مناقب عمار، حدیث: ۵۶۴۶ (۲) الحج: ۳۹

برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن دعوتی کام کے نقصان کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ہجرت اور چند حقائق

نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے چند تکوینی قوانین کارفرما ہیں جن کے بغیر دنیا کی کوئی چیز نہ تو وجود میں آتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے، انہیں قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کی چیزوں کو اسباب کے ساتھ جوڑ رکھا ہے، جب تک مطلوبہ اسباب کو اختیار نہیں کیا جائے گا نہ کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے مطلوبہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنی وسعت و امکان کے بقدر مطلوبہ اسباب کو اکھٹا کرے، پھر اللہ کی ذاتِ عالی سے لو لگائے رکھے، جب یہ دو عناصر ترکیبی وجود میں آتے ہیں تو پھر نصرتِ الٰہی بھی حرکت میں آتی ہے، رسول اکرمؐ کی زندگی کے تمام مراحل بالخصوص ہجرت جیسے نازک ترین مرحلہ میں مذکورہ دونوں پہلو مکمل طور سے نظر آتے ہیں ایک طرف خدا کی ذات پر کامل یقین ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا اور یہ کہ سب کچھ اسی سے ہوتا ہے، دوسری طرف عمل پیہم، جہد مسلسل، حتی الامکان اسباب کی فراہمی، ٹھوس اقدامات اور مضبوط پالیسیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، ایک طرف ذہن میں ہجرت کا نقشہ تیار کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی فریاد کر رہی ہیں "وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا" (۱)

(اے اللہ مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو)

گویا امت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ کوئی بھی تحریک یا انقلاب اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک زمین وآسمان کا یہ حسین امتزاج اسے مستحکم بنیاد فراہم نہ کرے۔

---

(۱) الإسراء: ۸۰

ہجرت کا آغاز

ہجرت کی سرگرمیوں کا آغاز کب سے ہوا اس کی صحیح تحدید تو شاید مشکل ہے تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا کہ مکہ کی بت پرست قیادت کسی طرح اس نئے انقلاب کو برداشت کرنے والی نہیں ہے اور اب مکہ میں اس دعوت کے پھلنے پھولنے کا کوئی امکان نہیں ہے، تو اسی وقت آپ اس فکر میں تھے کہ کسی دوسرے مقام کا انتخاب کیا جائے، اور یہ اس لئے کہ آپ اچھی طرح جان چکے تھے کہ بنجر زمین میں اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھنا دراصل اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آپ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا جب کہ سالہا سال کی طویل محنت اور بے لوث دعوت کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہونچے کہ مکہ کے چودھری اب اس کو پنپنے نہ دیں گے'' آپ کے اس طرز عمل میں ایک داعی کے لئے بہترین اسوہ ہے، اس سے جہاں یہ درس ملتا ہے کہ داعی کو مدعو سے فوراً دل برداشتہ نہ ہونا چاہئے، بلکہ انتہائی صبر وضبط اور تحمل کے ساتھ اپنی محنت کو جاری رکھنا چاہئے، وہیں یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ داعی کو اگر طویل مدت کے بعد بھی مدعو سے مستقبل میں کسی چیز کی امید نہ رہے تو وہ اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کو ان کے پیچھے لگا کر ضائع نہ کرے۔

طائف کے سفر سے جب آپ کو ناامید لوٹنا پڑا تو آپ پست ہمتی کا شکار نہ ہوئے بلکہ مزید شدت وقوت کے ساتھ اس فکر وکوشش میں رہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت کے پھیلنے کی کوئی سبیل نکالے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بعثت کے گیارہویں سال یثرب سے ایک وفد مکہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت، اس کی تعلیمات اور اس کے آفاقی پیغام کو پیش کیا سبھوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، ایک سال گزرا تھا کہ یثرب سے بارہ آدمیوں پر مشتمل ایک اور وفد آیا، اس مرتبہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے اسلامی اقدار پر کاربند رہنے اور اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے پر بیعت کی، آپؐ کی بصیرت اور ٹھوس حکمت عملی کا اندازہ لگائیے کہ پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو صرف اسلام کی دعوت پیش کی باوجود یہ کہ انہوں نے اسلام کو بصمیم قلب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن آپؐ نے بیعت میں جلدی نہ کی، جب

دوسرے سال بارہ افراد آئے جن میں چھ پرانے تھے تو ان سے بھی صرف بیعت پر اکتفا کیا، اب بھی ان کے سامنے اپنی بات نہ رکھی، اور نہ ہی اپنے آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، جب دوسری مرتبہ آنے پر ان کی سچائی اور اخلاص کے سلسلے میں مزید اطمینان ہوا نیز ان سے بیعت ہوئی تو آپ نے اپنے ایک قاصد کو بھیج کر وہاں کے ماحول کو سازگار بنانا چاہا چنانچہ مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا، حضرت مصعبؓ کی ایک سالہ محنت سے مدینہ کی کایہ پلٹ گئی جس کے نتیجہ میں اگلے سال ۷۲ / مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ایک وفد اسلام سے مشرف ہونے کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اب تیسری مرتبہ جب آپ کو مدینہ کے حالات کے سلسے میں پورا اطمینان ہوا اور سارے خدشات ختم ہو گئے تو ان کے سامنے ہجرت کی پیش کش کی اور پوری صراحت کے ساتھ ان لوگوں سے اسلام اور رسول خدا کی حفاظت کی خاطر مر مٹنے پر بیعت کی، اب حالات پوری طرح ساز گا ہو چکے تھے، مدینہ کے نئے مسلمانوں کے اسلامی جذبہ اور اخلاق پر کامل اعتماد حاصل ہو چکا تھا، (۱)

مادی اسباب بالکلیہ اس کی اجازت دے رہے تھے کہ اب ہجرت کی جائے لیکن رسول اکرمؐ نے اپنے ساتھیوں کو تو چپکے سے نکلنے کا حکم صادر فرمایا اور خود آسمانی اشارے اور خدائی مشیت کے منتظر رہے، مادی اسباب اور آسمانی مدد میں کیسی عجیب ہم آہنگی ہے اس کا اندازہ آپ کی زندگی کے ایک گوشے سے لگایا جاسکتا یہ، یہ اس عظیم ذات کی سیرت ہے جو دنیا میں امام المتوکلین کہلائی جس نے دنیا کو توکل کے مفہوم سے آشنا کیا لیکن آج اسی نبی کی امت سیرت کے اس عظیم پیغام کو فراموش کر کے در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

مکہ کے چودھریوں نے جب دیکھا کہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے اور عنقریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ روانہ ہونے والے ہیں تو فوراً حرکت میں آ گئے، وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ مدینہ جا کر مسلمان چین کی سانس لیں اور رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خوب پھلے پھولے، چنانچہ ادھر جبرئیل امین ہجرت کا پروانہ لے کر اترے اور کفار مکہ کے ناپاک عزائم سے مطلع کیا۔

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱/۲۷۶

شبِ ہجرت شبِ عشق و امتحان

جس اشارے کے آپ سخت منتظر تھے اب وہ مل چکا تھا نیز اس وقت آپ کو اللہ کی نصرت وتائید اور غیبی حفاظت جو کامل اعتماد رہا ہوگا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے، اب آپ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ہجرت میں جلدی نہ کی اس لئے کہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی وقت ہوسکتی ہے جب ظاہری اسباب اور عقل وبصیرت کا بھی مطلوبہ استعمال کیا جائے، چنانچہ اب ٹھوس اقدامات کا مرحلہ آتا ہے، اس نازک مرحلہ کو طئے کرنے کے لیے معاون کے طور پر اپنے ایسے دو ساتھیوں کا انتخاب فرمایا جنہوں نے آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لایا تھا، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر رات گزارنے کا حکم فرمایا، حضرت علیؓ نے اس موقع پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر جس عظیم قربانی اور والہانہ محبت کا ثبوت دیا ہے تاریخ انسانی میں بہت کم اس کی مثالیں ملتی ہیں، واقعۂ ہجرت کا تفصیلی جائزہ لینے سے جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہجرت از آغاز تا انجام ایثار وقربانی کی ایک طویل داستان ہے دوسرا کام جو حضرت علیؓ کے ذمہ کیا گیا تھا وہ کفار مکہ کی امانتوں کو لوٹانے کا تھا جو اس وقت تک آپ کے پاس باقی رہ گئی تھیں، یہ رسول اکرم محمد ﷺ جیسی امین لقب ذات ہی کی شان تھی کہ ایک ایسے نازک ترین مرحلے میں جبکہ سارا مکہ آپؐ کے خون کا پیاسا تھا اپنے دین ہی کی نہیں بلکہ عام انسانی قدروں کو تک پامال نہیں کیا، حالانکہ ہجرت جیسے عظیم مقصد کے مقابلہ میں ان جزئیات کو ترک کیا جاسکتا تھا لیکن آپ نے اس کو بھی گوارا نہ فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی لوگ آپ سے بدگمان ہوجائیں۔

مختصر یہ کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ دو افراد پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ چپکے سے مدینہ کی طرف نکل پڑتا ہے اس طور پر کہ اہل مکہ کو کانوں کان خبر نہ ہو، نکلنے سے پہلے مدینہ پہنچنے تک پیش آنے والے سارے خدشات، ضرورتوں اور کفارِ مکہ کی طرف سے کی جانے والی امکانی سازشوں کا جائزہ لے کر اس کے مطابق نہایت منظم پروگرام مرتب کیا جاتا ہے، سب سے پہلے ایسے راستے کا انتخاب کیا جاتا ہے جو غیر معروف تھا تا کہ دشمن تلاشی کے بعد بھی مطلع نہ ہو پائیں

پھر کچھ فاصلہ طئے کرنے کے بعد ایک غار میں پناہ لیتے ہیں تین دن تک اس میں قیام کیا جاتا ہے تاکہ دشمن تلاش کر کے تھک جائیں تو بقیہ سفر اطمینان سے طئے کیا جاسکے، اگر مسلسل سفر جاری رکھا جاتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ بیچ راستہ میں دشمن آگھیریں، ادھر حضرت ابو بکرؓ کی صاجزادی حضرت اسماءؓ کو صبح و شام غار میں کھانا پہونچانے کی ذمہ داری پہلے ہی سونپی جاچکی تھی، چنانچہ وقت پر کھانا پہونچ جایا کرتا تھا پھر دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ اس دوران کفار مکہ کی پل پل کی خبر رکھی جائے، اس کام پر عبداللہ بن ابو بکرؓ کو مامور کیا گیا وہ شام کو مکہ کے سارے حالات سے آگاہ کرتے تھے، ابتداء سے انتہاء تک ان ساری تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت کی جھلکیاں نظر آئیں، (۱) سراقہ کے گھوڑے کے پیر دھنسا دیئے جانے کو تو ذہن میں خوب تازہ کیا جاتا ہے لیکن اسباب و تدابیر کے پہلو کو جو آپ کے ہر اقدام میں نمایاں نظر آتا ہے بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سیرت کا مواد جو سراسر حرکت، بیداری، تموج اور پیہم کوشش کا داعی ہے امت کے لیے جمود اور تعطل کا باعث بن جاتا ہے، چنانچہ آئے دن سیرت کے عنوان سے جلسے، پروگرام اور سمینار منعقد کئے جاتے ہیں مگر عوام کی زندگی پر وہ کوئی اثر نہیں چھوڑتے، حالانکہ سیرت کا ہر گوشہ اس قابل ہے کہ زندگی میں انقلاب پیدا کر دے، واقعۂ ہجرت ہی کا سرسری جائزہ لیا جائے تو اس میں مسلمانوں کو کیسا عظیم پیغام ملتا ہے! کس بے سروسامانی کے عالم میں اللہ کے نبی ﷺ نے ہجرت کی اور پھر اللہ نے یاس و ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں کیسے امید کی چراغ جلائی؟ کیا اس کے باوجود بھی موجودہ حالات میں مسلمان ناامیدی کا شکار ہو سکتے ہیں؟ افسوس کہ دوسری ملحد قوموں نے اس گر کو سمجھا اور اس دنیا میں اپنا سکہ جما گئیں اور مسلمان ایسے مدبر اعظم نبی کریم ﷺ کے ماننے والے ہو کر بھی نبیؐ کے معجزات کو پڑھ کر لطف تو اٹھاتے رہے مگر آپ ﷺ کی سیرت کے حقیقی پیغام سے ناواقف رہے توکل کی غلط تفسیر نے انہیں جمود و تعطل کا شکار بنا دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے سیرت کے اس عظیم سرمائے کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا

---

(۱) حیاۃ الصحابہ ۱/۴۳۵

جائے اور آپ ﷺ کی زندگی کے ان پہلوؤں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے جو اسباب کی نوعیت کے ہیں جن سے آپ ﷺ کی شان تدبر و فراست کا اظہار ہوتا ہے پھر اپنی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے کہ ان دو پہلوؤں میں ہم نے کہاں تک توازن باقی رکھا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر امت کا ایک طبقہ توکل محض کی دعوت دیتا ہے تو دوسرا اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے، جب تک ان دونوں میں توازن پیدا نہیں کیا جائے گا اس وقت تک امت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

واقعۂ ہجرت کی عصری معنویت

ہجرت: لغت میں چھوڑنے، جدا کرنے اور ترک کرنے کو کہتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اس معنی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے، ارشاد باری ہے:

''اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں''۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور حقیقی مہاجر وہ شخص ہے جو ان چیزوں کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے''۔(۲) دوسری جگہ فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلام کرے''۔(ریاض الصالحین) عام محاوروں میں لوگ ہجرت کے لفظ کو ترکِ وطن کے لیے استعمال کرتے ہیں، چاہے وطن کا ترک کرنا کسی بھی غرض سے کیوں نہ ہو، نیز اردو شاعری میں ہجرِ یار کی اصطلاح مشہور ہے، جو محبوب کی جدائی اور فراق جاناں کے لیے مستعمل ہوتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں دارالکفر سے دارالاسلام یا دارالامن جانے کا نام ہجرت ہے،(۳) مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے کہ کسی وطن کو دینی مجبوری کی بنا پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے۔(۴)

ہجرت قرآن میں

ہجرت قرآن کے ان موضوعات میں سے ہے جن کو متعدد جگہ بار بار دہرایا گیا ہے، جہاد کے بعد کثرت سے ہجرت کی تاکید کی گئی ہے، ہجرت کی اہمیت کے لیے یہی کچھ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱)واھجروھن فی المضاجع (النساء:۳۴)

(۲)''المھاجر من ھجر مانھی اللہ عنہ''(بخاری باب الانتھاء عن المعاصی:۶۴۸۴)

(۳)''الخروج من دار الکفر إلی دار الاسلام''(روح المعانی ۳/ ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴)''والمراد ھنا ترک الوطن الذی بدار الکفر إلی دار الإسلام'' (مرقاۃ المفاتیح: انما الأعمال بالنیات، دار الفکر بیروت)

نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ فرمایا : سورۃ البقرۃ کی آیت ہے ''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت میں مہاجرین کی مغفرت اور ان کے ساتھ رحم وکرم کے سلوک کا وعدہ کیا گیا ہے، ایک دوسری آیت میں مہاجرین کے لیے کامیابی کا مژدہ سنایا گیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے ''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کے پاس بڑے درجہ میں ہیں اور یہی لوگ کامیاب و بامراد ہیں''۔(۱)

پہلی ہجرت جب حبشہ کی طرف ہوئی تو حضرت خالد بن حزام بھی مکہ سے حبشہ کی طرف نکلے راستہ میں جب ان کو سانپ نے ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے لیے بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو راستہ ہی میں موت آگئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگیا''۔(۲)

قرآن میں جہاں ہجرت کی اخروی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے وہیں اس کے دنیوی نتائج ومنافع کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہجرت آخرت میں کامیابی کا ذریعہ تو ہے ہی ساتھ ہی دنیا کی فلاح اور کامرانی کی بھی ضامن ہے، لوگ کہا کرتے ہیں کہ حرکت میں برکت ہے، انسانی عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے آدمی گھربار اور وطن چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں، قرآن نے ہجرت کے دنیوی برکات کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمان خداوندی ہے: ''جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش یہ لوگ سمجھ لیتے، اس آیت میں خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا کہ ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کیا جائے گا، گوکہ عمدہ ٹھکانہ کی تفسیر کسی نے رزق حلال سے اور کسی نے عمدہ مکان یا دشمن پر غلبہ سے کی ہے، لیکن اس کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں ہر

---

(۱)الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عندالله (التوبہ:۲۰)

(۲)ومن یخرج من بیته مهاجراً إلی الله ثم یدرکه الموت فقد وقع أجره علی الله(النساء ۱۰۰)

طرح کی دنیوی آسائش اور راحت شامل ہے، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ”جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں جگہ اور کشادگی پائے گا“۔(۱)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو دنیا میں سچ کر دکھایا، چنانچہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی زندگی اس پر شاہد ہے جنہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی، حضراتِ انبیاء علیہم اسلام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، بت پرستانہ معاشرہ ان کا مخالف بن چکا تھا جب انہوں نے توحید و دین کی خاطر عراق کو چھوڑا تو اللہ نے اس سے بہترین وطن انہیں عطا فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو چھوڑا تو انہیں اور ان کی قوم کو شام میں عزت عطا کی گئی پھر مصر بھی ان کے ہاتھ آ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس سلسلے میں روشن مثال ہے، مکہ میں نہایت تنگیوں کا سامنا تھا، عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا، مسلمان کفار مکہ کے ظلم سے بے حد پریشان تھے لیکن ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تنگی کو کشادگی سے اور عسر کو یسر سے بدل دیا اور مسلمانوں نے چین کا سانس لیا، گو کہ ہجرت کے ابتدائی مرحلہ میں کچھ دشواریاں درپیش ہوتی ہیں؛ لیکن بہت جلد حالات سازگار ہو جاتے ہیں۔

ہجرت احادیث میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں سے ہجرت کی اہمیت اور دین میں اس کے کلیدی مقام کی وضاحت فرمائی ہے، اس کا اندازہ آپؐ کے ان ارشادات سے لگایا جا سکتا ہے جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، ایک جگہ ارشاد فرمایا: ”ہجرت ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتی ہے جو اس سے پہلے کئے گئے ہوں“۔(۲) اس سے بڑھ کر ہجرت کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اس سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سارے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، بڑا سا بڑا عمل بھی اگر نیت کھوٹی ہو تو بے قیمت ہو جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال میں خلوصِ نیت پر کافی زور دیا ہے، لیکن جس حدیث میں آپؐ کے خلوصِ نیت کی تاکید

---

(۱) ”ومن یهاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیر وسعة“ (النساء: ۱۰۰)

(۲) ”الهجرة تهدم ما کان قبله“ (مسلم باب کون الاسلام یهدم ما کان قبله حدیث: ۱۲۱)

کی ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ ہجرت کے عمل کا تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ فرمانِ نبویؐ ہے: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی"۔(۱)

حضرات صحابہؓ جن کا عالم یہ تھا کہ مکہ میں انہوں نے اسلام کی خاطر ہر طرح کی مصیبتوں کو مول لیا تھا ظاہر ہے کہ ان کا مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا صرف اسی غرض سے تھا کہ اسلام کی حفاظت ہو سکے اس کے لیے انہوں نے مکہ کی ساری جائیداد کو خیر آباد کہا، ایسے مخلص افراد کے بارے میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مدینہ کسی دنیوی مقصد سے جائیں لیکن اس کے باوجود آپؐ نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا کہ ہجرت بلاشبہ ایک عظیم عمل ہے لیکن اسی وقت جب کہ اس میں دوسرے اغراض کا شائبہ نہ ہو ورنہ اس سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا، سوائے انتقال مکانی کے۔

دین میں ہجرت کا مقام

قرآن وحدیث میں ہجرت کی جو اہمیت بتائی گئی ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ہجرت کے پس منظر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ واقعی ہجرت جیسے عظیم عمل کو ایسی ہی اہمیت کا حامل ہونا چاہیئے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی چیز نہ وطن ہے نہ اس کی قوم اور نہ ہی اس کا معاش بلکہ کسی بھی مسلمان کے نزدیک سب سے عزیز اس کا دین اور وہ اصول ہیں جن پر وہ ایمان لایا ہے، وہ وطن، مال برداری سب کچھ قربان کرسکتا ہے لیکن دین کو قربان نہیں کرسکتا، مکہ میں حضرات صحابہؓ کو بحیثیت شہری ہونے کے سارے حقوق حاصل تھے، ان کو اپنے قبیلوں میں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی لیکن انہیں اگر کسی چیز کی آزادی حاصل نہ تھی تو وہ دینی اصول تھے، جن پر وہ آزادی سے عمل نہیں کرسکتے تھے، لوگ محض اس لیے ان کے دشمن ہو گئے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے پیرو ہیں اور نئے اصول کو اپنا لیا ہے، چنانچہ انہیں اس قدر

---

(۱) بخاری: کیف کان بدء الوحی إلی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حدیث: ۱۰

پریشان کیا گیا کہ ان کا مکہ میں دین پر باقی رہنا مشکل ہوگیا، مجبوری کی حالت میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے انہوں نے مکہ سے نکلنا طئے کیا اس طرح ایک مسلمان ہجرت کے ذریعہ وطن ومال وجائیداد اور قوم وغیرہ تمام چیزوں کی محبت کو ٹھکرا کر محض دین کی خاطر ایک دوسرے مقام کا قصد کرتا ہے ظاہر ہے کہ وطن میں آدمی کو ہر طرح کی آسائش میسر ہوتی ہے حالات ساز گار ہوتے ہیں ایک عرصہ سے قیام پذیر رہنے سے معاشی بنیادیں مستحکم رہتی ہیں پھر تعلقات کی وسعت اور آب وہوا کی مناسبت کی وجہ سے وطن سے ایک طرح کا قلبی لگاؤ پیدا ہوتا ہے، ہجرت میں ایک مسلمان ان تمام چیزوں کو قربان کر کے ایک ایسے مقام کی طرف سفر کرتا ہے جو اس کے لیے ہر طرح کے خدشات سے پُر ہوتا ہے، نئے وطن میں اس کا معاشی مسئلہ غیر یقینی ہوتا ہے پھر وہاں کی آب وہوا کی سازگاری بھی بڑی حد تک مشکوک ہوتی ہے غرضیکہ ایک پردیس میں آدمی کو جن جن امکانی خطرات کا سامنا ہوسکتا ہے ان تمام کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ صرف اپنے دین کے تحفظ کے لیے یہ اقدام کر بیٹھتا ہے اس لحاظ سے ہجرت دین کا ایک مہتم بالشان عمل ہے۔

قرآن میں ہجرت کی تیاری کا حکم

ہجرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن میں بارہا ہجرت کے لیے ابھارا گیا ہے اور مسلمانوں سے کہا کہ تمہارے پروردگار کی زمین بہت کشادہ ہے اگر مکہ میں تمہارے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے تو فکر کی بات نہیں تم دوسری جگہ ہجرت کرسکتے ہو جہاں تم آسانی کے ساتھ دینی شعائر پر عمل کرسکو، چنانچہ سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوا: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ، (۱) ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہمارا طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے، (۲) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیا ان کو ہم جنت کی بلند عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہاں ہمیشہ رہیں گے، کیا عمدہ اجر

---

(۱) ''ألم تکن أرض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا'' (النساء:۹۷)

(۲) ''کل نفس ذائقۃ الموت وإلینا ترجعون'' (العنکبوت:۵۷)

ہے عمل کرنے والوں کے لیے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سب کچھ سنتا جانتا ہے''۔(۱)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میری زمین بہت کشادہ ہے اگر مکہ کی زمین تمہارے لیے تنگ ہو رہی ہے تو سفر کر کے دوسری جگہ کا انتخاب کر سکتے ہو، سچا مومن وہی ہے جس کے نزدیک وطن سے بڑھ کر دین سے محبت ہو دین کی خاطر وطن چھوڑنے میں کسی طرح کا پس وپیش نہیں کرنا چاہیے، اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی راہ میں پیش آنے والے خطرات اور ہجرت کے لیے رکاوٹ بننے والے خیالات کا ذکر فرمایا عموماً دو طرح کے خدشے آدمی کو ہجرت سے روکتے ہیں ایک جان کا خطرہ دوسرا رزق اور معاش کا خطرہ، وطن میں آدمی کے اقارب اور جاننے والوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے ناگہانی صورت حال پیش آئے تو اپنو ں کی مدد سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، اس طرح وطن میں انسان کو جان کے تحفظ کا احساس ہوتا ہے ہجرت کی صورت میں اس کو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کفار پیچھا نہ کریں اور راستہ میں حملہ نہ کر بیٹھیں، اس خطرہ کو رفع کرتے ہوئے کہا گیا کہ جان کا امکانی خطرہ تمہیں ہجرت سے نہ روکے، اس لیے کہ دنیا میں ہر آدمی اس لیے آیا ہے کہ اس کو ایک دن یہاں سے جانا ہے ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اگر تم وطن ہی میں رہو تب بھی موت سے چھٹکارا نہیں، مومن کا عقیدہ ہے کہ موت تو بہر حال وقت مقرر پر آئے گی ایک مومن کے لیے اہم مسئلہ یہ نہیں کہ جان کی حفاظت کیسے کی جائے بلکہ اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت کیسے کی جائے اللہ تعالیٰ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جان کی خاطر ایمان کھو کر آؤ گے تو تمہارا آنا رسوائی کا باعث ہوگا اس کے برخلاف ایمان کی حفاظت کے لیے جان کھو کر آؤ گے تو ہمیشہ کے لیے آرام میں رہو گے، آخری آیت میں ہجرت کی راہ میں رکاوٹ بننے والے دوسرے خدشے کا ازالہ کیا گیا، آدمی کے لیے وطن میں معاش کے کئی ایک ذرائع ہوتے ہیں جو پردیس میں میسر نہیں آسکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کی فکر بھی مومن کو ہجرت سے باز نہ رکھے،

---

(۱) ''وكأين من دابة لاتحمل رزقها الله يرزقها واياكم'' (العنكبوت:۵۸)

اس لیے کہ رزق تو ہم دیتے ہیں رزق کے اسباب تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں اور تم اس افسوس میں نہ گھر جاؤ کہ ہجرت کی وجہ سے تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے کہ بہت سے جانوروں کو ہم بلا سبب رزق پہنچاتے ہیں کتنے جانور ہیں جنہیں رزق کی فکر نہیں ہوتی مگر انہیں اللہ برابر رزق پہنچاتا ہے اس طرح تمہیں بھی اللہ ہی رزق دے گا۔

آمدم برسرِ مطلب

اوپر کی تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہجرت کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی ایک طرف ہجرت کے سلسلہ میں قرآنی تاکید کو ذہن میں رکھئے اور دوسری طرف اسلامی تاریخ کے عظیم واقعہ ہونے کا استحضار کرلیجئے اور اس پس منظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت کا جائزہ لیجئے تو اس میں کئی پہلو ایسے ملیں گے جن سے امت اسلامیہ رہنمایانہ خطوط حاصل کرسکتی ہے اور ان کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہے، ذیل کی سطروں میں ہم واقعہ ہجرت سے حاصل ہونے والے چند ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کریں گے جو ملت اسلامیہ کے لیے مہمیز کا کام دے سکتے ہیں، اس مضمون کا مقصود یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بلکہ پوری اسلامی تاریخ کا ایک عظیم باب جو ہجرت کی شکل میں پایا جاتا اس کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے، سیرت نگاروں نے واقعہ ہجرت پر خاص توجہ دی ہے بالخصوص جن اسلامی اسکالروں نے فقہ السیرۃ کو اپنا موضوع بنایا ہے انہوں نے ہجرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ عظیم واقعہ اس کا مستحق بھی ہے۔

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد

ہجرت سے قبل مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عسر ہی عسر، تنگی ہی تنگی تھی، کفار مکہ کی ریشہ دوانیاں نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں جو دین چہار دانگِ عالم میں پھیلنے کے لیے آیا تھا مکہ کی ناہموار فضا نے اس کو مکہ کی گلیوں تک محدود کر رکھا تھا، مدینہ کی جانب ہجرت نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور قانون الٰہی کا یہ مژدہ سنایا کہ ہر عسر میں یسر کا پہلو چھپا ہوا ہے، ہر تنگی آنے والی فراخی اور کشادگی کا

پیش خیمہ ہوتی ہے جہاں مصیبتوں کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے آسانی کی راہیں کھلتی ہیں، جہاں آدمی ہر طرح کے دنیوی اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے وہیں نصرتِ خداوندی اسے تھام لیتی ہے، ہجرت سے قبل مسلمان جن صبر آزما حالات سے گذر رہے تھے ان حالات میں تو وہ خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ مدینہ کی ہجرت انہیں ایک ایسے مقام پہنچا دے گی جہاں وہ ایک اسلامی حکومت تشکیل دیں گے اور فتح مکہ کے موقع پر جن کفار نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا سلوک کیا تھا وہی لوگ مسلمانوں سے سلامتی اور زندگی کی بھیک مانگیں گے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ہجرت کے بعد حالات کیسے سازگار ہوئے اور مسلمان کہاں پہنچ گئے، آج مسلمان جن مشکلات سے گذر رہے ہیں اور عالمی منظر نامہ میں مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے لیکن انہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں واقعہ ہجرت مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور ناامید نہ ہوں اللہ چاہے تو بہت جلد حالات کی کایا پلٹ جائے گی، سخت سے سخت حالات میں بھی بندۂ مومن کو اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

مسلم معاشرہ قنوطیت کی چادر میں

آج مسلم معاشرہ کا عجیب حال ہے، عوام تو عوام خواص اور قائدین کا طبقہ بھی مایوسی کا شکار ہے اور لوگوں کو قنوطیت اور ناامیدی کا درس دیتا پھرتا ہے وہ جدھر نظر دوڑاتا ہے اس کو بحران ہی بحران نظر آتا ہے، مشکلات اور چیلنجوں کا ذکر چھیڑتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے جب کہ اس رویہ کا حاصل اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ عملی قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور جذبات کی انگیٹھیاں سرد پڑ جاتی ہیں، یہ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے دوری کا نتیجہ ہے، آپ کی سیرت میں کہیں بھی ناامیدی کی جھلک نظر نہیں آتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت نازک حالات میں بھی فرزندانِ اسلام کو ہمت دلائی مکہ میں کیسی بھیانک صورتحال تھی ہر طرف سے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا کوئی چیز آپ کو اپنے دعوتی منصوبے سے روک نہ سکی، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ حالات کا تقابل مکہ کی زندگی سے کسی طرح نہیں کیا جا سکتا، عالمی حالات سے قطعِ نظر اگر ہم اپنے ملک کا جائزہ لیں تو یہ کہنے میں کسی قسم کا تردد نہ ہوگا کہ باوجود سینکڑوں مسائل کے جو یہاں

مسلمانوں کو درپیش ہیں مسلمان اپنے دین پر نہ صرف کاربند رہ سکتے ہیں بلکہ غیروں میں اشاعت دین کا کام بھی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ حکمت و مصلحت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اور ہمارے دین کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے ہم بالکل ہی غافل رہیں اور اس اطمینان میں رہیں کہ یہاں کچھ نہیں ہو رہا ہے، یہ حقیقت ہے کہ فرقہ پرست قوتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو ختم کیا جائے اور انہیں قومی دھارے میں بہنے پر مجبور کیا جائے، لیکن جہاں اس قسم کے مسائل ہیں وہیں امکانات بھی ہیں، اسلام دشمنی اور پروپیگنڈوں کا سہارا لے کر آج مسلمانوں کا ایک طبقہ صرف واویلا مچانے ہی کو وقت کا تقاضا سمجھ بیٹھا ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہو رہا ہے کہ مسلم قوم کی نظر صرف سازشوں اور چیلنجوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے جب کہ اس کے سامنے بہت سے ایسے مواقع ہیں جن کو استعمال کر کے وہ تعمیری خدمات انجام دے سکتی ہے، واقعہ ہجرت سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم ان صبر آزما حالات میں امید کی شمع جلا کر عمل پیہم کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں۔

اسباب کا پہلو

دوسرا نکتہ جو ہجرت کے سارے واقعہ میں کارفرما نظر آتا ہے یہ ہے کہ دنیوی یا اخروی کامیابی کے لیے اسباب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے زیادہ خدا پر بھروسہ کس کو ہوسکتا ہے لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ہجرت کے ہر مرحلہ پر خدائی اعتماد کے ساتھ پوری طرح اسباب کو اپنا رہے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا بنایا ہے کہ ہر مقصد کی تکمیل کے لیے اسباب کو اپنانا ضروری ہے، نبی اکرم ﷺ کو جب ہجرت کی اجازت ملی تو عین دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف اس طرح نکلتے ہیں کہ آپ کچھ اوڑھے ہوئے ہیں، مقصود یہ تھا کہ لوگ آپ کو جان نہ سکیں اور ہجرت کا پورا منصوبہ اس طور پر تیار ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، جب حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ تمہارے پاس موجود افراد کو باہر کردو تاکہ مشورہ بالکل تنہائی میں طئے ہو، جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ سونے کا حکم فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ چپکے سے نکل گئے تاکہ لوگ اس مغالطہ میں رہیں

کہ آپ ﷺ آرام فرما رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے صبح کی روشنی میں نکلنے کے بجائے رات کی تاریکی کو مناسب سمجھا اور ایسے راستے کو اپنایا جو غیر معروف تھا، پھر سفر کا ایک حصہ طئے کرنے کے بعد آپ ﷺ نے غارِ ثور میں قیام فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر سفر مستقل جاری رکھا جاتا تو دشمن کے تعاقب کا اندیشہ تھا اس طرح از ابتداء تا انتہاء پورا سفر ایک مکمل منصوبہ بندی کی عکاسی کرتا ہے(۱) جس سے امت کو اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ کوئی دینی یا دنیوی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ایک منظم پروگرام کے تحت اس کو انجام نہ دیا جائے اور مستقبل کے تمام خطرات کو سامنے رکھ کر نہایت دوراندیشی کے ساتھ قدم نہ اٹھایا جائے، دوراندیشی منصوبہ بندی اور نظم وضبط ایک زمانے میں مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا جس کے سہارے مسلمانوں نے بڑی بڑی مہموں کو سر کیا وہ جہاں چلے جاتے کامرانی ان کے قدم چومتی بسا اوقات وسائل کی قلت کے باوجود محض تنظیمی صلاحیت اور دور اندیشی کے ذریعہ مسلمانوں نے عظیم فتوحات حاصل کیں، نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی یا انفرادی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں باضابطگی اور باقاعدگی نہ ملتی ہو، آپ ﷺ نے مومن کی شان یہ بیان فرمائی کہ وہ دوراندیش اور نظم وضبط کا پابند ہوتا ہے آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے ارشادات کے ذریعہ اس کی تعلیم دی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے لیکن موجودہ مسلمانوں کی یہ بدنصیبی ہے کہ کتاب وسنت سے انحراف نے انہیں اسلامی زندگی کے نمایاں خدوخال سے عاری کر دیا جب کہ دوسری قومیں ایسی چیزوں کو اختیار کر کے کامیابی کی سمت بڑھتی چلی جارہی ہیں، آج ہمیں شکایت ہے کہ ہر میدان میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑرہا ہے لیکن کبھی ہم نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے مسائل کے حل کے لیے کہاں تک دانشمندی اور دوراندیشی سے کام لیا ہے ہمارا کونسا ادارہ یا تنظیم ہے جس نے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے تندہی اور مکمل نظم وضبط کا مظاہرہ کیا ہو، اختلاف وانتشار اور بدنظمی کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں تنظیمیں اور ادارے قائم ہوتے ہیں اور پھر بہت جلد نابود بھی ہوتے ہیں کاش کہ ہم واقعۂ ہجرت ہی سے سبق حاصل کرتے۔

---

(۱) حیاۃ الصحابہ جلد اول ص ۴۳۳

ایثار و قربانی

ویسے تو حضراتِ صحابہؓ کی پوری زندگی ایثار و قربانی سے عبارت ہے تاہم واقعہ ہجرت میں اس کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے، واقعہ ہجرت صحابہؓ کی بے مثال قربانیوں کا ایک روشن باب ہے مکہ سے نکلنے سے لے کر مدینہ پہنچنے تک اور قیام مدینہ کے ابتدائی ایام میں جگہ جگہ صحابہؓ کی قربانیوں کے تابناک نقوش ملتے ہیں، صحابہؓ کا مکہ سے مدینہ چلا جانا کچھ اتنا آسان نہ تھا کہ کفار مکہ اس پر خاموش رہتے اور انہیں بہ آسانی مدینہ جانے دیتے کفار مکہ یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان مدینہ جا کر سکون کی زندگی گذاریں اور ان کی تکلیفوں سے نجات پائیں، چنانچہ ہجرت کے آغاز ہی سے قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا، مسلمان مال و اولاد سب کچھ قربان کر سکتے تھے مگر ان سے دین و ایمان کا سودا نہیں ہو سکتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کا حکم دیا تو انہیں کفار مکہ کی جانب سے رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن حضرات صحابہؓ کے نزدیک دین اس قدر عزیز تھا کہ عظیم سے عظیم قربانی ان کے لیے ہیچ تھی، جب مکہ سے نکلنا ان کے لیے دشوار ہو گیا تو کسی نے ساری دولت کفار کے حوالے کر کے جان چھڑائی، کسی کو آل و اولاد سے محروم ہونا پڑا، کسی کو گھر بار سے ہاتھ دھونا پڑا، ہجرت کی رات جب آپؐ نے چپکے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ نے آپؐ کی جگہ قیام کر کے جو عظیم قربانی پیش کی تاریخ میں بہت کم اس کی مثالیں ملتی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ رات گذارنا دراصل اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا تھا، حضرت علیؓ نے بخوشی اس خدمت کو انجام دیا اور خاندان صدیقی کا تو کہنا ہی کیا جانی و مالی ہر طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور رہا۔(۱)

ہجرت کے لیے خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹ خریدے اور سفر میں زادِ راہ کے طور پر گھر میں جو پونجی تھی سب کچھ ساتھ لے لیا پھر دوران سفر جس والہانہ محبت اور بے لوث ایثار کا مظاہرہ کیا وہ صرف انہی کا حق تھا، سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ چلتے چلتے راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کبھی پیچھے کو ہوتے اور کبھی آگے بڑھ جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت کرنے پر بتایا

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصہ اول ص ۱۷۹

کہ یارسول اللہ ﷺ جب دشمن کا تعاقب کا خوف ہوتا ہے تو میں پیچھے ہوجاتا ہوں اور جب گھات کا ڈر ہوتا ہے تو آگے ہوتا ہوں،(۱) غارِثور کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ کو باہر رکنے کے لیے کہا اور خود اندر داخل ہوئے اور غار کو صاف کیا اور پورے غار کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی تکلیف دہ چیز نہ ہو جب مطمئن ہوئے تو حضور ﷺ سے آنے کی درخواست کی۔(۲)

غرض واقعہ ہجرت کے ہر پہلو سے حضرات صحابہؓ کی قربانیوں کی عکاسی ہوتی ہے، ان ساری قربانیوں کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما تھا ظاہر ہے کہ وہ صرف دین وایمان ہی تھا جس نے ان کے لیے ہر قربانی آسان کردی تھی، آدمی جب اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کو طرح طرح کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آفتیں اس کو گھیر لیتی ہیں، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں لیکن ایک سچے مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کا ایمان اس کو دین کے تحفظ کی راہ میں قربانی پر آمادہ کرے وطن، آل واولاد، مال ومتاع سب کچھ دین پر قربان کردے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز اس وقت ہوتا ہے جب دینی اور دنیوی تقاضوں میں ٹکراؤ پیدا ہو، دین سے وابستگی کا تقاضا کچھ ہو اور نفسانی خواہشات کچھ اور چاہتے ہوں حقیقی مومن بلاکسی پس وپیش کے ایمان کی آواز پر لبیک کہتا ہے جب کہ نام کا مسلمان تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے، حضرات صحابہؓ نے نہ صرف ہجرت کے موقع پر بلکہ تادمِ حیات دین کو ترجیح دی، آج سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اس معیار پر کس قدر پورے اتر رہے ہیں کیا ہمارا ایمان دین کے لیے معمولی سی قربانیوں پر بھی آمادہ کررہا ہے؟ زندگی میں نہ جانے کتنے ایسے موڑ آتے ہیں جہاں ہم دین کے تقاضوں کو محض اس لیے بالائے طاق رکھتے ہیں کہ اس سے اپنی انا مجروح ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے بسا اوقات ہم بڑے سے بڑے ملی مفاد کو قربان کرنے میں پس وپیش نہیں کرتے، کتنی دینی تحریکیں ہیں جو چند افراد کے ذاتی مفاد کی بھینٹ چڑھ گئیں اور کتنے ادارے شکست وریخت سے دوچار ہوئے ایک طرف تو ہم اپنی غیرت ملی کا اظہار کرتے تھکتے نہیں اور دوسری طرف معمولی سی بات

---

(۱) سیرت حلبیہ ج ۲ نصف اول ص ۹۵

(۲) سیرت حلبیہ ج ۲ نصف اول ص ۹۸

کے لیے اجتماعی مفاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں، واقعہ ہجرت آج سے چودہ سو سال بعد بھی ہمیں جھنجھوڑ رہا ہے کہ ہم اپنے اندر دین کے لیے مر مٹنے کی اسپرٹ پیدا کر دیں۔

اسلامی اخوت

واقعہ ہجرت شروع سے اخیر تک اخوت اسلامی کا عکاس ہے جگہ جگہ اسلامی بھائی چارگی کے خدوخیال نمایاں ہیں، ہجرت کے ابتدائی مراحل میں بھی مسلمانوں نے بے پناہ اخوت کا مظاہرہ کیا اور دوران ہجرت بھی، پھر مدینہ منتقل ہونے کے بعد انصار و مہاجرین نے اخوت کے جو مناظر پیش کیے چشم فلک نے کبھی ان کا نظارہ نہیں کیا اور شاید رہتی دنیا تک اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی اخوت اور بھائی چارگی سے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ تشکیل پایا انصار کی بھائی چارگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، نوبت قرعہ اندازی تک پہنچ جاتی ایک مہاجر کے کئی دعوی دار بن جاتے۔ پھر قرعہ کے ذریعہ کسی ایک کے حوالے کرنا پڑتا، انصاری اپنے اسلامی بھائی مہاجر کو اپنے گھر لے جاتا اور اپنی ساری جائیداد مال ومتاع کو دو حصوں میں تقسیم کرتا اور مہاجر کو اختیار دیتا کہ جو چاہو لے لو، اگر کسی مہاجر کے پاس بیوی نہ ہوتی تو انصاری مہاجر بھائی سے کہتا اگر تم چاہو تو میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو جس کو تم پسند کرو طلاق دیدوں، ایک طرف انصار کی طرف سے ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا دوسری طرف مہاجرین عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے کہتے کہ اللہ تمہارے مال و دولت میں برکت دے، ہمیں صرف بازار کا راستہ بتادو، اس سے اسلامی سماج کا بنیادی عنصر نمایاں ہوتا ہے جب ایک انسان کلمہ توحید کا اقرار کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ قومی، وطنی، نسلی ہر طرح کی جکڑبندیوں سے آزاد ہو کر عالم گیر وحدت میں شامل ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو تنہا نہیں پاتا بلکہ اپنے پیچھے ملت اسلامیہ کی ایک عظیم طاقت محسوس کرتا ہے وہ دنیا کے جس خطہ میں بھی چلا جائے اسلامی رشتہ اس کو ایک مرکز سے جوڑے رکھتا ہے اخوت اسلامی کی اس روح نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو بنیان مرصوص کی طرح مضبوط کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں مسلمانون کو جس چیز نے جوڑے رکھا تھا وہ یہی اسلامی رشتہ

تھا جو خونی رشتہ سے بھی بڑھ کر تھا۔

مدینہ کے انصار کا اسلام سے قبل مہاجرین سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ تھا نہ وطنی مناسبت تھی نہ ہی علاقائی نسبت مہاجرین کے مدینہ منتقل ہونے پر انصار نے محض اسلامی رشتہ کی بنیاد پر ان کا تعاون کیا اور مہاجر بھائیوں کو اپنے حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر سمجھا، واقعہ یہ ہے کہ اخوت اسلامی کے بغیر اسلامی معاشرہ کا تصور ہی نامکمل ہے، مدینہ منتقل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جس کو رسول اکرم ﷺ نے انجام دیا وہ انصار ومہاجرین کے درمیان مواخات ہے، لیکن آج کے مسلمانوں نے یا تو اخوت اسلامی کے بنیادی تصور کو بالکل فراموش کر دیا ہے یا پھر جانتے ہوئے اس سے تغافل برت رہے ہیں، چنانچہ ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس کا سینہ بغض وعناد سے بھرا ہوا ہوتا ہے اتحاد واتفاق، ہمدردی وخیر خواہی اخلاص وایثار اور باہمی تعاون جیسی عمدہ صفات جو اخوت اسلامی کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں آج کے مسلم معاشروں سے ناپید ہوتی جا رہی ہیں، جس کے نتیجے میں وحدت اسلامی کا تصور ایک خواب سا بن کر رہ گیا ہے مسلکی اختلافات ایک طوفان کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں، ایک مسلک کا فرد دوسرے مسلک کے فرد کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسے غیروں سے کیا جاتا ہے، ہر مسلمان کی ایک مسلکی شناخت بن گئی ہے، اس کی ساری ہمدردی اپنے مسلک کے لوگوں تک محدود رہتی ہے اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اسی کو عین دین سمجھتا ہے، تنگ نظری اور تعصب کا یہ عالم ہے کہ دوسری جماعت یا مسلک سے منسوب شخص کو تھوڑی دیر کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاتا اور اسے ایک طرح سے اچھوت سمجھا جاتا ہے، تحریکیں اور تنظیمیں تو خدمت دین کے لیے ایک طریقہ کار کے طور پر قائم کی جاتی ہیں بھلا ان میں تعصب اور تنگ نظری کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، ہر ایک کا مقصد خدمت دین ہوتا ہے لیکن امت اسلامیہ کا یہ کیسا عظیم سانحہ ہے کہ ان ہی تحریکوں سے تعصب ونفرت کے شعلے بھڑک رہے ہیں جن تحریکوں اور جماعتوں کی بنیاد اخلاص وللہیت پر رکھی گئی تھی، آج وہی تحریکیں امت میں اختلاف وانتشار کا ذریعہ بن رہی ہیں، چنانچہ آج ملت مختلف چھوٹے چھوٹے خانوں میں بٹ گئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی اخوت کا صاف وشفاف چہرہ دھندلا ہوتا جا رہا ہے

اور امت کا ہر فرد مسلکی اور تحریکی خلیجوں کی بنیاد پر خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے واقعہ ہجرت چودہ سو سال بعد بھی ہمارے ذہنوں میں اخوت اسلامی کہ حقیقی مفہوم کو تازہ کر رہا ہے اسلامی اخوت کے بغیر غلبہ اسلام کے لیے جانے والی ہر کوشش بے کار ہے اس کے دیر پا نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔

معراج کا پس منظر

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسے حیرت انگیز اور عبرت خیز قرار نہ دیا جائے اور جس میں امت ِمسلمہ کے لیے کوئی سبق اور پیغام پوشیدہ نہ ہو، آپؐ کی مبارک زندگی کا ہر واقعہ اپنے اندر سامانِ عبرت کا ایک پورا جہان رکھتا ہے، بس ضرورت نگاہِ عبرت شناس اور دلِ ہوشمند کی ہے جو اُس میں پنہاں لعل و جواہر تک رسائی حاصل کر سکے۔

سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک انتہائی نمایاں واقعۂ معراج ہے، جو عام واقعات سے مختلف اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عظیم معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے، یہ واقعہ روایات کے اختلاف کے ساتھ ماہِ رجب ہی میں پیش آیا، موجودہ حالات میں امتِ مسلمہ اس واقعہ سے بہت کچھ قوت و توانائی حاصل کر سکتی ہے، اس وقت مسلمانوں کی عالمی صورتِ حال انتہائی مایوس کن ہے، دشمنوں کی جانب سے ہونے والی مسلسل یلغار اور عالمی سازشوں کے نتیجہ میں ساری دنیا کے مسلمان سخت مایوسی کا شکار ہیں، ایسے میں کسی بھی طرح کے مثبت اقدام سے پہلے ملت کو مایوسی کے دلدل سے نکالنا اولین تقاضہ ہے، واقعۂ معراج کا بنیادی پیغام یہی ہے کہ مشکلات و مصائب اور ناکامیوں کے تسلسل کو دیکھ کر مایوس نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ان سے نیا عزم اور نیا حوصلہ اور نئی توانائی حاصل کرنی چاہئے؛ اس لیے کہ ہر شبِ تاریک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے صبح کی پَو پھوٹنے کی خبر دیتے ہیں، اور ہر ''عسر'' ''یسر'' کا پیش خیمہ ہوتا ہے، ہر مشکل کے بعد آسانی کا مرحلہ آتا ہے، معراج کے معنی بلندی پر چڑھنے کے آلہ کے ہیں، معراج کے ذریعہ نبی کو ہر طرح کی رفعتوں اور بلندیوں سے سرفراز کیا گیا، ایسی بلندیاں کہ آپؐ کے علاوہ کسی بھی بڑی سی بڑی ہستی کو میسر نہ ہوسکیں، لیکن بلندیوں کی منزلوں پر آپ کو اچانک نہیں پہنچایا گیا؛ بلکہ اس سے قبل سخت حالات اور سنگین دشواریوں سے گذرا گیا، معراج سے قبل کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے، اہلِ مکہ کی مخالفتیں انتہاء کو پہنچ چکی تھیں، آپؐ کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا، آپؐ پر ایمان لانے والے مٹھی بھر صحابہ بھی ظلم کی چکیوں میں پسے جا رہے تھے، تاہم لوگوں کی ہزار مخالفتوں کے باوجود دو سہارے ایسے تھے جن سے آپ کو بہت تقویت اور

تعاون حاصل تھا، ایک آپؐ کے چچا ابوطالب اور دوسری زوجہ حضرت خدیجہؓ، یہ دونوں آپؐ کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، لیکن نبوت کے دسویں سال پہلے ابوطالب کا پھر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، ان دونوں کا انتقال حضور ﷺ کے لیئے کوئی معمولی سانحہ نہ تھا، غم واندوہ کے ان لگاتار واقعات کی وجہ سے اس سال کا نام عام الحزن پڑ گیا، ان سہاروں کے اٹھ جانے سے کفار ومشرکین کی جرأت بڑھ گئی؟ اب وہ آپ کو جسمانی اذیت دینے سے نہیں چوک سکتے تھے مکہ مکرمہ میں جب ہر طرف سے انکار کا سامنا کرنا پڑا اور مخالفتیں انتہاء کو پہنچیں تو حضور ﷺ نے اس خیال سے طائف کا رخ کیا کہ شاید وہاں پذیرائی ہو اور سرداران طائف آمادہ ہو جائیں، تو دین کے پھیلنے کی سبیل پیدا ہو جائے، لیکن خلافِ توقع طائف میں مکہ سے کہیں زیادہ سنگین صورتِ حال پیش آئی، وہاں کے ظالموں نے نہ صرف آپ کی بات سننے سے انکار کر دیا؛ بلکہ آپؐ کے ساتھ انتہائی بدتمیزی سے پیش آئے اور آپ ﷺ کے پیچھے اوباشوں کو لگا دیا، جن کی شرارتوں سے جسمِ اطہر لہولہان ہو گیا، انتہائی کسمپرسی کے عالم میں آپ ﷺ طائف سے لوٹے تھے کہ اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کو معراج سے سرفراز کیا گیا، گو جب مشکلات ومصائب انتہاء کو پہنچے تو واقعۂ معراج کے ذریعہ آسانیوں اور فتح مندیوں کا دور شروع ہوا، اس کی منظر کشی مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے مخصوص پیرایہ میں یوں کی ہے:

''یہ حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے، اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالہ تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت وکردار کی کسوٹی پر، صداقت ولیاقت کے معیار پر، چاہے طنز واستہزاء کے تیر چلائیں، گالی وزبان درازی کے تازیانے برسائیں معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، بند منصوبے کی معاشرتی زنجیریں کاٹ دیں، سربازار رسواء کریں، سنگ باری سے جسم اِطہر لہولہان کر دیں مظلومیت کی اس کیفیت میں جو دعاء زبان وحی ترجمان سے نکلی وہ عرشِ الٰہی سے جا ٹکرائی، قبولیت کا اولین مظہر پہاڑوں کا فرشتہ تھا، جو تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوا تھا، اب نبی تمام آزمائشوں سے گذر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطۂ نظر سے سنگباری اذیت کی انتہاء ہے اور روحانی اعتبار سے سرخروئی ہے، بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا، اور امتحان میں کامیاب ہو گیا، تو اٹھایا گیا، بلند کیا

گیا،معراج سے ہم کنار ہوا،شعبِ بنی ہاشم کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام، افلاک نظر نواز اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے“۔(۱)

موجودہ حالات میں واقعۂ معراج کا پیغام

اسلام کی ابتدائی دور میں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا گیا تھا اور مسلسل تیرہ برس تک آزمائش اور قربانیوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا،ٹھیک یہی صورتِ حال اس وقت دیکھی جارہی ہے،اقطاعِ عالم میں ہر جگہ مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے،دشمنوں کی چیرہ دستیوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے،لیکن اس کے باوجود ہمیں مایوس اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ جس طرح تیرہ برس کی مشکلات ومصائب کے بعد معراج کے ذریعہ آسانیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوا،اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ تاریک صورتِ حال سے بہت جلد امید کی کرن پھوٹے گی اور حالات میں مثبت تبدیلی آئے گی،ایک مسلمان کو حالات کی ناسازگاری سے اس لیے بھی پست ہمت نہیں ہونا چاہئے کہ وہ خدا کی بے پناہ قدرت پر یقین رکھتا ہے،واقعۂ معراج سے جہاں اور بہت سے حقائق ثابت ہوتے ہیں وہیں یہ واقعہ خدا کی بے پناہ قدرت سے پردہ ہٹاتا ہے کہ زمان ومکان اور زمین وآسمان کا نظام سب کچھ تابع فرمانِ الٰہی ہے،اور خدا کی عظیم قدرت کے دائرہ میں ہے،لمحوں میں آسمانوں اور لامکانوں کی سیر کرائی گئی اور عالم بالا کا مشاہدہ کرایا گیا، مکہ کے انتہائی مایوس کن حالات میں معراج جیسا محیر العقول واقعہ ظاہر فرما کر مسلمانوں کو اشارہ دیا گیا کہ حالات کا بدلنا خدا کے لیے کوئی بڑی چیز نہیں ہے،جو خدا اپنے نبی کو انتہائی حیرت انگیز طور پر سفر معراج کرا سکتا ہے،وہ زمین پر مسلمانوں کے حالات بدلنے پر بھرپور قدرت رکھتا ہے،اس طرح واقعۂ معراج کا ایک اہم پیغام قدرتِ خداوندی پر یقین ہے،جس کے بعد ایک مومن بندہ کے لئے بڑی سی بڑی مصیبت ہیچ ہوجاتی ہے،وہ انتہائی پریشان کن حالات میں بھی خوف وحزن سے محفوظ اور پوری طرح مطمئن رہتا ہے،چونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عسر کے بعد یسر لانے کی بھر

---

(۱) النبی الخاتم ﷺ:۴۸

پورقدرت رکھتا ہے، مصر کے ممتاز عامل علامہ شعراوی واقعۂ معراج کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس معجزۂ معراج سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ اس معجزہ سے ہمیں اس بات کا سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی ہے وہ اپنے پسندیدہ بندوں کے لئے جو چاہتا ہے کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے لیے صرف زمین کی سلطنت ہی مسخر نہیں کی تھی بلکہ آسمانوں کو بھی مسخر کر دیا تھا، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر خدا سے تکلم کا شرف حاصل ہوا، تو آخری نبی ﷺ نے آسمان پر اس شرف سے بہرہ ور ہوئے‘‘۔ (۱)

جب بندہ کسی بھی معاملہ پر اپنی محدود قدرت کے دائرے میں رہ کر غور کرتا ہے، تو وہ اسے ناممکن محسوس ہوتا ہے اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے برخلاف جب کسی معاملہ کو خدا کی قدرت کے آئینہ میں دیکھتا ہے تو اسے کوئی چیز ناممکن نظر نہیں آتی، اس طرح بڑے سے بڑے مسئلے کا حل اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے؛ چونکہ خدا کی قدرت پر نظر اسے ہمت عطا کرتی ہے، یہیں سے اس اعتراف کا بھی حل نکل آتا ہے جو بعض مادہ پرستوں کی جانب سے واقعۂ معراج کی حقانیت پر کیا جاتا ہے، یعنی یہ اعتراض کے لمحوں میں آسمانوں کی سیر اور عالم بالا کا مشاہدہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی اپنے محدود قدرت اور عقل کے دائرے میں رہ کر واقعۂ معراج پر غور کرتا ہے، لیکن جب اسے خدائی قدرت کے دائرے میں دیکھا جائے تو پھر خدا کے یہاں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔

عبدیت انسان کی معراج ہے

واقعۂ معراج سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ خدا کے آگے جو جتنا جھکے گا اتنا ہی اونچا اٹھایا جائے گا؛ اس لیے کہ عبدیت انسان کی معراج ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز کو مؤمنوں کی معراج قرار دیا

---

(۱) معجزۃ القرآن الکریم: ۳۴۶

گیا، نبی خدا کے آگے جھکتے گئے اور خوب جھکے عبدیت کا حق ادا کر دیا، تب اللہ نے بلندیوں سے سرفراز کیا، ایک خدا کے آگے جھکنا انسان کو سینکڑوں دروں پر جھکنے سے محفوظ رکھتا ہے اور بلندی کی چوٹیوں پر پہنچا دیتا ہے؛ چنانچہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اللہ کی سچی بندگی اور عبدیت کو اپنانے والے اہل اللہ لوگوں کی نگاہ میں نہایت محترم ہوتے ہیں۔

کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک نئے عالم کا مشاہدہ کرایا، جو عام انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے، جنت و دوزخ کے مناظر، مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات وغیرہ، سب کچھ عالم بالا میں ہوا، جسے عالم روحانی کہا جاسکتا ہے، اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ انسان کو صرف مادیات ہی میں الجھ کر نہ رہنا چاہئے؛ بلکہ اس کی نظر روحانیت اور عالم بالا پر بھی ہونا چاہئے، علامہ اقبال مرحوم نے بہت سچ کہا:

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

موجودہ مادیت کے دور میں جبکہ ہر جگہ مادیت ہی کا غلبہ ہے اور مادہ ہی انسان کا معبود بن گیا ہے، روحانیت کی طرف رُخ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، ضرورت ہے کہ انسانیت کو مادیت کے دلدل سے نکال کر روحانیت کے صاف و شفاف سرچشمہ کی طرف لایا جائے۔

محدود دائرہ عقل کے لئے ذہنی ارتقاء راہ کشادہ ہوگی

سفر معراج سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے سارا ماجرا سنایا تو لوگ توقع کے مطابق رسول ﷺ کا استہزاء کرنے لگے، لیکن جب صدیق اکبرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بلاتردد اس واقعہ کی تصدیق کی، اس سے مزاج دین سمجھ میں آتا ہے، یعنی تسلیم و اتباع اور مان جانے کا نام دین ہے، عقلی گھوڑے دوڑانے کا نام دین نہیں ہے، لیکن نام نہاد تجدد پسند مسلمانوں کی جانب سے معراج پر جس قسم کے اعتراضات کیے جاتے ہیں، اسی طرح قربانی وغیرہ

دیگر شعائر دین کے تعلق سے جو نامعقولیت کی بات کہی جاتی ہے وہ سراسر مزاج دین سے ہٹی ہوئی ہے، دین کی ہر بات کا عقل انسانی کے فہم میں آنا اس لیے ممکن نہیں ہے کہ انسانی عقل کا دائرہ محدود ہے، پھر یہ کہ آدمی دین کے کام حکم کی معقولیت سمجھنے کا مکلف بھی نہیں ہے، نہ ہی اس سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی؛ البتہ دین کے ہر حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے۔

۞ واقعۂ معراج سے پہلے انسانیت کائنات کی بڑی مخلوقات سے نہایت مرعوب تھی، اسی مرعوبیت کا اثر تھا کہ لوگ سورج، درخت، پہاڑ اور زمین کی پرستش کرتے تھے، اسی مرعوبیت کا نتیجہ یوں ظاہر ہوا کہ انسانیت تسخیر کائنات کے ذریعہ ارتقائی منازل طئے کرنے سے محروم رہی، واقعہ معراج کے ذریعہ پہلی مرتبہ انسانیت پر حقیقت آشکارا ہوئی کائنات کی بڑی سی بڑی مخلوق سے انسان کو مرعوب ہونے کے بجائے اسے اپنے لئے مسخر کرنا چاہئے، معراج کے موقع پر زمان ومکان اور زمین وآسمان سب کچھ مسخر کردیئے گئے، اس طرح امت کے لئے تسخیر کائنات کی راہ آسان ہوئی، واقعہ معراج نے ذہنی ارتقاء کے دروازے کھول دیے، علم وتحقیق کے چشمے جاری کردیے، معراج سے پہلے انسان خود کو کائنات کے آگے مجبور وبے بس پاتا تھا، معراج کے بعد اس کے لیے تسخیر کائنات کا گر ہاتھ لگا۔

سفر معراج کے دو حصے ہیں، ایک مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک جسے ''اسراء'' کہا جاتا ہے، دوسرا بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور عالم بالا کی سیر جسے ''معراج'' کہتے ہیں، مکہ سے جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں انبیاء علیہم السلام جمع تھے، نماز کے لیے صفیں بن چکی تھیں، آپ ﷺ کو آگے بڑھایا گیا اور آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، انبیاء علیہم السلام کی امامت سے جہاں آپ ﷺ امام الانبیاء ٹھہرے وہیں آپ ﷺ کی امت امام الامم قرار دی گئی، اس طرح واقعۂ معراج امت محمدیہ کو یہ پیغام بھی دیتا ہے کہ وہ اقوام عالم کی قیادت کرے؛ اس لیے کہ وہی خدا کے آخری پیغام کی حامل امت ہے، اللہ نے اسی کو قیادت کی ذمہ داری تفویض فرمائی، وہ اقوام عالم کے درمیان پچھلی صفوں میں کھڑے رہنے کے لیے نہیں برپا کی

گئی، بلکہ اقوام عالم اور عالم انسانی کی قیادت کا فریضہ اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنے اندر علم وعمل کی مطلوبہ صلاحیتیں پیدا کرے اور خدا کے دین کے لیے کمر بستہ ہو جائے، ارشاد خداوندی ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔(سورہ آل عمران :۱۱۰)''تم بہترین امت ہو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے برپا کی گئی ہو،تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے رکتے ہو'' ہر سال شب معراج کی آمد ہمیں احتساب کی دعوت دیتی ہے کہ آیا اقوام عالم کی قیادت کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں یا اپنی بدعملیوں کے نتیجہ میں قیادت کی باگ ڈور دوسروں کے حوالہ کر چکے ہیں؟

۞ واقعۂ معراج میں نبی ﷺ کو عالم بالا کی مختلف چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا،ان میں ایک حصہ مختلف برے اعمال میں مبتلا افراد کی سزاؤں کا تھا، کچھ لوگوں کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے سر پتھروں سے کچلے جارہے ہیں جن کی سرگرانی انہیں نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی، کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے، پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوۃ،خیرات کچھ نہ دیتے تھے،اسی طرح اور بہت سے برے اعمال کی سزاؤں کا آپ ﷺ کو مشاہدہ کرایا گیا،اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ دنیا میں اگر انسان کو کسی برائی کی سزا نہیں مل رہی ہے تو اسے آخرت کی سزا سے بے خبر ہو کر برائیوں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اس بات کا یقین رکھے کہ آخرت میں ہر اچھے یا برے عمل کی پوری جزاء وسزا مل کر رہے گی،معراج میں مشاہدہ سے رسول ﷺ کو حق الیقین حاصل ہو گیا اور آپ ﷺ نے اپنی امت کے سامنے ان سزاؤں کا ذکر فرمایا تا کہ وہ خود کو ان برائیوں سے محفوظ رکھے،اب جو معراج کو یقینی جانے گا وہ لا محالہ برائیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا،اس طرح واقعۂ معراج سے معاشرہ کی اصلاح کا پیغام بھی ملتا ہے۔

معاشرتی آداب کی تعلیم

واقعۂ معراج کا ایک انتہائی نمایاں پہلو معاشرتی آداب کی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس

واقعہ کے ذریعہ امت کو معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سے آداب کی تعلیم دی، براق پر سوار ہو کر جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو پہلے آپ ﷺ نے سواری کو باندھا، پھر ہیکل سلیمانی میں داخل ہوئے، جبکہ سواری آپ ﷺ ہی کے لئے لائی گئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کیا جائے، جب آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، تو سارے انبیاء علیہم السلام نماز کے لیے صف باندھے ہوئے تھے، مگر کوئی آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ تھا، آپ ﷺ نے امامت فرمائی، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ عہدے کے لئے خود کو پیش کرنا نہیں چاہئے، آج ہر شخص ادارہ یا تنظیم کا صدر بننا چاہتا ہے جس کے اثرات خلفشار کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں، اسلام یہ سکھاتا ہے کہ آدمی عہدہ کا طالب نہ بنے، بلکہ لوگ خود اسے منتخب کریں، جب آسمان کا سفر طے ہونے لگا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اجازت چاہی پھر اجازت دی گئی، معلوم ہوا کہ آدمی کو دوسرے کے گھر جانے کی صورت میں اجازت طلب کرنا چاہئے، یہ معاشرتی زندگی کا ایک اہم اصول ہے۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے پرتپاک انداز میں آپ ﷺ کا استقبال کیا، اس طرح ہر آسمان پر آپ ﷺ نے انبیاء علیہ السلام سے ملاقات کی اور انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے کو سلام کرنا چاہئے اور میزبان کو چاہئے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اچھے الفاظ سے اس کا استقبال کرے۔

یہ اور اسی طرح کے دیگر بہت سے معاشرتی آداب واقعہ معراج سے مترشح ہوتے ہیں، آج واقعاتِ سیرت کا نگاہِ بصیرت کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ موجودہ حالات میں سیرت سے صحیح رہنمائی حاصل کی جائے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی سے مجھے

واقعۂ معراج کے لامتناہی پیغامات ہیں، اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق ان گنت ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس واقعہ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور اس پر محض ایک واقعہ سے زیادہ عملی زندگی میں رہنمائی کرنے والے سیرت کے ایک اہم گوشہ کے طور پر غور کیا جائے، اس واقعہ سے حاصل ہونے والے چند اسباق سطور ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں؛ تاکہ نگاہِ عبرت رکھنے والے اہلِ ایمان ان سے فائدہ اٹھائیں۔

(۱) طائف میں ستانے والے کفار اور مکہ میں ٹھکرانے والے مشرکین پر اس واقعہ کے ذریعہ واضح کر دیا گیا کہ تم نے نبی پر زمین کے دروازے بند کر دیئے تو اللہ نے ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے۔ تم نے نبی کی امامت واقتدار کو قبول نہ کیا تو اللہ آپ ﷺ سے انبیاء کی امامت کروائی اور سب نے آپ کی اقتدا کی، اہل زمین نے آپ سے منھ پھیرا تو آسمان والے نے آپ کا استقبال کیا۔

(۲) واقعۂ معراج سے آخرت جنت و دوزخ اور وہاں کی نعمتوں اور تکلیفوں کا یقینی ہونا معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اللہ نے اس واقعہ میں اپنے نبی کو جنت و دوزخ کی سیر کرائی اور اہلِ جنت اور اہل دوزخ کے حالات کا مشاہدہ کروایا۔

(۳) دین حق کا داعی جب ستایا جاتا ہے اور وہ لوگوں کی اذیتوں کے باوجود اپنے کام میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ساری طاقتوں کو اس کے لئے مسخر کر دیتے ہیں، واقعۂ معراج میں ساری کائنات آپ ﷺ کے لئے مسخر کر دی گئی، حتی کہ زمان و مکان بھی مسخر کر دئے گئے۔

(۴) واقعۂ معراج بتاتا ہے کہ داعی اگر اپنی دعوت میں ثابت قدم رہے تو آخر کار خدا اس کا حامی ومددگار بن جاتا ہے، خدا اپنے داعیوں کو آزماتا ضرور ہے مگر بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا، داعی کو دعوت کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔

(۵) واقعۂ معراج سے دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی رفعت شان کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ نے

آپ کو ایسے مقام پر پہنچایا جہاں تک نہ کوئی پیغمبر جاسکا اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ سارے نبیوں میں یہ اعزاز صرف آپ ہی کو حاصل ہوا، حتی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی پیچھے رہ گئے، اللہ نے نبیوں کی امامت کرواکر ساری انسانیت پر واضح کردیا کہ اب سب کے مقتدا صرف نبی آخرالزماں ہیں، آپ کا دین سارے دینوں پر غالب ہے۔

(۶) واقعۂ معراج قبلہ اول بیت المقدس کے سلسلہ میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے، یہیں سے آپ کو معراج نصیب ہوئی اور یہ آپ اور سارے مسلمانوں کا قبلۂ اول تھا، جہاں آپ نے سارے نبیوں کی امامت فرمائی، حضرت عمرؓ نے معراج کے اس سبق کو یاد رکھا اور راس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے بیت المقدس کو آزاد کرایا،لیکن افسوس موجودہ دور کے مسلمان بیت المقدس کی آزادی اور قبلۂ اول کی بازیابی سے بالکلیہ غافل ہیں، یہودی آئے دن اس کی توہین کررہے ہیں، اوراس کے صحن میں موسیقی کی محفلیں منعقد کررہے ہیں اور اسے ڈھانے کی ساری تدبیریں مکمل کرچکے ہیں، لیکن عالم اسلام غفلت سے دوچار ہے۔

(۷) واقعۂ معراج ہمیں اس بات کا بھی پیغام دیتا ہے کہ ہم روحانی طور پر اس قدر عروج کریں کہ ہمیں وصول الی اللہ کی دولت حاصل ہوجائے، موجودہ دور روح سے بے اعتنائی کا دور ہے، اس وقت ساری توانیائیاں صرف جسم کو سنوارنے پر جھونکی جارہی ہیں مادیت کا اس قدر تسلط ہے کہ روحانی اقدار قصۂ پارینہ بن کر رہ گئیں، معراج دراصل ظلمت سے نور کی جانب اور شک سے یقین کی جانب اور معصیت سے اطاعت کی جانب سفر ہے، یہاں نور ہی نور ہے، اور اطاعت ہی اطاعت ہے، ظلمت و معصیت کا دور تک گزر نہیں ہے۔

(۸) معراج کا واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے پناہ مہربان ہے، اسی مہربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو کم کرکے پانچ مقرر فرمائی اور کبیرہ گناہ کرنے والا موت سے پہلے سچی توبہ کرلے تو اس کے گناہوں کی مغفرت کا اعلان فرمایا۔

(۹) واقعۂ معراج استقامت اور ثبات قدمی کا پیغام دیتا ہے کہ دین کی راہ میں کیسی ہی دشوار گھاٹیاں آئیں مسلمان کو ثابت قدم رہنا چاہئے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معراج سے پہلے انتہائی دشوار

گھاٹیاں آئیں مگر آپ کے پائے ثبات میں کسی طرح کا تزلزل نہ آیا اور آپ دعوت دین پر ثابت قدم رہے۔

(۱۰) کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ کو سخت تکالیف سے گزارا گیا پھر معراج کے ذریعہ آسانیوں کا سلسلہ شروع ہوا، ایک مسلمان کو پے در پے آنے والی دشواریوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

(۱۱) واقعہ معراج نماز کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، تمام فرائض میں نماز ایک مہتم بالشان فریضہ ہے، سارے فرائض زمین پر فرض کئے گئے لیکن نماز کا تحفہ آسمان پر دیا گیا، نماز مومن کی معراج ہے، حالتِ نماز میں بندہ گویا اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

(۱۲) واقعہ معراج قیادت کی تبدیلی اور اس بات کا اشارہ ہے کہ عالمی قیادت بنی اسحاق کے ہاتھوں سے لے کر بنی اسماعیل کے حوالے کر دی گئی، مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت اس بات کا لطیف اشارہ ہے کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوموں کے لئے نبی آخر الزماں کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، اب پچھلی ساری شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ساری قوموں کو آخری پیغمبر کے تابع ہونا پڑے گا۔

(۱۳) واقعہ معراج اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ دنیا دار المحن ہے، یہاں انسان کو قدم قدم پر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نبی ﷺ نے معراج سے پہلے قدم قدم پر مشقتوں کا سامنا کیا اس کے برخلاف عالم بالا اور عالم آخرت ایک مسلمان کے لئے راحت کا حقیقی مقام ہے؛ اس لئے دار المحن میں پیش آنے والی تکلیفوں پر آزردہ خاطر نہ ہونا چاہئے، یہاں کی چند روزہ تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے دین پر قائم رہیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کی راحتیں حاصل ہوں گی۔

(۱۴) واقعہ معراج میں اسلام کے دین فطرت ہونے کا لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، اسلام کی تیز رفتار اشاعت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور دین کی فطرت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں فطرت انسانی کو اپیل کرتا ہے، عالم اسلام کے معروف داعی و مفکر شیخ سعید رمضان بوطی اپنی شہرہ آفاق کتاب فقہ السیرہ میں لکھتے ہیں ’’حضرت جبرئیل علیہ السلام نے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے ان میں سے ایک دودھ کا پیالہ تھا اور دوسرا شراب کا، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دین فطرت ہے اور اپنے عقیدے اور احکام میں فطرت انسانی کے حقیقی تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کی حقیقی فطرت سے ٹکراتی ہو اگر فطرت ایک جسم ہوتی تو دین اسلام اس کا موزوں لباس ہوتا، یہ ہے اس چیز کا راز کہ یہ دین کیوں تیزی سے پھیلتا ہے اور لوگ اسے قبول کرنے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں، اس لئے کہ انسان خواہ تہذیب وتمدن کے کتنے ہی مدارج طے کرلے اور اسے کتنی ہی مادی آسائش حاصل ہوجائے لیکن وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل اور فطرت سے میل نہ کھانے والے تکلفات اور پیچیدگیوں کے طوق سے آزادی حاصل کرنے کی جانب مائل رہتا ہے، اور اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو فطرت انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل ہے۔

(۱۵) واقعہ معراج کے کچھ اور اسرار ورموز : شیخ سعید رمضان بوطی نے واقعہ معراج پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے کچھ اور اسرار ورموز تحریر فرمائے ہیں؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں : بیت المقدس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر اور رہاں سے ساتوں آسمانوں میں آپ کی تشریف آوری کے درمیان زمانی تعلق سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت وتقدس حاصل ہے، اس سے اس کا بھی واضح ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت محمد ابن عبد اللہ علیہما السلام کی تعلیمات کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور یہ کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دین کے ساتھ مبعوث کیا تھا اس سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر زمانہ میں اور ہر آن اس ارض مقدس کی حفاظت اور بیرونی لوگوں اور دشمنانِ دین کے ناپاک ارادوں سے اس کی مدافعت کی کوشش کرنی چاہئے، گویا حکمتِ الٰہی اس زمانے کے مسلمانوں کو ہوشیار کررہی ہے کہ اس مقدس سرزمین پر یہود کی جارحیت کے سامنے کمزور اور بزدلی اور پست ہمتی کا مظاہرہ نہ کریں اور اسے ان کے ناپاک تسلط آزاد کرکے اس پر اہلِ ایمان کا قبضہ بحال کریں۔

(۱۶) واقعہ معراج دراصل لوگوں کے ایمان کے جانچنے کی کسوٹی ہے؛ چونکہ یہ خرق عادت واقعہ تھا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر اس زمانے میں دو مہینوں پر محیط ہوتا تھا لیکن آپ نے سکنڈوں میں طے کیا پھر عالم بالا کی سیر کرائی گئی، ظاہر ہے کہ ایسے حیرت انگیز واقعہ پر یقین کرنا عام انسان کے لئے مشکل ہوتا ہے، چنانچہ یہ واقعہ کافروں کے کفر میں اضافے کا ذریعہ اور ایمان والوں نے تصدیق کرکے اپنے ایمان کو پختہ کیا۔

(۱۷) معراج مسجد حرام کے بجائے مسجد اقصیٰ سے کرائی گئی اس میں اسلام کی عالمگیریت کی جانب اشارہ ہے، اور مسلمانوں کو پیغام دیا جارہا ہے کہ وہ اسلام کو لے کر اقطاع عالم میں پھیل جائیں مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت کا مطلب یہی ہے کہ اب اسلام ساری اقوام عالم کا واحد دین ہے۔

(۱۸) اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو سابقہ لوگوں کے تجربات سے استفادہ کرنا چاہئے، پچاس نمازوں کی فرضیت کے بعد جب آنحضور ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تخفیف کروانے کا مشورہ دیا، اور یہ فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کے سلسلہ میں تجربہ کیا ہے، لوگ اس کے متحمل نہیں ہوں گے، آنحضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تخفیف کروائی۔

(۱۹) معراج سے اتحاد واتفاق کا بھی درس ملتا ہے، وہ اس طرح کہ ہر آسمان پر نبی کریم ﷺ کی مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی سارے نبیوں نے مرحبا بالاخ الصالح کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جبکہ بیشتر انبیاء کی شریعتوں میں فرق پایا جاتا ہے، اس کے باوجود سب نے بھائی کہہ کر آپ کا استقبال کیا، اس میں اخوت واتفاق کی جانب اشارہ ہے، آج امت کی عجیب صورت حال ہے ایک کلمہ ایک قرآن اور ایک کعبہ کی حامل امت باہم دست وگریباں ہے، مسلکی تشدد بام عروج پر ہے، اس میں جانیں تک ضائع ہورہی ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کا آپسی اتحاد پارہ پارہ ہورہا ہے، پیغمبر اسلام نے جس ملت کو قدم قدم پر درس دیا تھا آج وہ مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔

(۲۰) قرآن مجید میں اسراء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہ'' پاک

ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات لے چلی اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے لئے لفظ عبد کا انتخاب اتفاقی نہیں ہے، مقام عبدیت سب سے اونچا مقام ہے، ہر فضیلت والے موقع پر اللہ نے آپ کے لئے لفظ عبد اختیار فرمایا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ آپ عبدیت کے نہایت بلند مقام پر فائز ہیں، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں ہر قسم کی سربلندی کامل عبودیت سے حاصل ہوتی ہے۔

(۲۱) سفر معراج میں مختلف آسمانوں پر متعدد انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے دوسرے پر حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام سے چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام پانچویں پر ہارون علیہ السلام چھٹویں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام میں سے مذکورہ چند انبیاء کرام کا انتخاب اتفاقی نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو ان کے ساتھ پیش آئی صورت حال سے تسلی حاصل ہو جائے انہیں بھی اپنے وطن اصلی جنت سے نکالا گیا تھا اور آپ ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ سے نکالا گیا، حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ساتھ یہودیوں نے انتہائی درجہ کی عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا، ان سے ملاقات کروا کر گویا یہ اشارہ دیا گیا کہ آپ کو بھی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی عہد شکنی اور ان کی شازشوں کا سامنا کرنا ہوگا حضرت یوسف علیہ السلام کو خود ان کے بھائیوں کی جانب سے ظلم سہنا پڑا تھا، اور انہوں نے اس پر صبر کیا، مکہ مکرمہ میں آپؐ کے ساتھ بھی اپنوں نے یہی برتاؤ کیا اور آپ کو قتل کرنے کا تک منصوبہ بنایا، ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رفعت مقام عطا فرمایا تھا جہاں تک پہنچنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں تھا، آپ کو معراج سے سرفراز فرما کر ان سے بلند مقام عطا فرمایا گیا، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ساتھ ان کی قوم نے بڑی بدتمیزی کا معاملہ کیا تھا، ان سے ملاقات کروا کر آپ کو تسلی دی گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے آخری آسمان پر بیت المامور سے ٹیک لگائے بیٹھے، ان سے ملاقات کے ذریعہ اشارہ کیا گیا کہ آپ کی عمر کا اختتام بھی حج بیت اللہ پر ہوگا۔

(۲۲) معراج کا واقعہ بتاتا ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے اللہ ہدایت نہ دیں وہ سارے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے گا، جب آپ معراج سے واپس لوٹے اور کفار مکہ کو اس کی تفصیلات سنائیں تو کفار نے بیت المقدس کے متعلق مختلف سوالات کئے، اللہ نے بیت المقدس کو آپ کے روبرو کر دیا آپ نے ان کے ہر سوال کا جواب دیا، مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے، اس لئے ان کے حق میں ہدایت مقدر نہیں تھی۔

(۲۳) واقعہ معراج سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی کے گھر جائے اور دروازہ کھٹکھٹائے اور اندر سے آنے والے کے متعلق دریافت کیا جائے تو آنے والے کو اپنا نام ذکر کرنا چاہیئے، "میں" کہنا درست نہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہونچے آسمان کا دروازہ بند تھا فرشتوں کے دریافت کرنے آپ نے جواب میں جبرئیل کہا۔

(۲۴) معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جب آپ پر رخصت ہونے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد مبعوث ہونے والے پیغمبر محمد ﷺ کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی (بخاری، مسلم) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور ﷺ پر اس قدر غبطہ اور رشک تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے نبی کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی فرمائی کی آپ پچاس نمازیں لے کر لوٹے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کروانے کا مشورہ دیا ان کا طرز عمل یہ واضح کرتا ہے کہ کسی کی خوبیوں پر حسرت ہونے کے باوجود اس کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی ہونی چاہیئے، اس کے برعکس آج ہمارا حال یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت مل جائے تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا رکھتے ہیں۔

(۲۵) خیر خواہی اور ہمدردی ایسی چیز ہے کہ اس کی برکتیں ضرور ظاہر ہوتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر خواہی فرمائی تو ان کی اس خیر خواہی سے نمازوں میں تخفیف کی گئی اس طرح خیر خواہی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

(۲۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر جب آپ نے اپنے رب سے تخفیف کرائی اور

نمازیں پانچ کردی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر مشورہ دیا کہ آپ مزید تخفیف کرائیے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ پھر دوبارہ درخواست کروں، اس طرح واقعہ معراج سے یہ پیغام ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ سے حیا کریں، قرآن وحدیث میں حیا پر بہت زور دیا گیا ہے۔

(۲۷) واقعہ اسراء ومعراج سے مساجد کی اہمیت اور مسلم معاشرہ میں مساجد کا کلیدی کردار سمجھ میں آتا ہے؛ اس لئے کہ یہ سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر اختتام کو پہونچا ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ امت پر مساجد کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

چوتھا باب

سیرتِ رسول کے چند نمایاں گوشے

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی

صفاتِ الٰہی کا مظہر اتم

انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب پر فائز کیا ہے، انسان میں خدائے تعالیٰ کی مختلف صفات کی جھلک پائی جاتی ہے، جو بندہ جس قدر خدا کا مقرب ہوتا ہے اس میں اسی قدر صفاتِ الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے، بنی نوعِ آدم میں حضرات انبیاء خدا سے سب سے زیادہ قریب تر ہوتے ہیں، پھر انبیاء میں بھی سید الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربِ الٰہی کے اونچے مقام پر فائز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفاتِ ربانی کا جلوہ گاہ ہے، عفو و درگذر، علم وحلم، رأفت ورحمت اور انعام واکرام جیسی اعلیٰ صفات کی جھلکیاں ذاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پورے طور پر نمایاں نظر آتی ہیں، خدا کی من جملہ صفات میں ایک اہم صفت جود وسخا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صفت جود وسخا کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

سخاوت وفیاضی اور عطا وبخشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا بنیادی عنصر تھا، جود وسخا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرت کا حصہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع ہی سے بڑے فیاض اور سخی واقع ہوئے تھے جس طرح نبوت سے قبل آپ کی صداقت وامانت معروف تھی کہ لوگ آپ کو امین وصادق کہہ کر پکارتے تھے، اسی طرح آپ کی فیاضی اور سخاوت بھی ظاہر و باہر تھی۔

❁ چنانچہ غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشانی کے عالم میں گھر آئے اور اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا سنایا تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن الفاظ کے ساتھ آپ کو تسلی دی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطری فیاضی کے شاہد ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”کلا و اللہ مایخزیک اللہ ابدا إنک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم

وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق" (۱) ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو بے مدد نہیں چھوڑے گا، کیوں کہ آپ مہمان نواز ہیں، صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے اور ناتواں اور درماندہ لوگوں کے آپ دستگیر اور مسکینوں کے کارساز ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب ومشکلات میں آپ لوگوں کے مددگار ہیں، حضرت خدیجہؓ کے یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ لوگ آپ کو روزِ اول سے سخی، فیاض اور انسانیت نواز کے طور پر جانتے تھے۔

ۃ حضراتِ صحابہ کرامؓ نے جو سفر وحضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور آپؐ کی عطا وبخشش کا نہ صرف مشاہدہ کرتے تھے بلکہ انہیں اس کا عملی تجربہ بھی ہوتا تھا، آپ ﷺ کی سخاوت کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: "کان أجود الناس وکان أجود مایکون فی رمضان حین یلقاہ جبرئیل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فرسول اللہ ﷺ أجود بالخیر من الریح المرسلۃ"۔(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عطا وبخشش کرنے والے تھے اور آپ ﷺ کے جود وکرم کی اس وقت انتہاء نہ ہوتی تھی جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے شرف یابی کے لیے حاضر ہوتے اور رمضان کی ہر شب حاضر ہوکر حضور ﷺ سے قرآن کریم کا دور فرماتے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جود وبھلائی میں چھوٹی ہوئی تیز ہواؤں سے بھی زیادہ تیز تھے۔

سخاوت کی تعریف

ۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "سخاوت کے حقیقی معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کردینے کے ہیں اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں: اپنا حق کسی کو معاف کردینا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کا

---

(۱) بخاری ۱/۳ (۲) بخاری: کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ﷺ حدیث ۶:

خیال کیے بغیر دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کرکسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لیے اپنے جسم کی قوت کو خرچ کرنا، اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈالنا، اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا، دوسروں کو بچانے کے لیے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا یہ سب سخاوت کی ادنیٰ اور اعلیٰ قسمیں ہیں، جن کے امتیاز کے لیے الگ الگ نام رکھے گئے،(۱) مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وضاحت کی روشنی میں سخاوت صرف کسی سائل کے مانگنے پر وقتی طور پر کچھ عطا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ سخاوت اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتی ہے، نبی رحمت ﷺ کی جود وسخا میں بڑی جامعیت تھی، بعض شراحِ حدیث جود وسخا کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں ''اعطاء ماینبغی لمن ینبغی''(۲) بغیر کسی مفاد کے ضرورت مند کو اس کے مناسب حال چیز عطا کرنا جود وسخا ہے، اسی طرح مال کی فراوانی پر عطا کرنا سخاوت نہیں ہے بلکہ مال کی کمی کے باوجود اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر عطا کرنا سخاوت ہے، پھر یہ صرف مال و دولت یا دنیوی اشیاء کا عطا کرنا ہی سخاوت نہیں ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر جسمانی قوت کا خرچ کرنا بھی سخاوت میں داخل ہے، نیز سخاوت میں اپنے پرائے کی تمیز نہیں ہوتی۔

خالی نہ لوٹا جس کے در سے کوئی

نبی رحمت ﷺ اس جامع اور وسیع معنی میں سخی تھے، آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ''ماسئل النبی ﷺ شیئا قط فقال لا''(۳) (کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے کسی نے مانگا اور آپ ﷺ نے اس کو نہیں عطا فرمایا ہو) چاہے آپ ﷺ کے پاس وہ چیز موجود ہو یا نہ ہو، آپ ﷺ بہر صورت سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت

---

(۱) سیرۃ النبیؐ ۶: /۱۷۹

(۲) فتح الباری اَول الکتاب ۱/۳۱ دار المعرفۃ بیروت

(۳) بخاری باب حسن الخلق حدیث: ۶۰۳۴

میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو، میں پھر اسے ادا کر دوں گا، حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کیا کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں ہے تو پھر آپ پر کیا ذمہ داری ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپ رہ گئے، ایک اور انصاری حاضر تھے، انہوں نے کہا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ دیتے جائیے! اورعرش والے خدا سے نہ ڈرئیے وہ آپ کو محتاج نہیں کرے گا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرطِ بشاشت سے مسکرا دیئے، اور گھر میں آ کر اس کو بہت کچھ نوازا۔(۱)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت مال ومتاع اور دنیوی اشیاء تک محدود نہ تھی؛ بلکہ حضرات صحابہ مختلف قسم کی ضروریات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تکمیل فرماتے، حضرت سیدنا جریر بن عبداللہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوتو گرجاتا ہوں، جریر کہتے ہیں کہ آپ نے میرے سینے پر دست مبارک مار کر فرمایا: ''اللهم ثبته واجعله هاديا مهديا''(۲) حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے انگشت ہائے مبارک کا اثر اپنے اندر محسوس کیا، اسے کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔(۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ سے احادیث سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا : اپنی چادر پھیلادو، میں نے پھیلا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں ایک لپ سو ڈالا (جس میں ظاہراً کوئی چیز نہ تھی) پھر فرمایا : اس کو سمیٹ لو، میں نے سمیٹ کر سینے سے لگا لیا، اس کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا اور صحابہ میں ان سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا کوئی نہ تھا۔(۴)

لوگ چاہے کتنے ہی سخی داتا کیوں نہ ہوں لیکن اپنی ضرورت کی اشیاء دوسروں کو عنایت نہیں کرتے لیکن محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ شدید ضرورت کی اشیاء عنایت کرنے میں

---

(۱) اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعات کے آئینہ میں

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر :۳۰۷۶

(۳) بخاری باب البشارة فی الفتوح حدیث ۳۰۷۶

(۴) فما نسیت شیئا بعد (بخاری باب حفظ العلم حدیث ۱۱۹

تامل نہ فرماتے، ایک دن آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، ایک لڑکے نے آکر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری ماں نے کہا میرے پاس کرتہ نہیں ہے، ایک کرتہ عنایت فرمادیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا : یہی ایک کرتہ ہے، پھر آنا، وہ لڑکا چلا گیا اور پھر آکر عرض کرنے لگا کہ میری ماں عرض کرتی ہے کہ یہی کرتہ عنایت کردیجئے، آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور اس کرتہ کو جسم مبارک سے اتار کر کے اس کے حوالے کردیا، ایک صحابیہؓ نے ایک چادر اپنے ہاتھ سے تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کی، اس وقت آپ کو چادر کی ضرورت بھی تھی، آپؐ نے اس کو اوڑھ لیا، ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ یہ چادر خوب ہے، اس کے کنارے بہت اچھے ہیں، بڑے دلکش ہیں، یارسول اللہ ﷺ! یہ چادر مجھے عنایت فرمادیجئے، آپ نے وہ چادر اسے بخش دی۔"(۱)

❁ لوگ جود وسخا کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کی سخاوت کا ایک دائرہ مقرر ہوتا ہے جس سے باہر نکلنے کی ایک حد مقرر ہوتی ہے، لیکن محسن اعظم ﷺ کی سخاوت و بخشش لا محدود تھی، زیادہ سے زیادہ مقدار اور سب کچھ عطا کرنا آپ ﷺ کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی، ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے دیکھا کہ دور دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ ﷺ نے ساری بکریاں اسے عنایت فرمادیں اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: "یا قوم! أسلموا فإن محمدا یعطی عطاءً لا یخشی لفاقه"(۲) اے میری قوم کے لوگو! اسلام میں داخل ہوجاؤ، بلاشبہ محمد ﷺ اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ فاقہ کا انہیں کوئی خوف نہیں رہتا"

❁ کبھی عطا و بخشش کی ایسی بارش ہوتی کہ جو کچھ ہوتا سب نواز دیا جاتا اور گھر میں فاقہ کرلیا جاتا، چنانچہ ایک صحابیؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے شادی کی اور طعام ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی دلیا مانگ لاؤ، وہ گئے اور

---

(۱)"ما أحسن هذه فاكسنيها فقال: نعم"(بخاری باب حسن الخلق والسخاء حدیث ۶۰۳۶)

(۲)مسلم باب ماسئل رسول اللہ شیئا قط حدیث ۲۳۱۲

جا کر لے آئے، جب کہ گھر میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔(۱)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رات کے کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ رکھا تھا کہ ایک غفاری مہمان آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان داری کے طور پر سارا دودھ اس کو پلا دیا اور گھر والوں نے یہ رات فاقہ سے بسر کی۔(۲)

بسا اوقات عطا و بخشش اتنی زیادہ ہوتی کہ لینے والے کے لیے اٹھ کر چلنا دشوار ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا وہ اس قدر کثیر رقم کی تھی کہ اس سے پہلے دارالاسلام میں کبھی نہیں آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد میں ڈالو، اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑ کر تک نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم شروع کی جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے، اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہ سکتے تھے۔(۳)

جہاں تک کھانے پینے کی بات ہے تو معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے تھے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شریک فرمالیتے تھے، کسی غزوہ میں ایک ۱۳۰/صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری خرید کر ذبح کر ڈالی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ رکھا۔(۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور انفاق کا یہ عالم تھا کہ گھر میں اگر دینار و درہم آتے جب تک انہیں تقسیم نہ کرا دیتے اس وقت تک طبیعت میں بے چینی رہتی اور تقسیم کرنے پر ہی سکون و اطمینان محسوس کرتے، چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) لا واللہ إن أصبح لنا طعام غیرہ (مسند احمد حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی)

(۲) فبیت اللیلة کما بتنا البارحة (مسند احمد حدیث ابی بصرہ الغفاری حدیث ۲۶۲۲۷)

(۳) ”ثم احتمله فألقاه علی کاهله ثم انفلق“ (بخاری باب القسمة حدیث ۴۲۱)

(۴) اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعات کے آئینہ میں

گھر تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، بے چینی کے آثار ہویدا تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خیر تو ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے“۔

ایک دفعہ رئیس فدک نے چار غلہ بردار اونٹ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے غلہ بازار میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض ادا کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کچھ بچ گیا ہے، آپ نے فرمایا: جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر نہیں جاسکتا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کیا کروں؟ کوئی سائل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا نے آپ کو سبکدوش کردیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کردیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔(۱)

ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں رکھا گیا ہے، گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور سونا گھر میں پڑا رہ جائے، اس لیے جا کر اس کو فوراً خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔(۲)

مرنے والوں میں اگر کوئی مقروض مرتا تو اس کے قرض کی ادائیگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ذمہ لیتے اور اگر وہ کچھ مال ترکہ میں چھوڑ جاتا تو اس کے وارثین کو تلاش فرماتے، کسی کا آزاد کردہ غلام اگر انتقال کر جائے تو قاعدہ کی رو سے آزاد کرنے والا آقا اس کے ترکہ کا حقدار ہوتا ہے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قسم کا غلام انتقال کر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھا لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمام چیزیں اس کے حوالے کر دو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر کوئی

---

(۱) اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعات کے آئینہ میں ”فکبر و حمد اللہ شفقا من أن یدرکہ الموت“ (ابو داؤد فی الامام تقبل ھدایا المشرکین حدیث ۳۰۵۵:)

(۲) ”فکرھت أن یبیت عندنا فامرت بقسمتہ“ (نسائی باب الرخصۃ للإمام حدیث ۱۳۶۵)

شخص مقروض مرجائے اور کوئی مال چھوڑ کر نہ جائے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مرجائے تو وہ وارثوں کا حق ہے۔"(۱)

سخاوت کرنے والوں کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جب بار بار مانگتا ہے تو وہ اس سے بددل ہوجاتے ہیں اور ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ بار بار مانگنے پر بھی عطا فرمادیا کرتے تھے، تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیسے ختم نہ ہوجائیں، البتہ لوگوں کو مانگنے کی عادت سے باز رکھنے کے لئے نصیحت بھی فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ چند انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دے دیا، پھر مانگا پھر دے دیا، جب تک رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کچھ نہ رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جو کچھ ہوگا اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا، مگر جو شخص اللہ تعالیٰ سے گداگری سے بچنے کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے اس لعنت سے بچادیتا ہے۔(۲)

جود وسخا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص وصف تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی زندگی کے ذریعہ بھی اس کا نمونہ پیش کیا اور زبانی طور بھی امت کو اس کی تاکید فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "السخي قريب من الله قريب من الناس بعيد من النار"(۳) سخی اللہ اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت کے ساتھ انفاق پر زور دیا ہے، لیکن افسوس! سخی نبی کی نام لیوا امت آج سخاوت سے دور نظر آرہی ہے، لوگ شادی بیاہ اور تقاریب اور خواہشات کی تکمیل میں تو پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں لیکن محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے ان کے خزانے بند رہتے ہیں، دینی تقاضوں پر خرچ کرنا ان کے لیے دشوار ہوتا ہے، آئیے ہم سب مل کر عہد کریں کہ سخاوت کے شعبہ میں بھی ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمونہ بنا کر ان کے نقش قدم پر چلیں گے!

---

(۱) ومن ترك ديناً او ضياعاً فليأتني فأنا مولاه (بخاری باب الصلاۃ علی من ترک دینا: حدیث: ۲۳۹۹)

(۲) ومن يستعف يعفه الله (بخاری باب الاستعفاف عن المسألة حديث ۱۴٦۹)

(۳) ترمذی باب ماجاء فی السخاء حدیث: ۱۹٦۱

خدمتِ خلق -- سیرتِ رسول کا جلی عنوان

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں، ان کی بعثت کا مقصد ہی سسکتی انسانیت کو تھامنا ہوتا ہے، وہ پورے انسانوں کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے سرفراز کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، دنیا میں انسانیت کا سب سے بڑا خیر خواہ اور نجات دہندہ نبی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں خدمتِ خلق کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے، انبیاء کے یہاں خدمتِ خلق کا تصور کافی وسیع ہے، انبیاء کے جذبۂ خدمت کا تعلق صرف دنیاوی زندگی ہی سے نہیں بلکہ وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کو مشکلات سے نجات دلاتے ہیں اور عالم آخرت کی دائمی پریشانیوں سے بھی چھٹکارا دلاتے ہیں، نیز ان کا جذبۂ انسانیت اغراض ومقاصد کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ بے غرض وبے لوث ہو کر انسانیت کی نجات کے لیے کوشاں رہتے ہیں، قرآن مجید میں جن جن مقامات پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہاں اس بات کی صراحت کردی گئی کہ وہ اپنی قوم سے نہ کسی بدلے کے متمنی ہوتے ہیں اور نہ اپنے کام کی اجرت چاہتے ہیں، ہر زمانہ کے پیغمبروں نے اپنی تعلیمات میں توحید کے ساتھ انسانیت سے ہمدردی اور مخلوق کی خدمت اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے، قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا: ”واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتامی والمساکین وقولوللناس حسنا“ (البقرۃ: ۸۳) یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کروگے اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کروگے اور اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور عام لوگوں کے ساتھ اچھی بات کروگے“۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جہاں توحید کا عہد لیا تھا وہیں انسانیت کے ساتھ حسن سلوک اور مختلف طبقات کے حقوق کی ادائیگی کا عہد لیا تھا۔

۞ الغرض خدمتِ خلق حضراتِ انبیاء کرام کی سیرت کا جلی عنوان تھا، جس کا اندازہ ان کے کردار سے بھی کیا جاسکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سفر مدین کے موقع پر کنویں کے پاس

دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو لڑکیاں لوگوں کے اژدہام سے پریشان بے بسی کے عالم میں کنارہ پر کھڑی ہیں، تو فوراً آگے بڑھے اور کنویں سے پانی سینچ کر ان جانوروں کو پلایا، جس کا تفصیل تذکرہ سورۂ قصص میں دیکھا جاسکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل ان کی سیرت کے خدمت کے پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔

۞ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قیام زنداں کہ دوران جیل کے دو پریشان حال ساتھیوں نے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنی چاہی تو حضرت یوسف نے انتہائی ہمدردی اور جذبۂ خدمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آخرت کی تباہی سے بچنے کی دعوت دی، پھر ان کی ضرورت کی تکمیل فرمائی، سورۂ یوسف میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر بارہا کیا گیا ہے۔

۞ انبیاء کے سردار سید الاولین والآخرین محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی خدمتِ خلق کا گوشہ بہت نمایاں نظر آتا ہے، آپ کی سیرت از اول تا آخر خدمتِ خلق کی مظہر ہے، کتبِ سیرت میں بے شمار واقعات ہیں جو آپ کے بے پناہ جذبۂ خدمت کی عکاسی کرتے ہیں، نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخلاق و کردار اور انسانیت کی خدمت اور ظالموں کے خلاف مظلوموں کی مدد میں پیش پیش رہتے تھے، "حلف الفضول" کا واقعہ اس کا بین ثبوت ہے، "سیرت ابن ہشام" کے مطابق جب مکہ کے سردار عاص بن وائل سے بنو زبید سے تعلق رکھنے والے ایک پردیسی نے سامان فروخت کیا اور بعد میں قیمت کا مطالبہ کرنے پر عاص بن وائل نے صاف انکار کر دیا تو اس نے اپنی فریاد لوگوں کے سامنے رکھی، اس وقت مکہ کے جن غیرت مندوں نے ظالم سے بدلے لنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا عہد کیا تھا ان میں سر فہرست محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔(۱)

نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد ایک مرتبہ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا، اگر اسلام کے بعد آج بھی اس میں بلایا جائے تو ضرور اس میں شریک رہوں گا، اس معاہدہ میں انہوں نے

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، حلف الفضول ۱/۲۶۵

اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہ آئے"۔(۱) اس واقعہ سے نبیٔ رحمت کا وہ پہلو نمایاں ہوتا ہے جو عام طور پر لوگوں سے اوجھل ہے، یعنی مظلوموں کی مدد سے دلچسپی اور خدمتِ خلق۔

ام المؤمنین کے تاریخانہ جملے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبۂ خدمتِ خلق کا اظہار ان جملوں سے بھی ہوتا ہے جو حضرت خدیجہؓ کی زبان سے اس وقت نکلے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی بار وحی نازل ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے سہمے ہوئے ان کے پاس آئے اور اپنی گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تھا، چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: کلا و اللہ مایخزیک اللہ أبدا انک لتصل الرحم وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق"۔(۲) خدا کی قسم ہر گز اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، ناداروں کو کما کر لاتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے راستوں میں آنے والی مصیبتوں میں کام آتے، حضرت خدیجہؓ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ خالص خدمتِ خلق کی نوعیت کے ہیں، یہ تو نبوت سے پہلے کا حال تھا نبوت کے بعد کی زندگی تو ایک بحرِ ناپیدکنار ہے، جس میں انسانیت نوازی، خلق خدا سے ہمدردی اور انسانی خیر خواہی کے سینکڑوں موتی پنہاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی خدمتِ خلق کا حسین مرقع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عملی زندگی کے ذریعہ بھی خدمتِ خلق کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے ارشادات سے بھی لوگوں کو خدمت خلق کی تلقین فرمائی۔

خدمت خلق کا عملی مظاہرہ

جہاں تک خدمتِ خلق کے عملی مظاہرہ کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپؐ کی سیرت سے بیسیوں

---

(۱) سیرت مصطفیٰ جلد ا ص ۹۵

(۲) بخاری: کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث: ۳

واقعات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک قبیلہ مسافرانہ انداز میں حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خستہ تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ بدن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے لپٹی ہوئیں، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بہت متأثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ ﷺ گھر کے اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان مظلوموں کی امداد اور اعانت کے لیے آمادہ کیا، چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے ان کی بہت کافی امداد فرمائی، تب کہیں جا کر آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک مسرت سے سرشار ہوا۔(۱)

جن لوگوں نے آپ ﷺ کو ستایا تھا آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی خدمت خلق کا مظاہرہ کیا، چنانچہ قریش جنہوں نے تین برس تک شعبِ ابی طالب میں مسلسل آپ ﷺ کو محصور رکھا اور غلہ کے ایک ایک دانے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں خدائے ذوالجلال نے جب رحمت کا سایہ ان سے اٹھالیا اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ : محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجئے کہ یہ مصیبت دور ہو، آپ ﷺ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے نجات دی۔(اخلاق نبوی ﷺ واقعات کے آئینہ میں)

- آپ ﷺ لوگوں کے کام آنے میں پہل کرتے تھے، کوئی بھی شخص بے تکلفی کے ساتھ آپ کے سامنے اپنی ضرورت بیان کرتا اور اس کی ضرورت کو پوری کرتے۔(۲)
- حضرت خبابؓ ایک جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے، ان کے گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا،

---

(۱)حتی رأیت وجه رسول الله کأنه مذهبة (مسلم باب الحث علی الصدقة حدیث:۱۰۱۷)

(۲) فتذهب به حیث شاءت من المدینة،فما تدعه (مکارم الأخلاق للخرائفی باب ماجاء فی اصطناع المعروف حدیث:۱۱۱)

آپ ﷺ پابندی سے ان کے پاس تشریف لے جاتے اور بکریوں کا دودھ دوہتے ۔(۱)

حضرت عدی بن حاتم جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ بے تکلف ایک باندی نے آپ ﷺ کو روک لیا اور اپنی ضرورت سنائی اور آپ ﷺ نے اس کی ضرورت پوری فرمائی، حضرت عدی نے اس کیفیت کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ یہ کسی بادشاہ کا عمل نہیں ہوسکتا، یہ کسی نبی کا عمل ہوسکتا ہے ۔(۲)

خدمت خلق کی تاکید

عملی نمونہ پیش کرنے کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بھی صحابہ ؓ کو خدمتِ خلق اور انسانیت سے ہمدردی کی تاکید فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (۳) زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

۞ نیز فرمایا: "جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا" (۴)

۞ ایک موقع پر فرمایا : خدا کی مخلوق اس کا کنبہ ہے، خدا کو وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے، جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے ۔(۵)

۞ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا : ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے) نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے اور نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار ومددگار چھوڑے، اور جوکئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری

---

(۱) وکان رسول اللہ یتعاھدنا حتی نحلب لنا، کان یحلب فی بعضہ (مسند اسحاق بن راہویہ حدیث ۲۳۸۲)

(۲) یا عدی أتتہ قبل أن یسبقک إلیہ " (المعجم الاوسط من اسم محمد حدیث ۶۶۱۴)

(۳) ابوداؤد باب فی الرحمۃ حدیث ۴۹۴۱ :

(۴) من لا یرحم لا یرحم (بخاری باب رحمۃ الولد، حدیث: ۵۹۹۷)

(۵) "الخلق عیال اللہ، أحب العباد إلی اللہ أنفعھم لعیالہ" (شعب الایمان حدیث: ۷۰۴۵)

کرے گا"۔(۱)

❁ انسانوں میں جو کمزور طبقات ہیں ان پر آپ ﷺ نے خصوصی توجہ فرمائی اور ان کی حاجت روائی کی تلقین فرمائی، چنانچہ فرمایا : کسی بیوہ یا کسی مسکین حاجت مند کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے (راوی کہتے ہیں) میرا گمان ہے کہ یہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا اس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو عبادت میں سستی نہ کرتا ہو۔(۲)

❁ یتیموں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں۔ ۳

❁ مکہ مکرمہ سے جب صحابہؓ نے ہجرت فرمائی تو انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ بھی آپسی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کا مظہر تھا، نبی ﷺ کی زندگی میں قدم قدم پر خدمت خلق اور انسانیت سے ہمدردی کے نمونے ملتے ہیں، خدمتِ خلق کے ذریعہ ایک مسلمان داعی کی حیثیت سے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اسلام کے قریب کرسکتا ہے، اس لیے کہ خدمتِ خلق وہ مؤثر ہتھیار ہے جس سے بہ آسانی دلوں کو فتح کیا جاسکتا ہے، دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی قومیں اس ہتھیار کو بھرپور طریقہ پر استعمال کررہی ہیں اور لوگوں کو اپنے مذہب سے قریب کرنے میں کامیاب ہورہی ہیں، عیسائی مشنریز کی کامیابی کا یہی راز ہے، وہ علاج معالجہ، قرض کی ادائیگی میں تعاون اور تعلیم کے ذریعہ اپنے مقاصد کے لیے راہ ہموار کررہی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ پیغمبر انسانیت سے تعلق رکھنے والی امت آپ ﷺ کی سیرت کے اس گوشہ پر بھی توجہ دے اور خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ دعوتی راہ ہموار کرے۔

---

(۱) من ستر عن مسلم ستره الله يوم القيامة (بخاری باب لا يظلم المسلم المسلم حديث ۲۴۴۲)

(۲) الساعی علی الارملة كالمجاهد فی سبيل الله (بخاری باب فضل النفقة علی الأهل حديث ۵۳۵۳)

(۳) كان له بكل شعرة مرت عليها يده حسنات (مسند احمد حديث ابی امامة الباہلی حديث: ۲۲۱۵۳)

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

(سیرت رسول میں تعلیم کی اہمیت)

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے ”مولائے کل دانائے سبل اور ختم الرسل“ کا تعلیم کے حوالہ سے تعارف کراتے ہوئے مذکورہ بالا مصرعہ کہا ہے۔ شاید آپ کی سراپا علمی شخصیت کے تعارف کے لئے اس سے بہتر اور اس سے جامع تعبیر ممکن نہیں، آپ ﷺ امی لقب تھے، مگر آپ کا وجود الکتاب تھا، لوح وقلم کو آپ پر ناز تھا، آپ ﷺ کو کبھی آلات علم کی احتیاج نہ تھی لیکن آلات علم کو آپ ﷺ نے زینت بخشی، آپ کی آمد سے پہلے علم کی بزم سونی تھی، آپ ﷺ نے اپنی آمد سے اسے رونق عطا کی، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے اقطاع عالم میں جہالت کی تاریکیوں نے اپنا ڈیرا جمائے رکھا تھا معلم انسانیت کے ورود مسعود کے ساتھ جہل کے بادل چھٹ گئے، آفتاب علم ساری دنیا کو منور کرنے لگا، آپ ﷺ سے قبل انسانیت دور جاہلیت سے گذر رہی تھی، آپ ﷺ کی آمد کے ساتھ دنیا میں دور علم کا آغاز ہوا، فاران کی چوٹی سے طلوع ہونے والا آفتاب علم جب علم ومعرفت کی شعاعیں بکھیرنے لگا تو انسانیت کو جہل کی ظلمتوں سے چھٹکارا حاصل ہونے لگا، آپ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی معاشرہ ہر قسم کی اخلاقی وروحانی بیماریوں میں جکڑا ہوا تھا، ظلم وجبر عام تھا قتل وغارت گری عروج پر تھی، چوری ڈکیتی کمزوروں پر زیادتی کا معمول تھا، ناموس زن پر ہر وقت خطرات منڈلاتے رہتے تھے، حوا کی بیٹی کی چادر عصمت بار بار تار کی جاتی رہتی تھی، شراب نوشی، جوا، سٹہ زندگی کا لازمی حصہ بن چکا تھا، ان میں سے ہر برائی انسانیت کے لئے سوہان روح بن چکی تھی، جس سے پورے انسانی وجود ہی کو خطرہ لاحق ہورہا تھا، ایسے میں آپ ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کا آغاز جس لفظ سے ہوا وہ لفظ اقرا تھا گویا اشارہ دیا جارہا تھا کہ پڑھائی اور خواندگی سے محرومی ہی ان ساری اخلاقی بیماریوں کی جڑ ہے، نیز لفظ ”اقرأ“ سے پہلی وحی کا آغاز کر کے قیامت تک آنے والی انسانیت کو بتادیا گیا کہ عالم انسانی کو عطا کئے جانے والے پیغمبر دراصل پیغمبر علم واخلاق ہیں، اور ان پر نازل ہونے والی آخری کتاب کتاب علم ومعرفت ہے، جس

کا سب سے پہلا سبق تعلیم سے متعلق ہے، اور جس کی اولین آیتوں میں دو مرتبہ پڑھنے دو مرتبہ سکھانے اور ایک مرتبہ علم کے آلہ قلم کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی وحی کے نزول کے موقع پر سارے عرب شرک و بت پرستی کا شکار تھے، اس پس منظر میں اولین وحی کے لئے یہ موزوں تھا کہ اس میں خدائے واحد کی وحدانیت کی تاکید کی جاتی لیکن اس کے بجائے ''پڑھنے'' کی تاکید کر کے یہ اشارہ دیا گیا کہ ساری خرابیوں کی جڑ جہالت ہے، معلم انسانیت پر نازل ہونے والی کتاب میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کا تعارف یوں کرایا گیا کہ اللہ نے انہیں علم الاسماء عطا فرمایا، فرشتوں پر آدم علیہ السلام کا تفوق علم کے ذریعہ ثابت کیا گیا، اور جب فرشتے عاجز آگئے تو پھر آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا ہے، معلم انسانیت پر نازل کی گئی کتاب میں سات سو پچاس بار علم اور اس سے مشتق الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، یہی نہیں بلکہ لفظ علم کو قرآن میں دین کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا، یہ تاثر دینے کے لئے کہ مذہبِ اسلام سراسر علم ہے۔

پیغمبر علم و اخلاق پر نازل ہونے والی کتاب برملا اعلان کرتی ہے کہ عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح روشنی اور تاریکی برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح مردے اور زندے برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اصحاب علم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان والوں میں جو اصحاب علم ہیں ان کے عام مومنوں کے مقابلہ میں درجات بلند ہیں، قرآن مجید میں مختلف پیغمبروں کی دعائیں نقل کی گئیں ہیں، آخری پیغمبر معلم انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے جس دعا کی تلقین فرمائی وہ ''رب زدنی علما'' (۱) ہے اے میرے پروردگا میرے علم میں اضافہ فرما، معلم انسانیت ﷺ کی علم نوازی اور تعلیم سے آپ کے گہرے رشتہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے تعلیم کتاب و حکمت کو آپ کی بعثت کے اساسی مقاصد میں شمار کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

''ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاته ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة'' (۲)

وہی خدا ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں کتاب

---

(۱) طٰہٰ: ۱۱۴ (۲) الجمعہ ۲:

وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، خود نبی کریمؐ نے بھی حسن اخلاق کی تکمیل اور تعلیم کو اپنی بعثت کے بنیادی مقاصد قرار دیا، ارشاد فرمایا: ”انما بعثت معلما“ (۱)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ۔(۲)

نیز آپ ﷺ نے اپنے لئے ”مدینۃ العلم“ یعنی علم کا شہر کا لقب پسند فرمایا، چنانچہ فرمایا: ”انا مدینۃ العلم وعلی بابھا“ (۳)

میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، شہر علم کا لقب اپنے لئے موزوں سمجھنے والے پیغمبر کی نگاہوں میں تعلیم کی کس قدر اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس باب سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے بقدر ضرورت دینی تعلیم کو ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری قرار دیا، چنانچہ آپ کا ارشاد ”طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم“ (۴) زبان زد خاص وعام ہے، آپ نے علم کو روشنی قرار دیا۔

طلب علم کی فضلتیں

آپ نے حصولِ علم کی راہ طے کرنے والے طالب علم کے بارے میں فرمایا کہ فرشتے اس کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، خدا کی ساری مخلوق طالب علم کے لئے دعا کرتی ہے حتی کہ بلوں میں رہنے والے زہریلے جانور اور سمندر کی مچھلیاں تک اس کے لئے دعا کرتی ہیں ۔(۵)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو طالب علم حصول علم کے راستہ پر چلتا ہے وہ دراصل جنت کا راستہ

---

(۱) ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث ۲۲۹

(۲) انما بعثت معلما ولم ابعث متعنتا (السنن الکبری للبیہقی باب ما وجب من تغییر النساء حدیث ۱۳۲۶۷)

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی ، مجاھد عن ابن عباس حدیث ۱۱۰۶۱

(۴) ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث: ۲۲۴

(۵) حتی الحیتان فی الماء (ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث: ۲۲۲)

طے کر رہا ہے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔(۲)

نیز آپ نے فرمایا کہ کم علم اس کثیر عبادت سے بہتر ہے جو جہالت کے ساتھ ہو۔(۳)

آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا اے ابوذرؓ صبح ہوتے ہی تم اللہ کی کتاب سے ایک آیت سیکھ لو، اس سے بہتر ہے کہ تم ایک ہزار رکعتیں ادا کرو۔(۴)

حدیث کی بیشتر کتابوں میں علم سے متعلق پورے باب ملتے ہیں، مثلاً بخاری شریف کو لیجئے جس میں وحی اور ایمان کے ابواب کے بعد علم کا باب شروع ہو جاتا ہے، جس میں حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق ۸۶ / مرفوع حدیثیں ہیں اور صحابہ وتابعین کی ۲۲ / روایات ہیں، پیغمبر علم واخلاق نے روز اول سے حصول علم پر زور دیا آپ نے علم کو مومن کا گمشدہ خزانہ قرار دیا، گمشدہ دولت وہ ہوتی ہے جسے پانے کے لئے ہر آدمی ہر لمحہ بے قرار رہتا ہے اور اس کے لئے مستقل جدو جہد میں لگا رہتا ہے، کسی خاتون کا زیور کھو جائے تو دیکھئے وہ کس قدر بے چین ہو جاتی ہے، اور جب وہ مل جاتا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ یہی حال ایک مسلمان کا ہونا چاہئے۔

پہلی اسلامی درسگاہ

تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ کے لئے آپ نے دار ارقم میں تعلیم کا انتظام فرمایا جو کوئی مسلمان ہوتا وہ چپکے سے دار ارقم پہنچ جاتا اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلامی عقائد کی ضروری تعلیم لیتا، مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد ہجرت کرنے والے مہاجرین کے سینکڑوں مسائل حل کرنے کے بجائے آپ نے مرکز تعلیم مسجد نبوی کی تعمیر پر

---

(۱) سلک الله به طریقاً إلی الجنة (ابوداؤد باب الحث علی طلب العلم حدیث: ۳۶۴۱)

(۲) العلم افضل من العبادة (المعجم الکبیر طاؤس عن ابن عباس حدیث: ۱۰۹۶۹)

(۳) قلیل العلم خیر من کثیر العبادة (مجمع الزوائد باب فی فضل العلم حدیث ۲۷۷)

(۴) خیر لک من أن تصلی ألف رکعة (ابن ماجه باب فضل من تعلم القران حدیث ۲۰۹)

توجہ فرمائی اور مسجد سے لگ کر ایک چبوترہ بنایا گیا جس میں تعلیم کا بندوبست کیا گیا، پیغمبر علم واخلاق کی نگاہوں میں تعلیم کس قدر اہمیت رکھتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر میں قید کیئے گئے کفار کی رہائی کے لئے پہلا فدیہ مقرر کیا گیا کہ لکھنا پڑھنا جاننے والے قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، اگرچہ حقیقی علم وہ ہے جو بندے کو خدا کی معرفت عطا کرے لیکن آپ ﷺ نے انسانیت کے لئے مفید ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی فرمائی، آپ ﷺ نے صحابہؓ کو سریانی اور عبرانی زبانیں سیکھنے کی تلقین فرمائی، زید بن ثابت و دیگر صحابہ کرامؓ نے آپ کی ہدایت پر عبرانی زبان سیکھیں، آپ ﷺ نے فن طب سے متعلق اہم خطوط وضع فرمائے۔ جنگی معاملات میں ماہرین کی رائے کو اہمیت دی، ایک مرتبہ آپؐ حضراتِ صحابہؓ کے پاس تشریف لائے، صحابہ دو حلقوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک حلقہ ذکر میں مشغول تھا، دوسرا سیکھنے سکھانے میں مصروف تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، دونوں بھلائی پر ہیں، پھر آپ تعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے، آپ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ عہد رسالت اور اس کے بعد زمانوں میں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا، قرون اولیٰ میں علم کے ذرائع محدود تھے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ ان میں ترقی ہوتی گئی۔

خلافت عباسیہ میں علم کی اہمیت

عباسی خلیفہ مامون رشید نے ۲۱۵ء میں بیت الحکمۃ قائم کیا جو گویا علمی انجمن تھی، اس میں ایک رسد خانہ اور پبلک لائبریری تھی، اس کام کے لئے مامون نے دو لاکھ درہم خرچ کیئے، جو اس زمانہ کے اعتبار سے سات ملین سے زیادہ ہوتے ہیں اور مترجمین کا ایک ایسا گروہ ملازم رکھا جو مختلف زبانوں اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔(۱) اسی طرح مامون نے ابن طریق اور حجاج بن مطرح جیسے لوگوں کو جو مختلف زبانوں کے ماہر تھے، دوسرے ممالک اس لئے بھیجا کہ وہاں سے ہر فن کی علمی کتابیں مثلاً طب، فلسفہ، ریاضی کی تصانیف جو عبرانی، یونانی میں لکھی گئی تھیں، خرید خرید کر بغداد روانہ کریں، ان لوگوں نے بہت قیمتی کتابیں خرید کر بغداد روانہ کیا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان

---

(۱) تاریخ تمدن ۱۱/ ۱۴۷

کتابوں کو سو اونٹوں پر لادا گیا تھا۔(۱)

یورپین مصنفین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، ڈاکٹر گوسٹاولے لے لیبون لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں کتاب و لائبریری یورپ والوں کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی، اور تمام کلیساؤں میں راہبوں کے پاس سو سے زائد کتابیں نہ تھیں، اور وہ بھی مذہبی تھیں، اس وقت بھی اسلامی ممالک میں کافی سے زائد کتابیں اور لائبریری تھیں، خود بغداد کی لائبریری بیت الحکمۃ میں چار ملین اور قاہرہ کی لائبریری میں ایک ملین اور طرابلس کی لائبریری میں تین ملین کتابیں تھیں، اور تنہا اسپین میں سالانہ ستر اسی ہزار کتابیں اکھٹا کی جاتی تھیں۔(۲)

پیغمبر علم واخلاق کے تعلیمی انقلاب کا اثر تھا کہ دنیا سائنس ٹکنالوجی سے واقف ہوئی اور اہل یورپ نے اولین مسلم سائنسدانوں کی مبادیات پر سائنس وٹکنالوجی کی عمارت کھڑی کر دی، اس وقت سارا عالم جس علمی انقلاب کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے، وہ اسی الکتاب کی شان رکھنے والے پیغمبر کی دین ہے، اگر حرا سے علم کا یہ آفتاب طلوع نہ ہوتا تو آج دنیا سائنس وٹکنالوجی سے کوسوں دور ہوتی، نبی کے علمی انقلاب کا اثر تھا کہ مسلم اہل علم نے کتابوں کے انبار لگا دیئے۔ امام محمدؒ کی تالیفات ایک ہزار کے قریب ہیں، ابن جریر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین لاکھ اٹھاون ہزار اوراق لکھے، امام غزالیؒ نے ۷۸ کتابیں لکھیں، جس میں صرف یاقوت التاویل چالیس جلدوں میں ہے، ابن جوزی کے آخری غسل کے واسطے پانی گرم کرنے کے لئے وہ برادہ کافی ہوگیا تھا جو صرف حدیث لکھتے ہوئے ان کے قلم بنانے میں جمع ہوگیا تھا، مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا کی تصانیف میں الحاصل والمحصول ۲ / جلدوں میں، الانصاف ۲۰ / جلدوں میں، الشفاء ۱۸ / جلدوں میں ہیں، لسان العرب ۱۰ / جلدوں میں ہے، نویں صدی کے مشہور حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری ۱۴ / جلدوں میں، تہذیب التہذیب ۹ / جلدوں میں، الاصابہ ۵ / جلدوں میں اور لسان المیزان ۴ / جلدوں میں ہے۔

---

(۱) دائرۃ المعارف القرن العشرین

(۲) تاریخ اسلام وعرب ۳ / ۳۲۹

۷۰ ملین بچے علم سے محروم

مگر افسوس جس پیغمبر علم واخلاق اور معلم انسانیت ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم واخلاق کی بنیادوں پر کھڑا کیا تھا، آج وہ امت علم سے اپنا رشتہ توڑتی جارہی ہے، جب تک مسلمان علم کی تلاش میں سرگرداں رہے پوری دنیا میں سرفراز رہے، مسلمانوں نے مدتوں علم کی بستیاں بسائیں، اور مدتوں علم کی بستی کی حکومت ان کے ہاتھوں میں رہی، لیکن آج وہ دوسروں کی بسائی ہوئی بستیوں میں ان کے لب ولہجہ اور ان کے افکار ونظریات میں علم پڑھ رہے ہیں، آج پورے عالم میں مسلمان سب سے زیادہ پسماندہ قوم سمجھی جانے لگی ہے، اس وقت دنیا بھر میں ۷۰/ملین بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں، تعلیم واخلاق ہماری زندگی کے بنیادی عناصر ہیں، مسلمانوں میں تعلیم کا شعور پیدا کرنا اور عصری تعلیم کے اثرات بد سے ان کی حفاظت کرنا وقت کا تقاضہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے روشن ماضی سے عبرت حاصل کریں، وہ ہمارے آباء تھے جنھوں نے سائنسی علوم کی بنیاد ڈالی، جابر بن حیان نے کیمسٹری کے علم کے ابتداء کی، اور آٹھ صدیوں تک اس کی کتابیں دنیا کی ہر زبان میں پڑھائی جاتی رہیں، اس نے دھاتوں کے اجزائے ترکیبی بیان کئے، ابوعثمان جاحظ نے کتاب الحیوان لکھ کر بیالوجی کے مضمون کا آغاز کیا، موسیٰ خوارزمی نے ریاضی میں صفر کا آغاز کیا اور ایک سے نو تک ہندسوں کو علیحدہ ترتیب دیا، ابن فرناس ستاروں کی گردش کا ماہر تھا جس نے سب سے پہلے گھڑیال اور ROCHCRYSTAL ایجاد کئے، طب میں اسحاق بن حنین الجبرا میں الماہانی فلکیات میں، سنانی جغرافیہ میں الحمدانی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، المجوسی نے شریانیوں کا علم دریافت کیا اور پہلی دفعہ دندان کا علم دنیا تک پہنچایا، ابوالقاسم زہراوی نے سرجری کا آغاز کیا اور اس کے آلات بنائے، ابن الہیثم نے بصارت کے عمل کیمرہ اور کشش ثقل پر بحث کی جسے بعد میں نیوٹن کے کھاتے میں ڈال دیا گیا، الغرض ہمارے آباء کے علمی کارناموں کی طویل فہرست ہے ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنا ہے، تبھی ہم معلم انسانیت کے حقیقی امتی کہلائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں عالم میں سہارا

جہلاءِ عرب ایک بے سہارا قوم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کے دور کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے، اس وقت انسانیت کن حالات سے گذر رہی تھی، سیرت نگاروں نے بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور اس دور کی اخلاقی، سیاسی اور سماجی حالت کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک لکھنے کی غرض سے جب کوئی سیرت نگار قلم اٹھاتا ہے تو اس کے ذہن میں بعثت سے پہلے کے سارے واقعات گھوم جاتے ہیں، وہ پہلے دورِ جاہلی کی ایک ایک خرابی کو تفصیل سے ذکر کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ظلم وزیادتی قتل وغارت گری، فسق وفجور اور ہر طرح کی برائیوں کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ عام تھیں لیکن یہ دورِ جاہلیت کی صحیح تصویر نہیں ہے، بلکہ اس دور کی صحیح تصویر یہ ہے کہ اس وقت انسانیت بے سہارا تھی، سہارے سے محروم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے لیے سہارا بن کر آئے، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ انسانیت رسول کی آمد سے پہلے بوجھوں تلے دبی ہوئی اور بیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بوجھوں سے نجات دلائی اور جن بیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھی ان سے چھٹکارا دلایا، ارشادِ ربانی ہے: ”ویضع عنهم اصرهم والأغلال التی کانت علیهم“ (۱) (رسول) ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے انہیں دور کرتے ہیں“۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے اس عالم میں بھی سہارا ہیں اور عالم آخرت میں بھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیش کردہ نظامِ رحمت ہر طرح کی کامیابی کا ضامن ہے، اس میں ہر طرح کی انسانی مشکلات کا حل ہے، اس کے سہارے انسانیت تمام مصائب وآلام سے نجات پا سکتی ہے، جب

---

(۱) الأعراف: ۱۵۷

تک آپ ﷺ اس عالم آب وگل میں رہے سارے انسانی طبقات کے لیے سہارا بنے رہے اور ایک ایسا نظام چھوڑ گئے جو قیامت تک انسانیت کے لئے سہارے کا کام دے گا، اور جب اس دنیا سے چل بسے تو امت کو بے سہارا نہیں چھوڑا، بلکہ فرمایا: ترکت فیکم امرین لن تضلو ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ (۱) (میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کا طریقہ۔ اور جب امت عالم آخرت میں پہنچے گی تو وہاں بھی رسول ﷺ کے سہارے کی محتاج رہے گی۔

ہر مظلوم طبقے کا سہارا

انسانیت کا وہ کونسا طبقہ ہے جس کو آپ ﷺ نے سہارا نہ دیا، آپ کی بعثت سے قبل انسان کا شرف پامال ہو رہا تھا، انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل وقتال اور معمولی باتوں پر جان کے درپے ہونا ایک عام بات ہوگئی تھی، عظمتِ انسانی بری طرح پیروں تلے روندی جارہی تھی، انسان نما بھیڑیوں کا راج تھا، حضور ﷺ نے سب سے پہلے عرب کے خونخواروں کو مقامِ انسانیت سے آگاہ کیا اور انہیں انسان بن کر جینے کا سلیقہ سکھایا، پھر جو لوگ خدائے واحد کو چھوڑ کر بے سہارا اور در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے انہیں اللہ کا حقیقی سہارا عطا فرمایا اور انہیں یہ تعلیم دی کہ ایک اللہ کے سوا جس در کی بھی خاک چھانو گے بے یار ومددگار ہو گے، مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر (۲) آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے مختلف طبقاتِ انسانی کسی ایک کے لئے ترس رہے تھے، جو انہیں ظلم و بربریت کا شکار ہونے سے بچائے، آپ ﷺ نے ایسے ہر مظلوم طبقے کو سہارا دیا۔

اسلام سے قبل عورت کی کیا درگت تھی، وہ بے سہارا مردوں کے ظالم پنجوں میں سسک رہی تھی، اسکا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، لوگوں کو اس کے مستقل وجود میں تک شک تھا، سامان لذت سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے اس مظلوم صنف کو سہارا

---

(۱) مؤطا امام مالک النھی عن القول بالقدر حدیث: ۶۷۸ (۲) البقرہ: ۱۰۷

دیااور معاشرہ میں مرد کے مساوی اس کے حقوق متعین فرمائے، عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں مردوں کو سخت تاکید فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورتوں کے ساتھ بھلی نصیحت سے کام لو''۔ایک روایت میں فرمایا: ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے تم سب سے بہتر ہو''۔(۱) حجۃ الوداع کے موقعہ پر عورتوں کے حقوق بالتفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا : سن لو عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرو، ان کے پہنانے اور کھلانے میں تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے، ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو''(۲) ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اورمہذب ہوگا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہوگا''(۳) ماں کے قدموں کے نیچے جنت قرار دیا، دورِ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو عار سمجھا جاتا تھا اور ولادت کے ساتھ ہی اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا اور لڑکیوں کی پرورش کے بڑے فضائل بیان کئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں وہ ان کو پالے، پرورش کرے اور ان کی کفالت کرے اس کے لیے جنت واجب ہے، کسی نے عرض کیا : اگر کسی دو لڑکیاں ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا دو والے کے لیے بھی یہی بشارت ہے، پھر کسی نے کہا : اگر ایک لڑکی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : ایک لڑکی والے کے لیے بھی یہی بشارت ہے۔(۴)

غلاموں کا مولیٰ

غلاموں کا طبقہ ہر دور میں مظلوم رہا، بعثت سے قبل غلاموں کے ساتھ بڑا ناروا سلوک کیا جاتا تھا، بڑی بے رحمی کے ساتھ آقا ان سے کام لیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مظلوم طبقہ کو بھی مکمل

---

(۱) خیر کم خیر کم لاھلی (ترمذی باب فی فصل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیث :۳۸۵۹)

(۲) ابو داؤد باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیث :1905

(۳) اکملکم ایمانا احسنکم خلقا (مکارم الاخلاق باب الحث علی الاخلاق حدیث :۴۹)

(۴) قال: وواحدۃ (شعب الایمان حقوق الاولاد حدیث :۸۳۱۱)

سہارا دیا، سب سے پہلے تو ایسے قوانین مرتب فرمائے جن سے زیادہ سے زیادہ لوگ غلامی کے طوق سے آزاد ہوسکیں، چنانچہ بہت سے گناہوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی قرار دی، پھر غلاموں کے حقوق متعین فرمائے، ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمایا اور دوسروں کو اس کی تاکید کی، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو پہنتے ہو ان کو پہناؤ، ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو وہ نہ کرسکیں، آپ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ ﷺ ہمیشہ آزاد فرماتے، غلاموں کو غلام کا لفظ سن کر ذلت محسوس ہوتی تھی، آپ ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، اس لیے فرماتے کوئی میرا غلام، میری لونڈی کہہ کر نہ پکارے، میرا بچہ میری بچی کہے، آپ ﷺ کو غلاموں پر شفقت اس قدر ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں آپ نے سب سے آخری وصیت یہ فرمائی: ''غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا''۔(۱)

❁ حضرت ابوذر غفاریؓ بڑے صحابی ہیں، حضور ﷺ نے ان کی راست گوئی کی مدح فرمائی ہے، انہوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو بھلا کہا، غلام نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں اب تک جاہلیت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔(۲)

❁ ایک مرتبہ ابومسعودؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی: ابومسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔

❁ ابومسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضور ﷺ تھے، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے اللہ کے لیے اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش جہنم تم کو چھو لیتی۔(۳)

❁ ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصور کتنی

---

(۱) اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم (ابوداؤد باب فی حق المملوک حدیث ۵۱۵۶)

(۲) إنک امرأ فیک جاهلية (مسلم باب اطعام المملوک مما یأکل حدیث: ۱۶۶۱)

(۳) لمسک النار (مسلم باب صحبة الممالیک حدیث ۱۶۵۹)

مرتبہ معاف کروں؟ آپ ﷺ خاموشی رہے، تیسری بار پوچھنے پر فرمایا : ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔(۱)

۞ حضور ﷺ سے پہلے دنیا میں بیوہ عورتیں سماج میں بڑی کسمپرسی کی زندگی گذارتی تھیں، بیوہ عورتیں وارث کی ملکیت بن جاتی تھیں اور وہ اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرتا تھا، حضور ﷺ نے بیوہ عورتوں کو بھی سہارا دیا اور سماج میں انہیں عزت کا مقام عطا کیا، اس کے لیے آپ ﷺ نے آٹھ بیوہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لیا اور بیوہ عورتوں سے نکاح کو اپنی سنتِ عادیہ بنا دیا، بیوہ کی خدمت کو جہاد کے برابر قرار دیا، ایک حدیث میں فرمایا : میں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا کہ ایک عورت مجھ سے پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا کہ کون ہے؟ وہ کہے گی میں ایک بیوہ عورت ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔

یتیموں کا والی

۞ معاشرہ کا ایک بے بس طبقہ یتیموں کا ہوتا ہے، لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا، اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں تو اور برا حال تھا، حضور ﷺ نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا، اور انہیں اپنی اولاد جیسی محبت دی، ہمیشہ آپ ﷺ یتیموں پر ترس کھاتے تھے، یتیموں کیساتھ حسنِ سلوک کے کئی واقعات ہیں، ایک دفعہ ایک یتیم لڑکے نے حضور ﷺ کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا کہ یہ نخلستان میرا ہے، اس پر فلاں شخص قبضہ کرنا چاہتا ہے، حضور ﷺ نے لڑکے سے ثبوت طلب فرمایا : لڑکا ثبوت دینے سے قاصر رہا، آپ ﷺ نے اس کا دعویٰ خارج کردیا، اس فیصلہ پر یتیم رونے لگا، حضور ﷺ کو رحم آیا، اس سے کہا : تم یہ نخلستان اس بچہ کو دے دو، وہ شخص اس کے لیے تیار نہ ہوا حضرت ابودرداء صحابی موجود تھے انہوں نے کہا: کیا تم یہ نخلستان میرے باغ سے بدل سکتے ہو؟ وہ راضی ہوگیا اور حضرت ابودرداءؓ نے وہ نخلستان اس یتیم کو عطا کردیا، یتیموں کی دیکھ بھال کی آپ ﷺ نے سخت تاکید فرمائی، ایک جگہ فرمایا :

---

(۱)واعفوا عنه فی كل يوم سبعين مرة (ابوداؤد باب فی حق المملوك حديث:۵۱۶۴)

مسلمانوں میں سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں میں سب سے برا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔(۱)

بے کسوں کا سہارا

اسی طرح معاشرہ کے غریب اور کمزور افراد کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا خیال فرماتے، عموماً غریبوں کو کوئی قریب نہیں کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دعا فرماتے : خداوند مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر، حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! یہ کیوں؟ فرمایا : اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے، پھر فرمایا: اے عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے نزدیک کرو، خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا(۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مزاج میں تھوڑی سختی تھی، وہ اپنے کو غریبوں سے بالا تر سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا: تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے،(۳) حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ایک پورا مسافر قبیلہ حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی تھیں، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی تھیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد متأثر ہوئے، چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر گئے، باہر آئے، حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد کے لیے آمادہ

---

(۱) وشر بيت فى المسلمين بيت فيه يتيم يساء إليه (ابن ماجه باب حق اليتيم حديث ۳۶۷۹)

(۲)وقر بهم فإن الله يقربک يوم القيامة (ترمذی باب ماجاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنياءهم حديث ۲۳۵)

(۳)وهل ترزقون وتنصرون الا بضعفائكم (مسند احمد، مسند ابی اسحاق حدیث ۱۴۹۳)

کیا، جب کپڑوں اور اناج کا ڈھیر جمع ہو گیا تو آپ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا۔(۱)

ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمان اور بلالؓ کو جن کا شمار فقراء مہاجرین میں ہوتا ہے، ڈانٹا، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا؟ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

۞ ویسے بھی آپ ﷺ عام مسلمانوں کا ان مختلف ضروریات میں ساتھ دیتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے، اس میں امیر غریب چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہ فرماتے تھے، مدینے کی باندیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ ﷺ! میرا یہ کام ہے، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔(۲)

۞ خمدینے میں ایک پاگل لونڈی تھی، وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ میں تیرا کام کروں گا، چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اس کی ضرورت پوری کی۔(۳)

۞ ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر بولا: میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں پہلے اس کو کر دو، آپ ﷺ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔

۞ ابن ابی اوفیؓ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کرنے میں آپ کو عار نہ تھا۔(۴)

۞ حضرت خباب ایک جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے، ان کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتیں

---

(۱) حتی رأیت وجه رسول الله يتهلل كأنه مذهبة (مسلم باب الحث على الصدقة حديث ۱۰۱۷)

(۲) لمسک النار (مسلم باب صحبة المماليک حديث ۱۶۵۹)

(۳) مسلم باب صحبة المماليک حديث ۱۶۶۰

(۴) (مسلم باب صحبة المماليک حديث ۱۶۶۰)

دودھ دوہنا نہیں جانتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ خباب رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر جانوروں کو دوہتے۔(۱)

۞ یہ اس محبوب کبریا کا حال تھا جو قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کے الفاظ میں: یتیموں کا سہارا، بے آسروں کا آسرا، بے خانماؤں کا ماوی، چارہ گروں کا دردمند، غلاموں کا محسن، مسکینوں کا ساتھی، خاک ساری کا نمونہ اور رحمتِ ربانی کا پتلا تھا، جس نے خود غرضوں کو محبت کا قوی دردمند بنایا، جس نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا، جس نے اہل عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود وسود، راہ وفلاح، خیر وصلاح، عروج وارتقاء کے لیے بلا شائبہ غرض اور آمیزش طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا، کیا تاریخ انسانی کسی ایسے قائد کو پیش کر سکتی ہے، جو اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہو۔

سہارا امت کا آخری سہارا

بلا شبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مادی ومعنوی، ظاہری وباطنی ہر لحاظ سے نہ صرف امتِ مسلمہ کے لیے بلکہ ساری انسان دنیا میں بھی بے سہارا نہیں رہتا اور آخرت میں بھی، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان رہے اپنے طرز زندگی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ آپ بے سہاروں کا سہارا کیسے ہیں، جہاں تک آخرت میں سہارا کا سوال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی اخروی کامیابی کی فکر کس قدر لاحق رہتی تھی، اس کا اندازہ قرآن کی ان آیات سے لگایا جاسکتا ہے، جن میں امت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی اور بے چینی کا اظہار کیا گیا، سورۂ کہف میں ارشاد ہے: "فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا"(۲) لگتا ہے کہ آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں" اس مضمون کو کئی ایک جگہ بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی امت کی خاطر پریشان ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی مغفرت کے لئے رات بھر روتے گڑگڑاتے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے، اس سلسلہ میں احادیث میں کئی ایک واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

---

(۱)ولا یألف أن یمشی مع الأرملة (نسائی حدیث:۱۴۱۴)

(۲)الشعراء:۳

۞ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی، فرضوں کے بعد حضراتِ صحابہؓ نوافل میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر بعد تشریف لائے، اب وہ خیمہ خالی تھا جس میں نماز ادا کی جارہی تھی، آپ نے اس میں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، اتنے میں میں بھی آ گیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اشارہ کر کے اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا، پھر ابن مسعودؓ آ گئے، وہ بھی پہلے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، لیکن آپ ﷺ نے انہیں بھی اشارہ کر کے اپنے بائیں طرف کھڑا کر لیا، اب ہم تینوں الگ الگ اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے، اپنی اپنی نماز میں ہم قرآن بھی اپنی مرضی کے مطابق تلاوت کر رہے تھے، حضور ﷺ نے اس نماز میں ایک ہی آیت تمام رات تلاوت کی، صبح کو میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا: حضور! آپ نے ایک ہی آیت کی تلاوت میں ساری رات ختم کر دی، آپ ﷺ تو پورے قرآن پر حاوی ہیں، ہم میں سے اگر کوئی ایسی بات کرتا تو ہم پر آپ خفگی ظاہر فرماتے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ جواب ملا: اگر میں اسے ظاہر کر دوں تو اکثر نماز پڑھنا چھوڑ دیں، میں نے کہا: تو کیا میں لوگوں کو خوشخبری سنا دوں؟ میں چل پڑا، تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ حضرت عمرؓ آ گئے اور یہ سارا واقعہ سن کر انہوں نے کہا: اگر آپ یہ خبر لوگوں کے پاس بھیجیں تو وہ اس پر بھروسہ کر کے عبادت کو ترک کر دیں گے، وہ آیت یہ تھی: ”اِن تعذبھم فانھم عبادک واِن تغفرلھم ف اِنک انت العزیز الحکیم“ (اے اللہ اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف کر دیں تو آپ کی ذات غالب اور حکمت والی ہے“۔(۱)

۞ حضرت عمر بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا: الٰہی میری امت کا کیا ہوگا؟ یہ کہہ کر آپ نے رونا شروع کر دیا، خدا کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم ملا، جبرئیل جاؤ اور محمد سے پوچھو کیا بات ہے؟ خدا کو اگرچہ علم ہے لیکن جاؤ تم بھی پوچھ کر آؤ، جبرئیل علیہ السلام آئے اور سوال کیا: آپ نے فرمایا: میرا رب جانتا ہے کہ میں کیوں آہ وبکا کر رہا ہوں، جبرئیل! میں اپنی امت کے لیے رو رہا ہوں، حضرت جبرئیل علیہ السلام واپس آ گئے،

---

(۱) إنک ان تبعث الی الناس بھذا فکانوا عن العبادۃ (مسند احمد حدیث أبي ذر الغفاری حدیث ۲۱۴۹۵)

اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا : جاؤ اور محمد سے کہہ دو اے رسول! ہم آپ کو آپ کی امت کی طرف سے خوش کر دیں گے، اور آپ کو تکلیف پہنچنے نہیں دیں گے۔(۱)

ایک اور طویل حدیث میں حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضورﷺ گھر سے باہر نکلے، ہم نے سمجھا کہ آج حضورﷺ قطعاً باہر نہیں آئیں گے، پھر ایک دفعہ حضورﷺ کی روح قبض کر لی گئی، پھر آپﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا : مجھ سے میرے رب نے میری امت کے بارے میں مشورہ کیا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا : میں کیا چاہوں گا اے میرے رب! وہ آپ کی مخلوق ہیں اور آپ کے بندے ہیں، دوبارہ مجھ سے پوچھا، میں نے پھر وہی جواب دیا، پھر جواب میں فرمایا : اے محمد! میں تم کو تمہاری امت کے بارے میں رسوا نہ کروں گا، قیامت کے دن جب حشر برپا ہوگا تو اس وقت بھی لوگوں کو آپﷺ کے سہارے کی ضرورت ہوگی، لوگ پریشان ہوں گے مختلف انبیاء کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں، لیکن ہر نبی کہے گا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں، پھر سب حضورﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور حضورﷺ سے دریافت کریں گے، حضورﷺ فرمائیں گے: میں یہ کام کروں گا، حضورﷺ سجدہ میں گر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا، محمد! سر اٹھاؤ اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، حضور اپنی امت کی سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، سفارش کے بعد ہی حساب وکتاب کا آغاز ہوگا، شفاعت کی تفصیلی احادیث کتب حدیث میں مذکور ہیں(۲) یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ہے، مختصر یہ کہ انسانیت دنیا وآخرت دونوں عالموں میں آپﷺ کے سہارے کی محتاج ہے، آج انسانیت در در کی ٹھوکر اسی لیے کھا رہی ہے کہ آسمانی ہدایت اور ربانی رہنمائی سے دور بے سہارا ہے جب تک اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو دامن نبیﷺ سے وابستہ نہیں کرلے گی دنیا میں تباہی اسی طرح دندناتی رہے گی۔

---

(۱)انا نرضیک فی امتک ولانسوءک (مسلم باب دعاء النبی حدیث ۲۰۲)

(۲)یا محمد ارفع رأسک سل تعطه (ترمذی باب ماجاء فی الشفاعۃ حدیث ۲۴۳۴)

بے کسوں کی دستگیری اور اسوۂ رسولِ رحمت

مظلوموں کا مسیحا

لاکھوں درود وسلام ہو اس نبی رحمت پر جو اس دنیا میں بے کسوں، مجبوروں اور مظلوموں کا مسیحا بن کر آئے اور جن کی آمد نے انسانیت کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی اور ظلم وجور کے ایوانوں میں زلزلے آئے، آپ کی آمد سے پہلے کمزوروں اور معاشرہ کے خستہ حال افراد کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا، طاقتوروں کا راج تھا کمزور مزید کمزور ہوتے جارہے تھے، مظلوم ظلم کی چکی تلے خوب پسے جارہے تھے، معاشرہ کے سارے کمزور طبقات موت وحیات کی کشمکش سے دو چار تھے، خواتین کی حالت زار ناقابل بیان تھی، ان سے حق زندگی بھی چھین لیا جارہا تھا شیر خوار بچیاں زندہ درگور کی جارہی تھیں، خاندان کے بوڑھوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، یتیموں کے ساتھ ان کے سرپرست انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو دھتکارا جاتا تھا، ایسی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں فاران کی چوٹیوں سے وہ آفتاب عالم طلوع ہوا جس کی ضیاء پاشیوں سے ہر انسانی طبقہ مستفید ہوا، ظلم وجبر کی تاریکیاں چھٹ گئیں،

آپ نے اعلان فرمایا: ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (۱) تم اہلِ زمین پر رحم کرو آسمان والا (خدا) تم پر رحم کرے گا، نیز آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا ''اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا'' اتنا ہی نہیں آپ نے اس شخص کو بدبخت قرار دیا کہ جس سے رحمت چھین لی جائے، آپ میں غریبوں سے الفت اور خلق خدا سے شفقت ورحمت اس قدر رچ بس گئی تھی کہ خدا نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں فرمایا :لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتیم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم'' (۲) تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری پریشانیاں ان پر گراں گذرتی ہے وہ تمہارے خیر خواہ ہیں اور رحم کرنے والے ہیں، آپ

---

(۱) ترمذی باب ماجاء فی رحمة المسلمین حدیث ۱۹۲۴ (۲) التوبہ ۱۲۸

کو مسکینوں سے اس قدر محبت تھی کہ اکثر یوں دعا فرماتے "اللّٰھم احیینی مسکینا و توفنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین" (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی میں موت دے اور میرا حشر مساکین کے ساتھ فرما، حضرت عائشہؓ نے جب اس کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے عائشہ! تو مسکین کو کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ دے مگر اسے خالی ہاتھ واپس نہ لوٹا، اے عائشہؓ مسکینوں سے محبت کرتی رہا کر اور انہیں اپنے قریب کر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے قریب رکھے گا۔(۱)

۞ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا تم مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، تمہیں اپنے ضعفاء کی بدولت روزی دی جاتی ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔(۲)

۞ آپ کی نگاہ میں غرباء اور معاشرہ کے کمزور افراد کی بے پناہ قدر تھی ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ایک صاحب سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، ان صاحب نے کہا یہ معزز لوگوں میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر وہ نکاح کا پیغام دے تو اسے قبول کیا جائے اور سفارش کرے تو قبول کی جائے، سرکار دو عالم ﷺ خاموش رہے، کچھ دیر بعد ایک غریب آدمی کا گذر ہوا تو اس کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو وہ کہنے لگے یہ ایک فقیر مسلمان ہے جس سے کوئی نہ نکاح کرے گا اور نہ کوئی اس کی سفارش مانے گا اور نہ کوئی اس کی بات سنے گا، اس پر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا یہ ایک ان جیسوں سے بھری دنیا سے بہتر ہے۔(۳)

۞ آپ ہمیشہ غرباء کو اپنے ساتھ رکھتے تھے قریش کے لوگ غریبوں کے ساتھ آپ کے غیر معمولی رویہ کو دیکھ کر ناراض ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے اللہ نے انہی پر احسان کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد میں داخل

---

(۱) وقربهم فان الله يقربك يوم القيام (ترمذی باب أن فقراء المهاجرين حديث ۲۳۵۲)

(۲) أبغونی فی ضعفاءكم (ترمذی باب ماجاء فی الخ حديث: ۱۷۰۹)

(۳) هذا خير من ملء الأرض مثل هذا (بخاری باب فضل الفقر حديث: ۶۴۴۷)

ہوئے اور فقراء کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے انہیں جنت کی بشارت سنائی تو خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ منظر دیکھ کر افسوس ہوا کہ میں اس میں نہ تھا۔(۱)

۞ آپ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کوئی مسکین کو ذلیل کرے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کسی مسکین کو ذلیل کرتے دیکھا تو ان سے کہا کہ جو نیکی اور مدد ان کو حاصل ہوگی وہ انہی فقراء کا نتیجہ ہوگی اور وہ ان مساکین کے ممنون ہوں گے۔(۲)

ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک

بے کس اور تنگ حال لوگوں میں ایک طبقہ یتیموں کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، اور اپنی امت کو یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرماتے تھے، ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا: ”انا و کافل الیتیم کھاتین“(۳) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اتنے قریب ہوں گے جیسی یہ دو انگلیاں ہیں۔

۞ خادموں اور ملازمین کے ساتھ بھی حد درجہ شفقت فرماتے تھے، حضرت معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ہم بنی مقرن کے پاس ایک ہی خادمہ تھی جس کو ہم میں سے کسی نے مارا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا اسے آزاد کردو لوگوں نے بتایا کہ ان کے پاس صرف وہی خادمہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک کام ہے اس سے کام لیں ورنہ اسے آزاد کردیں۔(۴)

۞ حضرت ابومسعود سے روایت ہے کہ میں نے کوڑوں سے اپنے غلام کو مارا تو پیچھے سے

---

(۱)فلقد رأيت ألوانهم اسفرت (سنن الدارمي باب فى نفس الخ حديث:۳۰۵۳)

(۲)هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم (بخاري باب من استعان بالضعفاء حديث:۲۸۹۶)

(۳)بخاري باب فضل من يعول يتيما حديث ۶۰۰۵

(۴)فليستخدموها فاذا استغنوا عنها فليخلوا سبيلها (مسلم باب صحبة المماليك حديث ۱۶۵۸)

ایک آواز سنی، مڑ کر دیکھا تو رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابو مسعود! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر تمہارے غلام سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔(۱)

غلاموں کی بارے میں حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے پاس غلام بھائی ہو جو کھائے اس کو کھلائے اور جو پہنے اس کو پہنائے، اور اس کی سکت سے زیادہ اس سے کام نہ لے، اور اگر لے تو اس کی مدد کرے۔(۲)

۞ معاشرہ کا ایک بے بس طبقہ بوڑھوں اور عمر رسیدہ افراد کا ہے، آپ نے ان کے تعلق سے احترام اور اکرام کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جو بڑوں کا احترام ملحوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں (۳) ایک روایت میں ہے کہ جو بڑی عمر والوں کے حقوق کو نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں۔(۴)

۞ بیوہ خواتین کی بھی آپ خبر گیری فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت سراقہ بن جعشمؓ سے فرمایا کہ کیا تم کو بتلاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی اس بیٹی کا خیال رکھو جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور تمہارے علاوہ کوئی اس کی نگہداشت کرنے والا نہ ہو۔(۵)

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی نگہداشت کرنے والا (ان کے کام کرنے والا) ایسا ہے جیسے اللہ کے راستہ میں کوئی جہاد کرنا یا ایسا شخص جو دن کے روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔(۶)

۞ الغرض بے کسوں بے بسوں اور خستہ حالوں کی دستگیری رسول اللہ ﷺ کا وصف خاص تھا

---

(۱) اللہ اقدر علیک منک علیہ (مسلم باب صحبۃ الممالیک حدیث: ۱۶۵۹)

(۲) فلیطعمه مما یأکل ولیلبسه مما یلبس (بخاری باب قول النبی العبید اخوانکم حدیث ۲۵۴۵)

(۳) لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (الأدب باب فضل الکبر المفرد حدیث :۳۵۸)

(۴) لیس منا من لم یعرف حق کبیرنا وترحم صغیرنا (الآدب المفرد باب فضل الکبیر حدیث ۳۵۵)

(۵) فلیستخدموها فاذا استغنوا عنها فلیخلوا سبیلها (مسلم باب صحبۃ الممالیک حدیث ۱۶۵۸)

(۶) وکاالذی یصوم النهار ویقوم اللیل (الأدب المفرد باب فضل من یعول یتیماً له حدیث ۱۳۱)

یہی وجہ ہے کہ جب پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ اپنے گھر آئے اور اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا : واللہ لا یخزیک اللہ ابدا اِنک لتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا اسلئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کمزوروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، بے کسوں کی دستگیری کرنے والے نبی کی امت کو بھی دنیا بھر کے ضعیفوں کمزوروں اور معاشرے کے کچلے ہوئے طبقات کی دستگیری کے لئے آگے بڑھنا چاہئے، ایسے عظیم المرتبت نبی سے نسبت رکھنے والے ہم مسلمان کا حال اس قدر گیا گذرا ہوگیا کہ پڑوسی کی تک خبر نہیں لیتے افراد خاندان میں بے شمار لوگ ہمارے تعاون کے محتاج ہیں لیکن ہم کبھی ان سے ہمدردی کے دو بول تک نہیں بولتے، آج ہمیں اپنے رسول کو اسوہ بنانے کی ضرورت ہے۔ الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

دعوتِ حق اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دورِ حاضر میں امت مسلمہ جن حالات سے گذر رہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، ہر طلوع ہونے والا سورج ایک نئے فتنہ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، آئے دن نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے، مشکلات ومسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی ہے، اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ اس قدر جڑ پکڑ چکا ہے کہ مسلم سماج کی بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ گئی ہیں، مفاد پرستی، ہوس رانی، تعصب اور بغض ونفاق کے مرض نے ملت مرحومہ کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے، دنیا کے

جن جن خطوں میں مسلمان رہتے ہیں، انہیں مسائل کا سامنا ہے، ایک طرف مسلم اقلیتوں کی مشکلات ہیں اور دوسری جانب عالم اسلامی کی غیر یقینی صورت حال ہے، ان سب سے بڑھ کر خود ہمارے اندرونی مسائل کی نوعیت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ایسے نازک حالات میں امت مسلمہ کے لئے صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اس مقدس ہستی کی سیرت کی طرف رجوع کریں، جس کو خالق کائنات نے ساری انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اور ایک ایسے وقت میں جب کہ انسانی بدبختی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھی، اور قریب تھا کہ خودکشی کر بیٹھے، محمد عربی ﷺ نے اس کی مسیحائی کی اور اس کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا، دورِ جاہلیت میں وہ کونسا مسئلہ تھا، جو انسانیت کا ناسور نہ بنا تھا، مگر ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں اس عظیم المرتبت ہستی نے جو عظیم انقلاب برپا کئے، تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ محمد عربی ﷺ نے ربانی ہدایات اور اپنی سیرت کی روشنی میں جس کا حل نہ بتایا ہو، آج ایک بار پھر انسانیت دوِ جاہلیت کی طرف جارہی ہے، جس کو جاہلیت جدیدہ کا نام دیا جاسکتا ہے، جاہلی اطوار نیا لبادہ اوڑھ کر سامنے آرہے ہیں، دورِ جاہلیت کی وہ کونسی سماجی، اخلاقی یا اجتماعی برائی ہے، جس کی ترقی یافتہ شکل آج کے معاشرے میں نہیں پائی جاتی، ایسے محمد عربی ﷺ کی سیرت سے عملی استفادہ ہی ہمیں سارے مسائل سے نجات دلا سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت ساری انسانیت کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے، جس سے مسلمان بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرسکتے ہیں، آپ کی سیرت دراصل ۲۳ / سالہ زندگی کی طویل جدوجہد، دعوتی واصلاحی تجربہ، تنظیمی صلاحیت، فہم وفراست اور عظیم قائدانہ کردار کا ایک حسین مرقع ہے، اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، شان توکل کا عروج بھی ہے اور احوال وظروف کا صحیح ادراک بھی، سپاہیانہ جفاکشی اور تزک واحتشام بھی ہے، اور راہبانہ زہد وسادگی بھی ہے، جلوت کا سوز وگداز بھی اور خلوت کے روح پرور مناظر بھی، اپنوں کے ایثار قربانی کے لازوال نقوش بھی ہیں اور دشمنوں کی عداوت کی تیز وتند آندھیاں بھی، عشق ومحبت کے والہانہ جذبات بھی ہیں اور بغض ونفاق کی دہکتی آگ بھی، مشکلات

ومصائب کے طوفان بھی ہیں اور فتوحات وکامرانی کی شادکامیاں بھی، غرضیکہ پوری سیرت ایک مسلسل حرکت سراپا انقلاب، عمل پیہم، عزم جواں، جوش رواں، امنگوں اور ولولوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ شومیٔ قسمت ہے کہ وہ سیرت کے اس عظیم ذخیرہ سے کماحقہ استفادہ نہیں کرتے، سیرت نبوی ﷺ کے زندہ جاوید واقعات، عزم وحوصلہ سے بھرپور حالات اوران سے ملنے والے حیات آفریں پیغام، کیاامت مسلمہ کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی نہیں؟۔

۞ رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی داعیانہ جہدو جہد سے عبارت ہے، اعلان نبوت کے بعد سے وصال شریف تک کا عرصہ آپ کی دعوت کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتا ہے، آپ کو ہمیشہ مخلوق خدا کو دوزخ کی راہ سے ہٹا کر جنت کی طرف لے آنے کی فکر رہتی تھی، اسی تڑپ اور بے چینی کو دیکھ کر پروردگار عالم آپ سے یوں مخاطب ہوا ''لگتا ہے کہ اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے'' (۱) قرآن مجید میں آپ کو بار بار تسلی دی گئی کہ آپ ان کی حالت پر رنجیدہ نہ ہوں، چنانچہ ایک جگہ فرمایا'' آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ کی مدد سے ہوگا، اوران پر غم نہ کھایئے اوران کی سازشوں سے تنگ مت ہو جایئے'' (۲)

حضور ﷺ دعوت دین کی اس ذمہ داری کے سلسلے میں اس قدر متفکر رہتے تھے کہ آپ کے مصاحبین نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا'' آپ کا کوئی لمحہ دعوتی فکر سے خالی نہ ہوتا، جب قرآن کریم کی یہ آیت کہ'' جو حکم تمہیں ملا ہے وہ لوگوں کو سنادو اور مشرکوں کی کوئی پرواہ نہ کرو'' نازل ہوئی تو آپ نے مکہ کے مخالفانہ ماحول میں بلاخوف وخطر کفار مکہ کو دین کی دعوت دی، مکہ کی بت پرستانہ فضا میں کھلے عام توحید کا پیغام دینا کچھ آسان نہ تھا، آپ نے یہ نہیں سوچا کہ مخالفین کیا کچھ کرگذریں گے، بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر توحید کا اعلان کیا، سورۂ شعراء میں جب آپ کو یہ حکم ملا کہ'' اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں'' تو آپ نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ اپنے رشتہ داروں کو کھانے پر مدعو کیا اور آخر میں ان سے فرمایا'' جو دین تمہارے لئے لے کر آیا ہوں، اس میں تمہاری

---

(۱) سورۂ کہف: ۶ (۲) ولاتک فی ضیق مما یمکرون (سورہ نحل: ۱۲۷)

دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے، لہٰذا میری بات مانو اور اللہ کے دین کو قبول کرو اور میرا ساتھ دو"۔(۱)

دعوت حق کے باب میں نبی کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، دعوت آپ کی سیرت کا ایک ایسا وصف امتیازی ہے جو پوری ۲۳ سالہ زندگی پر حاوی ہے۔

(۱)"فاسلموا تسلموا "(المعجم الکبیر للطبرانی عبداللہ، حدیث ۶۴۱۹)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حسنِ اعتدال کی جھلکیاں

اس حسین وجمیل کائنات کو وجود بخشنے والے پروردگار نے اسے جن اصولوں پر قائم فرمایا ہے، ان میں ایک اہم ترین اصول ”توازن واعتدال“ ہے، زمین وآسمان کی شکل میں پائی جانے والی دنیا اگر عالم اکبر ہے تو حضرت انسان کا وجود عالم اصغر ہے، اور یہ دونوں عالم خداوند قدوس کے حسن اعتدال کے مظہر ہیں، اعتدال کا ربانی اصول ”آفاق“ میں بھی کارفرما ہے، اور ”انفس“ میں بھی ، اور یہی وہ اعتدال ہے جس کے بغیر نہ آفاق قائم رہ سکتے ہیں، اور نہ انفس، زمین ہو کہ آسمان، سورج ہو کہ چاند، سمندر ہوں کہ پہاڑ، حیوانات ہوں کہ نباتات، سب کو اللہ نے اعتدال کے ساتھ بنایا ہے۔ وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا(۱) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ اندازہ رکھا۔

عالم اکبر کا حیرت انگیز منظر

ذرا زمین پر غور تو کیجئے، حیرت انگیز توازن نظر آئے گا۔ زمین فضا میں لٹکی ہوئی گیند کی طرح ہے جو فی گھنٹہ ایک ہزار میل کے حساب سے گھوم رہی ہے، اور ۲۴/ گھنٹے میں وہ اپنا ایک چکر پورا کرلیتی ہے، اور اگر اس کی فی گھنٹہ رفتار ایک ہزار میل کے بجائے دو سو میل ہو جائے تو ہمارے دن رات دس گنا بڑھ جائیں گے۔ اتنا ہی نہیں سورج کی گرمی سے ساری ہریالی جل کر بھسم ہو جائے گی، اور راتوں کی ٹھنڈک سے سارے درختوں اور سبزیوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس طرح زمین اس وقت جتنی بڑی ہے، اگر اس سے دوگنی ہو جائے تو اس کی قوت کشش میں دوگنا اضافہ ہو جائے گا اور ہوا جو اس وقت زمین سے پانچ سو میل کی بلندی پر ہے، کھینچ کر بہت نیچے آجاتی ، زمین اور سورج کے درمیان کا فاصلہ بھی اندازہ مقرر کرنے والے رب کے اعتدال کا مظہر ہے، اس پر تھوڑی بھی کمی بیشی زمین کو وجود کو خطرہ سے دوچار کردینے کے لئے کافی ہے، زمین سے

---

(۱) الفرقان:۲۱

سورج کا فاصلہ قریب نو کروڑ تیس لاکھ میل کا ہے، اس پر سورج کی گرمی بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ ہے، یہ ایک حیرت انگیز توازن ہے، زمین سے سورج کا یہ فاصلہ تھوڑا کم یا زیادہ ہو جائے تو زمین کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

زمین کے اوپر کی فضا دراصل چھ گیسوں کے مجموعہ کا نام ہے، جس میں ۷۸ فیصد نائٹروجن ۲۱ فیصد آکسیجن اور دیگر گیسیں محدود مقدار میں ہیں، یہ خدائے غالب کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے، اگر گیسوں کے اس تناسب میں کمی بیشی ہو جائے تو حضرت انسان کیلئے سانس لینا مشکل ہو جائے۔

زمین ۲۳ درج کا زاویہ بنائی ہوئی فضا میں جھکی ہوئی ہے، یہی وہ جھکاؤ ہے جو ہر وقت موسموں کی آمد کا سبب بنتا ہے، اور اس کے سبب زمین کا بیشتر حصہ آبادی اور پیداوار کے لائق ہے، اگر زمین میں یہ مناسب جھکاؤ نہ ہو تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھا جائے، سمندر کے بخارات شمال وجنوب کی طرف چلے جائیں، پھر زمین یا تو برف کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائے، یا پوری طرح بنجر اور صحراء ہو جائے۔

عالم اصغر کا تعجب خیز منظر

یہ تو عالم اکبر (کائنات) کی بات تھی، اب عالم اصغر (حضرت انسان) کی طرف آئیے، یہاں بھی پیدا کرنے والے پروردگار کا حد درجہ اعتدال نظر آئے گا۔ سر سے لے کر پیر تک پورے انسانی وجود میں ایک انتہائی معتدل نظام کارفرما ہے، دماغ کو لیجئے، جس میں ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں، ان خانوں سے انتہائی باریک تار نکل کر پورے بدن میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ باریک تار فی گھنٹہ ستر ہزار میل کی رفتار سے پیغام بھیجتے اور وصول کرتے ہیں، اسی طرح زبان میں تین ہزار ذائقہ خانے ہیں جن میں سے ہر ایک خانہ ایک باریک ریشے کے توسط سے دماغ سے جڑا ہوا ہے، جن سے انسان ہر قسم کے ذائقوں کو محسوس کرتا ہے، کان میں ایک لاکھ سننے والے خانے ہیں، اور آنکھ میں ایک سو تیس ملین receptoblight ہیں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، اس کی تصویر دماغ کو ترسیل کرتے ہیں، خدائے بزرگ و برتر نے آفاق انفس کے سارے نظام کو اعتدال پر قائم رکھا ہے۔ کائنات کا کوئی نظام اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں ہے۔ ہر جگہ توازن و اعتدال کا ظہور ہے، اور

اس پر کائنات ارض وسما کی بقاء ہے، اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ اقتباس نہایت چشم کشا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

وجود کیا ہے؟ حکیم کیا بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے، اگر اس کی اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود معدوم ہو جائے، جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے، اگر اس کا کوئی ایک جز بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئت ختم ہوگئی، حسن وجمال کیا ہے؟ تناسب واعتدال کی ایک کیفیت ہے، اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو پھول ہے، عمارت میں ہے تو تاج محل ہے، نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب واعتدال اگر ایک سر بھی بے میل ہوا، نغمے کی کیفیت جاتی رہی، پھر یہ کچھ اشیاء واجسام ہی پر موقوف نہیں کارخانۂ ہستی کا تمام نظام ہی عدل وتوازن پر قائم ہے، اگر ایک لمحہ کے لئے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے نظام کو اعتدال کی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم فرمایا ہے، اسی طرح انسانیت کی کامیابی کے ضامن دین اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو بھی اعتدال سے متصف فرمایا ہے اور پیغمبر اسلام کی سیرت اور آپ کے اسوہ کو ایسی معتدل ومتوازن سیرت بنایا کہ اس کا ہر گوشہ توازن واعتدال کا عظیم شاہکار ہے۔ آپ کی سیرت وتعلیمات میں جس حیرت انگیز قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے، وہ ایک اولوالعزم پیغمبر ہی کی شان ہو سکتی ہے، دیگر انسانوں میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

بے اعتدالی کے نقصانات

جس طرح غذا اور دوا میں بے اعتدالی آدمی کے جسم کو ہلاکت وتباہی کے دہانے پر پہونچا دیتی ہے، اسی طرح دین میں بے اعتدالی اور عدم توازن کے ساتھ آدمی دیر تک اپنے معمول پر قائم نہیں رہ سکتا، بے اعتدالی انسان استقامت سے محروم ہو جاتا ہے، اس سے اس کے دوست واحباب اور عزیز واقارب بھی متنفر ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ عموماً محبت ونفرت میں حد

اعتدال سے تجاوز کرنے کے سبب شدید گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں، پچھلی قوموں کی گمراہی کا ایک سبب ان کی بے اعتدالی تھی، بعضوں نے تعظیم میں غلو کیا، تو بعضوں نے نبیوں کو خدا بنا ڈالا۔ اس لئے نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کو دین میں غلو کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے۔

دین کے معاملہ میں افراط وغلو سے بچتے رہو، تم سے پہلی امتوں کو اس افراط وغلو نے ہلاک کیا۔ (۱)

بقول مولانا آزاد کے:

''دنیا میں جس وقت سے نوع انسانی آباد ہوئی ہے، ہمیشہ گمراہی کے یہی دو بھیس رہے ہیں، یا افراط بغض لوگوں کو گمراہ کیا یا افراط محبت نے، لیکن اہل حق صراط مستقیم ان دونوں سے الگ ہے''۔ (۲)

اسوۂ رسول اعتدال کا شاہکار

دین اسلام چونکہ آخری دین ہے، اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں، اس دین کے بعد کوئی دین ہے اور نہ ہی آخری رسول کے بعد کوئی نبی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کے اسوہ کو اور شریعت اسلام کو صفت اعتدال سے متصف فرمایا، سیرت رسول کے مختلف گوشوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے کسی بھی موقع پر اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ محبت ہو کہ نفرت، عقائد ہوں کہ عبادات، معیشت ہو کہ معاشرت، سیاسی امور ہوں کہ سماجی معاملات، غیروں سے روابط ہوں کہ اپنوں سے تعلقات، زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال سے سرمو انحراف نہیں کیا، نہ صرف یہ کہ خود جادہ اعتدال پر قائم رہے بلکہ حضرات صحابہ کرام کی ہر وقت نگرانی فرماتے رہے کہ کہیں افراط وتفریط کا شکار نہ ہو جائیں، جہاں کہیں بے اعتدالی کے آثار نظر آئے، فوراً اس کی بیخ کنی فرمائی، سطور ذیل میں سیرت وتعلیمات رسول میں اعتدال کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اعتدال سیرت رسول کا ایک ایسا امتیاز ہے جو حیات رسول کے ہر گوشہ میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔

---

(۱) وایاکم والغلو فی الدین (مسند احمد مسند عبداللہ بن عباس ۱۸۵۱) (۲) تذکرہ: ۵۷

احادیث میں لفظِ اعتدال

ذخیرہ احادیث میں اعتدال اور اس سے مشتق الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، بالخصوص نماز کے باب میں اس کا خوب استعمال ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ "اعتدلوا فی السجود وفی الرکوع"(۱) سجود اور رکوع میں معتدل رہو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یوں ہے "اعتدلوا فی الصلوۃ"(۲) ابوداؤد میں ہے "تراصوا و اعتدلوا"(۳) صفوں میں جم کر اعتدال ملحوظ رکھو، سنن ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "اذا سجد احدکم فلیعتدل"(۴) کوئی سجدہ میں جائے تو اعتدال ضروری ہے، ابن ماجہ کی روایت میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"لم یزل آمر بنی اسرائیل معتدلا حتی نشأ فیھم المولدون"(۵) بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر ہی تھا، یہاں تک کہ اس میں ایک نئی نسل پیدا ہوگئی، بطورِ نمونہ صرف چند احادیث کا نمونہ دیا گیا ہے، اس قسم کی ساری احادیث کا احاطہ مقصود نہیں۔

روحانیت و مادیت میں اعتدال

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک جسم دوسری روح، ان دونوں میں سے ہر ایک کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جسم کو مادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ روح، روحانی غذا کی متقاضی ہے، ان دونوں کی اپنی اہمیت ہے، تعلیمات رسول ﷺ میں ان دونوں کے درمیان حسین اعتدال کو برقرار رکھا گیا ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے پر غالب

---

(۱) بخاری باب لایفترش ذراعیه فی السجود حدیث ۸۲۲

(۲) مسند احمد مسند انس بن مالک حدیث ۱۳۸۹۷

(۳) مسند احمد، مسند انس بن مالک حدیث ۱۲۲۵۵

(۴) ترمذی باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود حدیث ۲۷۵

(۵) ابن ماجه باب اجتناب الرأی والقیاس :۵۶۱

کرنا بے اعتدالی کہلاتی ہے اور انسان صرف جسم کے تقاضوں کی تکمیل میں لگ جائے تو وہ جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے جس کی "اولئک کالانعام بل ہم اضل" سے تصویر کشی کی گئی ہے، اسی طرح جسم کو بالکلیہ نظرانداز کر دینے سے وہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے، جس سے دنیوی زندگی مشکل ہو جاتی ہے، عبادت انسان کے روحانی تضاضوں کی تکمیل کرتی ہے جبکہ مادی ضروریات سے جسمانی تقاضے پورے ہوتے ہیں، جسمانی تقاضوں کو نظرانداز کر کے صرف روحانی تقاضوں میں لگے رہنے والے بھی اعتدال سے ہٹے ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے چند صحابہؓ میں بے اعتدالی کو محسوس کیا تو فوری طور پر ان کی اصلاح فرمائی۔ کتب حدیث میں ان تین صحابہ کا ذکر ہے، جنہوں نے ازواج مطہرات سے نبی ﷺ کے رات کے معمولات معلوم کئے اور انہیں کم سمجھا اور یہ خیال کیا کہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں، آپ کے لئے اتنی مقدار کافی ہے، ہم گناہ گار ہیں، ہمیں بہت زیادہ عبادت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک نے رات بھر نہ سونے اور تہجد میں گذارنے کا ارادہ کرلیا۔ دوسرے نے عورتوں سے کنارہ کش رہنے اور نکاح نہ کرنے کا عہد کیا جبکہ تیسرے نے بغیر وقفہ کے مسلسل روزہ رکھنے کا تہیہ کرلیا جب اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں مگر اس کے باوجود میں اپنی فطری ضرورتیں بھی پوری کرتا ہوں، رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، اور ترک بھی کرتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، اور یہی میرا طریقہ ہے، اور جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔(۱) آپ نے ان صحابہ کو تاکید فرمائی کہ تم پر تمہارے نفس کا حق ہے تمہارے اہل وعیال کا بھی حق ہے۔

عبادات میں اعتدال

عبادت انسانی زندگی کا مقصد اور اس کا اہم شعبہ ہے، قرآن وحدیث اور سیرت رسول میں نماز روزہ، زکوۃ حج اور دیگر عبادات کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ عبادات میں فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل وسنن کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ اکثر

---

(۱) فإنی أنام وأفطر وأصوم وأصلی (مجمع الزوائد باب حق المرأۃ علی الزوج حدیث ۷۶۱۰)

بے اعتدالی عبادت کے راستے سے آتی ہے،اس لئے آپ ہمیشہ صحابہ کے معمولات پر نظر رکھا کرتے تھے اور نفل عبادت میں ایسی عبادت سے منع فرماتے تھے جس سے دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلل واقع ہوسکتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بعض صحابہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھاتے ہیں،تو آپ نے فرمایا،یہ عبادت کا نشہ اور اس کی شدت ہے، ہر نشہ میں ایک شدت ہوتی ہے، اور ہر شدت میں ایک بہاؤ ہے، جب بہاؤ میانہ روی میں رہے تو وہ بہت ٹھیک ہے، اور اگر گناہوں کی طرف اس کا رخ ہوجائے تو وہی ہلاکت و بربادی ہے ۔(۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی رحمت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک رسی دوستونوں کے درمیان بندھی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ رسی کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المؤمنین حضرت زینب کی رسی ہے، جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں،تاکہ سستی دور ہوجائے۔نبی رحمت ﷺ نے فرمایا اسے کھول دو، پھر فرمایا تم میں سے ہر کسی کو چاہئے کہ وہ اس وقت تک (نفل) نماز پڑھے جب تک سرور وانبساط ،فرحت وشادمانی محسوس کرے، سستی محسوس کرے تو سوجائے۔(۲)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آجائے تو اسے سوجانا چاہئے،تا آنکہ اس کی نیند ختم ہوجائے، اس لئے کہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو اسے احساس نہیں ہوگا کہ وہ اپنے لئے مغفرت مانگ رہا ہے یا بددعا کررہا ہے۔(۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے خاتون کے متعلق دریافت فرمایا،حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ یہ فلاں خاتون ہے، جس کی کثرت سے نماز پڑھنے کا لوگوں میں چرچا ہے، آپ نے فرمایا بس کروتم

---

(۱)ومن كان فترته الى غير ذلك فقد هلك (مسند احمد اول مسند عبداللہ بن عمر حدیث ۶۴۷۸)

(۲)ليصل احدكم نشاطه فاذافتر فليقعد (بخاری باب حدیث ۱۱۵۰)

(۳)إذا صلى وهو ناعس لايدرى لعله يستغفر فيسب نفسه (بخاری باب الوضوء من النوم حدیث ۲۱۲)

لوگ ایسے عمل کو لازم پکڑو، جس کی طاقت رکھتے ہو، قسم خدا کی اللہ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود ہی اکتا جاؤ۔(۱)

عبادات میں اعتدال کے تعلق سے نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات میں کچھ بنیادی اصول ہیں جن کو ملحوظ رکھنے سے ہر قسم کی بے اعتدالی سے بچا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ کے بعد نوافل میں کثرت اس حد تک ہو کہ انسان کے دیگر مادی وجسمانی تقاضوں پر ظلم نہ ہو، اور حقوق العباد کی ادائیگی متأثر نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ جو بہت زیادہ نفل عبادت کا اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ نے ان کی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا:

"ان لجسدک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا"(۲)

یعنی تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی حق ہے۔

اسی طرح عبادات میں اعتدال کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اجر وثواب کے دائرہ کو عبادت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ شریعت اسلامی کی رو سے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اجر وثواب سے خالی نہیں، زندگی کی وہ بہت سی مشغولیات جنہیں آدمی دنیوی مصروفیات سمجھتا ہے، نیت کے استحضار سے سراسر ثواب بن جاتی ہیں، ایک مسلمان کو کھانے، پینے، سونے جاگنے، تجارت ومعیشت حتی کہ قضائے حاجت پر ثواب ملتا ہے، جب وہ یہ سارے کام سنت نبوی کے مطابق انجام دیتا ہے، حضرت معاذ بن جبل ؓ نے یمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے تیرے سونے میں بھی اس طرح ثواب کی امید ہے جس طرح قیام لیل اور تہجد میں ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱)فواللہ لایمل اللہ حتی تملوا (بخاری باب أحب الدین إلی اللہ أدومه، حدیث ۴۳)

(۲)البخاری باب حق الجسم فی الصوم حدیث: ۱۹۷۵

(۳)فاحتسب نومتی کما احتسب قومتی (بخاری حدیث ۴۳۴۱)

آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ بیوی کے منھ میں محبت سے ایک لقمہ رکھنا بھی ثواب ہے، بلکہ بیوی سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرنا بھی ثواب ہے، صحابہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ ایک شخص بیوی سے اپنی خواہش کی تکمیل کرتا ہے تو کیوں ثواب کا مستحق ٹھہراتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ شخص ناجائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو گنہ گار نہیں ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا ہاں کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا اسی طرح اگر وہ جائز طریقے سے خواہش پوری کرے، اجروثواب کا مستحق ہوگا۔(۱)

عبادات میں اعتدال کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اسلام ہر عبادت میں دوام وثبات کا تقاضہ کرتا ہے، اور یہ اعتدال کے بغیر ممکن نہیں جو لوگ جوش میں ڈھیر سارے نوافل کا آغاز کر دیتے ہیں، وہ کچھ ہی دنوں بعد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں، نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "احب الاعمال إلی اللّٰہ ادومھا وان قل" (۲)

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوام کے ساتھ کیا جائے، اگر چہ کہ کمیت کے اعتبار سے کم ہی کیوں نہ ہو، نفل عبادات جب تک دائرۂ اعتدال میں نہ ہوں گی ان پر دوام ممکن نہیں، اسی اصول کی بنیاد پر نبی رحمت ﷺ کثرت عبادات کے خواہشمند صحابہ پر روک لگایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ بڑے عبادت گذار صحابی تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کرو، انھوں نے کہا فرمایا کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی قوت پاتا ہوں، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، ہر تین دن میں ایک روزہ رکھ لیا کرو، اس پر انھوں نے فرمایا میرے اندر اس سے زیادہ کی استطاعت ہے، آپ نے فرمایا ایک ناغہ کرو، ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔(۳)

تلاوت قرآن کے تعلق سے آپ نے انہیں اسی طرح کی رہنمائی فرمائی، اعتدال اس لئے

---

(۱)فکذلک إذا وضعها فی الحلال کان له اجراً (مسلم حدیث ۱۰۰۶)

(۲) بخاری باب القصد والمداومة علی العمل حدیث:۶۴۶۵

(۳)وصیام یوم وافطار یوم (بخاری باب فی کم یقرأ القران حدیث ۵۰۵۲)

بھی ضروری ہے کہ آدمی کا مزاج ہر وقت ایک طرح نہیں ہوتا، کبھی خوف وخشیت کا غلبہ ہوتا ہے، تو اس پر کثرت عبادت کا غلبہ ہوتا ہے، اور جب اس کیفیت میں کمی آتی ہے تو اس سے کوتاہی ہوسکتی ہے۔ایسے میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اتنی مقدار اپنائی جائے جس پر ہر حال میں دوام ممکن ہو۔

دین و دنیا میں اعتدال

پچھلی قوموں کی گمراہی میں جس چیز نے بنیادی کردار ادا کیا تھا، وہ دین و دنیا کے متعلق ان کی غیر معتدلانہ فکر تھی، انہوں نے دین و دنیا کو دو متضاد میدان تصور کر لیا جنہیں ایک ساتھ لے چلنا ممکن نہیں، ان کے یہاں دین کا مطلب ترک دنیا اور رہبانیت تھا، لیکن سلام ہو نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انہوں نے اپنی مبارک تعلیمات اور پاکیزہ اسوہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان حسین اعتدال قائم فرمایا۔آپ نے دونوں کو ایک دوسرے کے لئے معاون قرار دیا۔ دین و دنیا کے درمیان حسین تناسب وتوازن کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے جس میں آپ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا۔ ”الدنیا مزرعۃ الآخرۃ“(۱)

دنیا کا آخرت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو کھیت کا پیداوار کے ساتھ ہے، کھیت کے بغیر پیداوار نہیں ہوسکتی ،اور اگر پیداوار نہ ہو تو کھیت بے مصرف ہو جاتا ہے، احادیث مبارکہ کی روشنی میں دنیا دار العمل ہے، اور آخرت دار الجزاء۔مذہب انسان کو ترکِ دنیا کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ دنیا کو جہد وعمل کا میدان بناتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھریلو زندگی دین و دنیا میں حسن اعتدال کا اعلیٰ نمونہ تھی، ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو اس طرح گھل مل جاتے کہ جیسے ہم سب ایک ہیں، الگ تھلگ ہو کر نہیں بیٹھتے تھے، گھریلو مسائل میں پوری دلچسپی لیتے تھے، اہل خانہ کی خوشی وغم میں شریک رہتے تھے حتی کہ بعض کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے لیکن جوں ہی اذان ہوتی، تو آپ اس طرح ہم سے الگ ہوتے جیسے ہم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، آپ نے اپنے صحابہ کو بھی اسی اعتدال کی تعلیم دی تھی، چنانچہ صحابہ بھی اپنے ساتھیوں میں کوئی بے اعتدالی

---

(۱) المقاصد الحسنۃ حرف الدال حدیث ۴۹۷: دار الکتاب العربی بیروت

دیکھتے تو اس کی اصلاح فرماتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ، اور حضرت ابو درداءؓ میں بھائی چارہ کرادیا تھا۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابو درداءؓ کے گھر پہنچے دیکھا کہ ان کی بیوی ام درداء پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھی، پوچھا بہن! تم نے ایسا حال کیوں بنا رکھا ہے؟ کہنے لگیں، تمہارے بھائی ابو درداءؓ کو اس دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں۔(مین بناؤ سنگار کیوں کروں) اتنے میں حضرت ابو درداءؓ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ نے انہیں کھانا پیش کیا۔انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں، نہیں کھاسکتا، حضرت سلمانؓ نے کہا تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کھانا کھالیا، جب رات ہوئی، تو ابو درداءؓ نماز کے لئے تیار کھڑے تھے، سلمانؓ نے کہا ابھی نہیں جاؤ سو جاؤ، کچھ دیر میں وہ دوبارہ نماز کی تیار کرنے لگے، حضرت سلمانؓ نے کہا جاؤ سو رہو وہ سو گئے، جب فجر کا وقت ہوا، تو دونوں نے نماز پڑھی اس کے بعد سلمانؓ اپنے منہ بولے بھائی سے کہا، تم پر اپنے نفس کا حق ہے، اپنے پروردگار کا حق ہے، اپنے مہمان کا حق ہے، اپنے اہل وعیال کا حق ہے، ہر حقدار کو اس کا حق دیتے رہو، پھر دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا سلمان نے ٹھیک کیا۔(۱)

محبت ونفرت میں اعتدال

محبت ونفرت انسان پر طاری ہونے والے دو ایسے حالات ہیں جن میں اکثر لوگ جادہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں، اول تو محبت ونفرت کی بنیاد ذاتی مفاد کے بجائے ذات خدا ورسول ہونا چاہئے، جو اللہ کے یہاں محبوب ہوں، وہ ہمارے نزدیک محبوب ہیں، اور جو خدا کے یہاں مبغوض ہوں، وہ ہمارے لئے ناپسندیدہ ہیں۔عام حالات میں کسی سے بھی محبت ونفرت کا مسئلہ درپیش ہو، اس میں حد اعتدال سے نہیں نکلنا چاہئے، اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، دوست سے محبت اعتدال کی حد میں رکھو، کسی دن وہ تمہارا دشمن بن سکتا ہے، اسی طرح دشمن سے نفرت میں حد سے آگے نہ بڑھو، کبھی وہ تمہارا دوست بن سکتا ہے۔(۲) علاوہ ازیں اولاد سے

---

(۱) فقال لہ: صدق سلیمان (ترمذی باب، حدیث ۲۱۴۳)

(۲) باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض حدیث ۱۹۹۷

محبت میں بھی اعتدال ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ اہل وعیال کی محبت میں آدمی ان کے ناجائز خواہشات کی تکمیل کرنے لگے۔رسول اللہ ﷺ ازواجِ مطہرات سے بے پناہ محبت کرتے تھے، لیکن کوئی خلاف شرع بات پیش آتی تو فوراً تنبیہ فرماتے، اور ناگواری کا اظہار فرماتے، ایک مرتبہ کسی زوجہ نے دوسرے کے حق میں کوئی بات کہی، آپ نے فرمایا تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے، حضرات صحابہؓ کے ساتھ بے پناہ محبت کے باوجود غلطیوں پر فوراً گرفت فرماتے تھے، کتب سیرت میں اسکے بے شمار نمونے ملتے ہیں، حضرت اسامہؓ نے ایک خاتون کی چوری کے معاملہ میں حضور ﷺ سے سفارش کی، تو آپ سخت ناراض ہو گئے، فرمایا :اسامہ! تم اللہ کی ایک حد کے نفاذ کے مسئلے میں سفارش کرنے آئے ہو، خدا کی قسم فاطمہ بنت محمد سے چوری کا جرم صادر ہو جائے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، (۱) حضرت اسامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی چہیتے تھے لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی، کمسن پیارے نواسوں کی تربیت میں بھی دریغ نہیں کرتے تھے، حضرت حسن یا حسین شیر خوار بچے نے گھر میں پڑی زکوۃ کی کھجور کو منھ میں ڈال لیا، حضور ﷺ نے فوراً کہا حسین! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم اہل بیت کے لئے زکوۃ وصدقات کا مال جائز نہیں۔(۲) اتنا ہی نہیں آپ نے خود اپنے ساتھ محبت وعقیدت میں غلو کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم فانی انا عبده ولکن قولوا عبدالله ورسوله۔(۳)

تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

معاملات اور لین دین میں اعتدال

قرض اور لین دین کے معاملات میں بھی آپ نے اعتدال کی تعلیم دی۔ایک طرف آپ نے

---

(۱) لو کانت فاطمة بنت محمد لقطعت یدها (سنن النسائی: ما یکون حرزا و مالا یکون حدیث:۴۸۹۱)

(۲) أما شعرت انا لا نأکل الصدقة (بخاری باب ما یذکر الصدقة حدیث:۱۴۹۱)

(۳) بخاری باب قول الله واذکر فی الکتاب مریم حدیث:۳۴۴۵

لوگوں میں ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ ابھارا، اور محتاجوں کو قرض دینے کی ترغیب دی، دوسری طرف خود آپ کا یہ عمل تھا کہ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے: "اللھم انی اعوذبک من الماثم ومن المعزم" (۱)

اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں، قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا، ایک طرف قرض خواہ کو یہ تعلیم دی کہ اگر قرض خواہ تنگ دست ہے تو اسے مہلت دیا کرو، دوسری طرف خوشحال لوگوں کو قرض کی فوری ادائیگی کی تلقین فرمائی، اور فرمایا کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔(۲) ایک دن بدو آیا جس کے کچھ کچے کھجور حضور ﷺ کے ذمے تھے، اس نے بدویانہ انداز میں نہایت سختی سے گفتگو کی، صحابہ نے اس گفتگو پر اس کو ڈانٹا اور کہا تجھے خبر ہے کہ کس سے کلام کر رہا ہے، بولا میں اپنا قرض مانگ رہا ہوں، نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، پھر صحابہ کرام کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور زیادہ دلوایا۔(۳)

---

(۱) اثبات عذاب القبر للبیھقی باب استعاذۃ النبی ﷺ دار الفرقان عمان ۱۲۰/۱

(۲) "مطل الغنی ظلم" (بخاری باب الحوالۃ حدیث ۲۲۸۷)

(۳) بخاری باب الوکالۃ فی قضاء الدیون حدیث: ۲۳۰۶

پانچواں باب

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عصری مسائل

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عصری مسائل کا حل

دورِ حاضر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے، مواصلات کی حیرت انگیز ترقی نے ساری دنیا کو گلوبل ولیج میں تبدیل کر دیا ہے، انٹرنیٹ کی ایجاد نے معلومات کے انبار لگا دیئے ہیں، علم وسائنس کے بڑھتے قدموں نے وسائل زندگی میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا ہے، ہر قسم کے سامان آرائش کی فراوانی ہے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، دورِ حاضر کی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وسائل کی بہتات کے باوجود موجودہ دور کا انسان مسائل میں گھرا ہوا ہے، اس وقت ساری انسانیت انتہائی پیچیدہ قسم کے مسائل میں گرفتار ہے، مغربی ممالک ہوں کہ مشرقی دنیا، ترقی یافتہ علاقے ہوں کہ پسماندہ ممالک ساری انسانی آبادی الجھنوں کا شکار ہے، عالمگیر نوعیت کے مسائل کا سامنا ساری دنیا کو ہے، اور ایسا بھی نہیں کہ ان مسائل کے حل کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ دنیا بھر کے دانشور اور بے پناہ دماغی صلاحیتوں کے حامل مفکر اور صفِ اول کے مدبر بار بار سر جوڑ بیٹھتے ہیں اور مسائل حل کرنے کے لیے عالمی کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے، اور بعض مسائل ایسے ہیں جن کے حل کے لیے اقوام متحدہ کی نگرانی میں باقاعدہ بیٹھکیں ہوتی ہیں، مگر نشستند وخوردند وبرخاستند کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

انسانیت کو لاحق مسائل کا حل وہی ذات کر سکتی ہے جو انسانوں کی خالق ہے جس پروردگار نے انسان کی شکل میں حیرت انگیز مشین بنایا ہے وہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس مشین کو کیا کمزوریاں لاحق ہو سکتی ہیں اور اس میں آنے والی خرابیوں کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے چنانچہ اس خالق کائنات نے جہاں حضرت انسان کو پیدا فرمایا وہیں اس کے مسائل کے حل کے لیے حضرات انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج کر قیامت تک پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کے حل کا سامان فراہم فرمایا، اس وقت انسانیت جتنے مسائل سے دوچار ہے اس کا حل صرف اور صرف سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعلیمات اسلام میں ہے۔

انسان عدم تحفظ کا شکار

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ جس سے دنیا کے سارے ممالک دوچار ہیں، تحفظ وسلامتی اور انسانی حقوق کی حفاظت کا ہے، دنیا کے ہر خطہ میں انسان عدم تحفظ کا شکار ہے، انسانی خون ارزاں سے ارزاں ہوتا جارہا ہے، گزشتہ صدی میں دنیا دو عظیم جنگیوں کا سامنا کر چکی ہے، جن میں لاکھوں انسان مارے گئے ان دو جنگوں کے باوجود حالات میں تبدیلی نہ آسکی، اب دنیا کی صورتِ حال یہ ہے کہ دھماکے روز کا معمول بن چکے ہیں، کسی دن کے اخبارات دھماکوں کی خبروں سے خالی نہیں ہوتے، اور ایک دھماکے میں سیکڑوں لوگ ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوتے ہیں اور لاکھوں کی املاک تباہ ہوتی ہے، عراق میں دس لاکھ سے زائد شہری مارے گئے، افغانستان میں تباہی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، بوسینا کی قیامتِ صغریٰ اب تک ذہنوں سے محو نہیں ہوئی، جہاں کی اجتماعی قبروں سے اب تک نعشیں برآمد ہو رہی ہیں جن ممالک کو اپنے سیکوریٹی نظام پر نازاں ہے وہاں بھی انسانی جان کو خطرات لاحق ہیں امریکہ جیسے سپر پاور ملک میں اچانک فائرنگ کے واقعات معمول بن چکے ہیں، اسکولوں میں دن دھاڑے فائرنگ ہوتی ہے، شاپنگ مالوں میں دھماکے ہوتے ہیں، الغرض پوری دنیا بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے، سلامتی و تحفظ کے مسئلہ پر ہر ملک انتہائی حساس ہے، سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے نت نئے مہلک ہتھیار تیار کئے جارہے ہیں، ہر ملک اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاع پر خرچ کر رہا ہے، اس سب کے باوجود کہیں انسانوں کو تحفظ حاصل نہیں، سیرت رسول ﷺ اس کا حل بتاتی ہے، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ عام تھی، معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی اور چالیس چالیس برس تک جاری رہتی تھی، مختلف قبائل میں آپسی رسہ کشی عروج پر تھی ایسے نازک حالات میں رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ ایسا انقلاب برپا کردیا کہ خونخوار انسان امن وسلامتی کے علمبردار بن گئے، ایک دوسرے کی جان کی درپے رہنے والے ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے والے بن گئے، عورتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہوگیا، آپ ﷺ نے انسانی جان کی عظمت بڑھادی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صاف اعلان کیا کہ تمہارا خون تمہارا مال ایک دوسرے کے لیے حرام ہے جس طرح یہ دن یہ شہر

قابل احترام ہے، جرائم کے انسداد اور جان ومال کے تحفظ کے لیے آپ نے لوگوں میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام اوران کی ادائیگی کی فکر پیدا کی، اور آخرت میں جوابدہی کا احساس پیدا کیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ میں ہر شخص خوف خدا سے سرشار ہوتا تھا، دوسروں پر ظلم تو دور رہا کسی کے بارے میں معمولی بات کہنا بھی ان کے لیے گراں گزرتا تھا،فکر آخرت اور مرنے کے بعد کی زندگی میں ہونے والے حساب وکتاب کے یقین کے بغیر انسانی حقوق کا تحفظ ممکن نہیں اور نہ ہی زندگی میں ہونے والے حساب وکتاب کے یقین کے بغیر حقوق انسانی کا تحفظ ممکن نہیں اور نہ ہی انسانی جانوں کے اتلاف کا یہ لامتناہی سلسلہ ختم ہوسکتا ہے،احساس جوابدہی اور آخرت کی سزا کے ڈر کے ساتھ جرائم اور قتل وغارت گری کے سد باب کے لیے آپ نے حدود وقصاص اور تعزیرات کا مؤثر نظام قائم فرمایا، قاتل کی سزا قصاص اور چور کے لیے قطع ید شراب نوشی پر اسی کوڑے اور شادی شدہ کے زنا میں مبتلا ہونے اور گواہوں کے ذریعہ ثابت ہونے پر سنگساری کی سزا مقرر فرمائی،موجودہ مغربی دنیا ان سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ ایک قاتل پر حد جاری کرنا ہزاروں افراد کے تحفظ کا ضامن ہے، چنانچہ حدود وقصاص کا یہ نظام جن مسلم مسلکوں میں رائج ہے وہاں قتل وجرائم کے واقعات کی شرح انتہائی کم ہے۔

عالمی غربت کا حل

دوسرا عالمی مسئلہ جس سے پوری دنیا دوچار ہے وہ غربت اور بھکمری ہے، آج کی مہذب دنیا میں جہاں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی سے اسباب زندگی اور وسائل کی آرائش کی بہتات ہے، مختلف ملکوں میں لاکھوں افراد نانِ شبینہ کے محتاج ہیں افریقی ملکوں میں لاکھوں باشندے ایسے ہیں جنہیں بھوک کی شدت نے ہڈی کے ڈھانچوں میں تبدیل کر دیا ہے، فاقہ کے سبب ہر سال لاکھوں افراد بلک بلک کر جان دے رہے ہیں خود ہمارے ملک میں بھی خط افلاس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی شرح چالیس فیصد سے زائد ہے،لاکھوں ہندوستانیوں کو ایک وقت کا صحیح کھانا نصیب نہیں حتیٰ کہ پینے کا پانی تک میسر نہیں، سیرت رسول میں اس کا علاج موجود ہے،آپ نے زکوۃ کا نظام قائم فرمایا اس سے ہٹ کر غریب رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ضرورت مند انسانوں

کی حاجت برآری کی تلقین فرمائی، یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اگر صحیح معنی میں سارے صاحب نصاب مسلمان اپنے مالوں کی زکوۃ نکالنے لگیں تو امت مسلمہ کا کوئی فرد بھوکا نہیں رہے گا، نبی کی ان تعلیمات کو اگر دنیا کے سارے انسان اپنالیں تو غربت کے خاتمہ میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

معاشی بحران کا حل

ایک اور عالمی مسئلہ جس نے عالمی قائدین کی نیند حرام کر دی ہے معاشی بحران کا ہے، معاشی بحران اس وقت سارے یورپ اور امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، امریکہ کے بیسوں بینکوں کا دیوالیہ ہو چکا ہے، بیسیوں کمپنیاں ٹھپ پڑ چکی ہیں، مہنگائی زور افزوں ہے عام اشیاء کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگی ہیں، سیرت رسول ﷺ اور قرآنی تعلیمات میں اس مسئلہ کا شافی علاج ہے، موجودہ معاشی بحران دراصل سودی نظام معیشت کی دین ہے، اسلام بلاسودی نظام معیشت پیش کرتا ہے، سودی نظام پر مبنی بینکاری فیل ہو چکی ہے، خود مغرب کے صفِ اول کے ماہرین معاشیات اس کا اعتراف کر چکے ہیں اور خود مغربی حلقوں سے بلاسودی بینکنگ سسٹم کے لئے آواز بلند ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، چنانچہ سود پر مبنی معیشت اپنا بوریہ بستر لپیٹ رہی ہے، اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے، کہ انسانیت نبی رحمت کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور آپ کے لائے ہوئے نظام معیشت کو رواج دے۔

نسل پرستی، کرپشن اور خاندانی نظام کا حل

موجودہ دور کی ایک لعنت جو عالمگیر شکل اختیار کر چکی ہے وہ ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کی لعنت ہے، نسلی امتیاز اور قومیت و علاقائیت کے تعصبات انتہاء کو پہنچ چکے ہیں، یورپ اور امریکہ جیسے حقوق انسانی کے دعویدار ملکوں میں کالے گوروں میں امتیاز عام ہے، گورے کالوں سے اس درجہ نفرت کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کھانے میں تک عار خیال کرتے ہیں، چنانچہ گوروں کی ہوٹلوں میں کالوں کا داخلہ ممنوع ہے، نبی ﷺ نے سرے سے اس کا

خاتمہ کر دیا، آپ نے بتایا کہ انسانوں کے درمیان رنگ ونسل اور قومیت کی بنیاد پر تفریق دراصل انسانیت کے ساتھ ظلم ہے، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں سب برابر کے حقوق رکھتے ہیں، انسانوں میں اگر کوئی فرق کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اخلاق و کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، آپ نے ایک ہی جھنڈے تلے صہیب رومی کو بھی لایا اور سلمان فارسی کو بھی، بلال حبشی کو عربوں کا سردار بنایا، نسلی امتیاز اور علاقائی عصبیت کی لعنت سے نجات سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ممکن ہے۔

موجودہ دور کا ایک عالمی مسئلہ بدعنوانی اور کرپشن کا ہے، اس وقت پوری دنیا اس لعنت میں گرفتار ہے کرپشن سارے نظام کو کھلا کر رہا ہے، ہمارا ملک تو بدعنوان ملکوں میں سرفہرست سمجھا جاتا ہے، جہاں بدعنوانی سیاسی زندگی کا جزو لاینفک سمجھی جارہی ہے، آئے دن اسکیمس منظر عام پر آرہے ہیں ۲۰۱۰ء تو حکومت کے لیے اسکنڈل کا سال رہا، 2G اسپکٹرم اسکیم سوسائٹی اسکیم کامن ویلتھ گیمز اسکیم، پتہ نہیں کن کن ناموں کے اسکیم سامنے آئے، بدعنوانی قوانین سے ختم نہیں کی جاسکتی اس کے لیے جب تک سیاست دانوں میں احساس جوابدہی نہ پیدا ہو، بدعنوانی کا خاتمہ ممکن نہیں۔

اسی طرح آج کا ایک اہم مسئلہ خاندانی نظام کا بکھراؤ اور معاشرتی زندگی کا عدم استحکام ہے جو اس وقت مغربی معاشروں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا رہا ہے، اسلامی تعلیمات کے بغیر مستحکم خاندانی نظام ممکن نہیں، مغربی معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے ہیں، شادیوں کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے، ۵۰ فیصد سے زائد نوجوان لڑکیاں کنواری مائیں بن رہی ہیں، بیشتر شادیوں کا انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے، مغربی ممالک کے بچے باپ کی شفقت سے محروم ہیں، ماں باپ اولاد پر کنٹرول کھوتے جارہے ہیں، کامیاب خاندانی اور عائلی زندگی صرف اسلام اور سیرتِ رسول پیش کرتی ہے، مغرب اگر اپنی بقا چاہتا ہے تو اسے معاشرتی زندگی کی نبوی تعلیمات کو اپنانا ہوگا، اسلام خاندان کے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا ایک مکمل اور مربوط نظام رکھتا ہے اور عورت اور مرد میں سے ہر ایک کا دائرہ متعین کرتا ہے بہترین خاندان کی تشکیل کے لیے عورتوں پر گھریلو تربیت کی ذمہ داری ڈالتا ہے۔

مغربی معاشرہ غلاظتوں کی آماجگاہ

فحاشی وعریانیت اور جنسی بے راہ روی آج کے دور کا ایک انتہائی پیچیدہ مسئلہ بن چکی ہے، پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے، مغربی ملکوں میں فحاشی کو قانونی درجہ اصل ہو چکا ہے، آزادی کے نام پر انسانوں کو حیوانوں کی صف میں کھڑا کیا جا رہا ہے، میڈیا جسے اچھے پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرنا چاہئے غلاظتوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، مغربی معاشرہ کے انسان کتوں کی طرح بے حجابہ جنسی ہوس پوری کر رہے ہیں، سیرت رسول ہی دنیا کو اس لعنت سے بچا سکتی ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات میں حیا کو ایمان کا لازمی جز قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن، عورتوں کے لیے حجاب ضروری قرار دیا گیا، مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، بری نگاہ کو شیطان کا تیر قرار دیا گیا، بے حیائی اور عریانیت کے سبب اس وقت انسانیت ایڈز کی شکل میں عذاب الٰہی سے دوچار ہے، ہر سال دنیا بھر میں لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن رہے ہیں، ایڈز کے خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ہر ملک اپنے ایجنڈے کا بڑا حصہ استعمال کر رہا ہے، عالمی سمیناروں کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے، لیکن اس سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، جب تک سماج سے فحاشی اور برہنگی اور جنسی بے راہ روی کا خاتمہ نہ کیا جائے ایڈز سے نجات ممکن نہیں، نبوی تعلیمات کے نفاذ سے انسانیت اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتی ہے۔

منشیات کا انجام

دور حاضر کی ایک خطرناک لعنت نشہ بازی اور منشیات کی لت ہے، عالمی صحت تنظیم who کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں دو ارب لوگ شراب نوشی کرتے ہیں، ہندوستان میں سڑک حادثات میں روزانہ تقریباً ۲۸۲ لوگ مرتے ہیں، جس میں اکثر حادثوں کے پیچھے شراب نوشی کارفرما ہوتی ہے شراب کے ساتھ دیگر منشیات کا استعمال آج کے مشینی معاشرہ میں تیزی سے فروغ پا رہا ہے، شراب ونشہ بازی کا بنیادی سبب موجودہ معاشرہ میں سکون سے محرومی ہے موجودہ معاشرہ سکون سے محرومی ہے موجودہ مشینی مادہ پرست معاشرہ میں سکون نام کی چیز نہیں ہے

مادی وسائل رکھنے والا پریشان ہے اور ان سے محروم افراد بھی مضطرب ہیں، سکون کے لیے بھنگ، شراب، گانجہ، ہیروئن، مارفین جیسی چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے، آج دنیا کی ساری حکومتوں ڈرگس اور منشیات کے مسئلہ سے حیران و پریشان ہیں، امریکہ میں 1918ء سے ۱۹۳۳ء کے درمیان نشہ بندی مہم کے دوران اربوں ڈالر خرچ کر کے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا، منشیات کی لعنت کا حل نبی نے بتایا ہے، شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ کی نالیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی، شراب سے پاک معاشرہ نبوی تعلیمات، خوف خدا اور اخروی جزا وسزا کے یقین کے بغیر ممکن نہیں۔

الغرض مضمون میں موجودہ دور کے چند مسائل کا سرسری ذکر کیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ ہمارے سارے دردوں کا درماں سیرت رسول ہے، ہمارے سارے مسائل کا حل تعلیمات نبوی میں ہے آج کی انسانیت کو یہ راز کون بتائے؟ مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن خود سیرت رسول سے عاری مسلمان دوسروں کو کیسے تلقین کر سکیں گے، ربیع الاول میں صرف نعرے لگانے سے محبت رسول کا حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ ہماری گردنوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھانا پڑے گا، اپنے طرز عمل سے نبی کی پاکیزہ تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوگا، ظاہری بے روح حرکات سے ہم دنیا والوں کو تو فریب دے سکتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کو فریب نہیں دے سکتے، آج کی انسانیت سیرت رسول سے محرومی کے سبب تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اسے بچانے کے لیے ہر قومِ رسول ہاشمی کو آگے آنا ہوگا۔

دختر کشی کا حل اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں

یوم خواتین اور کرائم کا ریکارڈ

۸/ مارچ کی تاریخ دنیا بھر میں عالمی یوم خواتین منایا جاتا ہے اور خواتین پر ہونے والی زیادتیوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی جاتی ہے، دنیا کے دیگر ممالک کی طرح وطن عزیز میں بھی خواتین کا بین الاقوامی ڈے جوش وخروش سے منایا گیا، ملک کی انتہائی طاقتور خاتون صدر کانگریس نے ۸/ مارچ کو منعقدہ ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات پر ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں، نسوانی جنین کشی اور خواتین کے خلاف جرائم پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے صدر کانگریس خواتین کو تلقین کرتی ہیں کہ وہ مستقبل میں مصائب کے آگے سرنگوں نہ ہوں اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ ان کا سامنا کریں، ملک میں خواتین پر تشدد کے واقعات میں کس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اس کا اندازہ قومی کرائم ریکارڈ بیورو کے تازہ انکشافات سے ہوتا ہے جس کے مطابق ملک میں ہر ۲۰/ منٹ میں ایک خاتون کی عصمت ریزی ہوتی ہے، جہاں تک خواتین کے قتل کئے جانے کا معاملہ ہے تو اس کے لئے صرف ان چند خواتین کی نشاندہی کافی ہے جن کا قتل اخبارات کی سرخیوں میں رہا، نینا ساہنی کو دہلی کے نیتاؤں نے کاٹ کر تندور میں بھون ڈالا، انڈین ایکسپریس کی خاتون نامہ نگار بھٹنا گر کو ایک آئی پی ایس افسر نے ناجائز تعلقات کے بعد قتل کر ڈالا، جیسکا لال کے قتل کا بھی خوب چرچا ہوا، بھوپال میں شہلا مسعود قتل ہوئیں، اسی طرح راجستھان میں مشہور نرس بھنوری دیوی کا قتل کیا گیا اور لاش شوگرمل کی بھٹی میں جلا کر نہر کے حوالہ کر دی گئی، ہندوستان سے ہٹ کر اگر امریکہ کا رخ کیا جائے تو ۳۰/ کروڑ امریکی آبادی میں ہر سال دو لاکھ عورتوں کے خلاف جنسی دست درازی کے واقعات ہوتے ہیں، یعنی تقریباً ہر دو منٹ پر خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کا ایک واقعہ رونما ہوتا ہے، ۲۰۰۰ء میں برطانیہ میں کل خواتین آبادی کا ۴۹ فیصد زنا یا جنسی تشدد کا شکار بنا تھا، ویسے موجودہ معاشرہ میں

خواتین کے ساتھ تشدد کی مختلف شکلیں رائج ہیں، لیکن اس کی بدترین شکل وہ ہے جو دختر کشی کی شکل میں پائی جاتی ہے، گویا دنیا میں آنے سے قبل ہی اس سے حق زندگی چھین لیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ہمارا ملک کسی مغربی یا یورپی ملک سے پیچھے نہیں، برطانوی قومی صحافی EMETIC BUCHANAN نے بی بی سی کی ایک ڈاکیومنٹری (LETHER DIE) میں انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں مادہ جنین کا علم ہونے پر روزانہ ۳۰۰۰ حمل گرائے جاتے ہیں، اس طرح سالانہ یہ تعداد دس لاکھ سے متجاوز ہوجاتی ہے، راجستھان اور تمل ناڈو میں اسقاط کی شرح سب سے زیادہ ہے، تمل ناڈو سرکاری اسپتال کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت مند گھرانوں میں دختر کشی کی شرح سب سے زیادہ ہے، جون ۲۰۰۷ء میں دہلی کے مضافات میں ایک ڈاکٹر ۲۶۰ غیر قانونی اسقاط حمل کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا، گرفتاری اس وقت عمل میں آئی جب دواخانہ کے سپٹک ٹینک سے مادہ جنینوں کی ہڈیاں برآمد ہوئیں، دختر کشی کے بڑھتے رجحان نے اسقاط حمل کو ایک انڈسٹری کا درجہ دیا ہے جس کا سالانہ آمد وخرچ ایک ہزار کروڑ روپئے ہے، یہ انکشاف سب کے لئے حیرت انگیز ہے کہ ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان دنیا میں پانچ کروڑ بچیاں مادر رحم میں ہلاک کردی گئیں، خود ہندوستان میں ہر سال پانچ لاکھ بچیاں اسقاط حمل کے ذریعہ رحم مادر میں ختم کردی جاتی ہیں (۱)

دختر کشی کی اس لعنت کے سبب بچوں اور بچیوں کے جنسی تناسب میں حیرت انگیز تفاوت ہوگیا ہے، ملک میں بچیوں میں جنسی تناسب گرتے گرتے اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ۲۰۰۱ء میں پانچ ہزار بچیوں پر ۹۲۷ بچیاں ریکارڈ کی گئیں، ہریانہ جیسے صوبوں سے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ وہاں لڑکوں کی شادیوں میں بہت دشواری پیش آرہی ہے، ہندوستانی قانون کے مطابق علوق کے تین ماہ بعد اسقاط کو جرم سمجھا جاتا ہے، لیکن اس قانون کو کھلے عام پامال کیا جارہا ہے، چونکہ اب رحم مادر ہی میں اولاد کی جنس معلوم کی جاسکتی ہے، اس لئے پیدا ہونے کے بعد ہلاک کرنے کے بجائے رحم مادر ہی میں قتل کردیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کے

---

(۱) خبردار جدید دہلی یکم تا پندرہ فروری ۲۰۱۳

افراد بھی اس لعنت کا شکار ہیں، جنوری ۲۰۱۳ء میں مشرقی اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ سے تعلق رکھنے والے نصیر احمد نامی شخص نے اپنی ۳۰/ سالہ بیوی کو محض اس جرم کی پاداش میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا کہ اس نے ساتویں مرتبہ بھی ایک لڑکی کو جنم دیا تھا(۱) اس لعنت کے خاتمہ کے لئے ملک میں مختلف قوانین بنائے گئے ہیں، لیکن صورتحال کسی طرح بدلتی نظر نہیں آتی، ہندوستان سے ہٹ کر دنیا ے دیگر ممالک میں یہ انسانیت سوز حرکت زور پکڑتی جارہی ہے۔

اس لعنت سے چھٹکارا کیونکر ہو

سوال یہ ہے کہ اس لعنت سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے، محض قانون سازی مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتی، اس کے لئے ذہن وفکر کی تبدیل کی ضرورت ہے، اور یہ کام اس آخری رسول ﷺ کی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ انسانیت کے سارے مسائل کا حل ڈھونڈ نکالیں، سیرت وتعلیمات رسول ﷺ اپنے اندر اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ ان میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے، بعثت رسول ﷺ سے قبل کے جاہلی معاشرہ میں دختر کشی کی لعنت عروج پر تھی، اس زمانہ میں لڑکیوں کی پیدائش کو لوگ کس قدر باعث عار سمجھتے تھے، قرآن مجید نے اس کی یوں منظر کشی کی ہے: ’’جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ اس کو ذلت ورسوائی کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبادے، آہ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔ (النحل ۵۹)

ایک اور مقام پر ایسی حرکت کے مرتکبین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ’’اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی‘‘ (التکویر ۸:۔ ۹) یعنی بروز قیامت ان لوگوں کی سخت سرزنش کی جائے گی، جنہوں نے اپنی نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا۔ جاہلی معاشرہ میں نہ صرف نومولود بچیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا بلکہ صنف نازک کے ساتھ ہر قسم کا

---

(۱) ہندوستان ٹائمس نئی دہلی ۱۴/ جنوری ۲۰۱۳

ظلم روا رکھا جاتا تھا، عورتیں مال کی میراث کی طرح وراثت میں منتقل کردی جاتی تھی، ان کی عزت وآبرو کو بری طرح پامال کیا جاتا تھا، انسان کی حیثیت سے ان کے حقوق سرے سے تسلیم نہیں کئے جاتے تھے، ایسے پرآشوب حالات میں محمد عربی ﷺ کی بعثت ہوئی، آپ نے نسوانی معاشرہ کو بھرپور تحفظ عطا فرمایا، ان کی جان، مال اور عزت وآبرو پر کسی بھی قسم کی زیادتی کو بدترین جرم قرار دیا۔

اولاد سے محبت انسانی فطرت کا حصہ ہے بلکہ ہر جاندار کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، اولاد چاہے لڑکے کی شکل میں یا لڑکی کی، والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، لیکن جاہلی معاشرہ کی فطرت انسانی مسخ ہو چکی تھی، وہ مطلق اولاد کو اپنے لئے بوجھ خیال کرتا تھا کہ اولاد ان کی معاش میں شریک ہو جائے گی، وہ لوگ فقر وافلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ آنے والی اولاد کو وہ روزی کیسے فراہم کریں گے، گویا وہ اپنے زعم میں اپنی اولاد کے خود رازق تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فکری بگاڑ کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: "وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ" (۱)

تم اپنی اولاد کو فقر وافلاس کے ڈر سے مت قتل کرو، ہم ہی ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی"۔ اس قسم کی آیات بار بار نازل کی گئیں تاکہ انہیں ان کی اس شنیع حرکت سے باز رکھا جائے، جہاں تک نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بات ہے تو اس کا ایک اور سماجی عامل یہ تھا کہ وہ لڑکیوں کی پیدائش کو باعث عار خیال کرتے تھے، جیسا کہ سورۃ النحل کی آیات سے واضح ہو چکا ہے، سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے پیغمبر نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا اور والدین کے لئے سراسر اجر وثواب کا سرچشمہ قرار دیا، ایک سے زائد روایات میں لڑکیوں کی پیدائش اور اچھی تربیت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، بیٹیوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا اور جنت میں داخلی کا پروانہ بھی، ارشاد نبوی ہے: جس کے یہاں لڑکی پیدا ہو وہ اسے دفن نہ کرے

---

(۱) الاسراء: ۳۱

نہ ذلیل کر کے رکھے وہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔(۱)

ایک حدیث حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو لڑکیوں کے سلسلہ میں کسی طرح آزمایا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لئے دوزخ سے آڑ بن جاتی ہیں۔(۲)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تین بیٹیوں یا تین بیٹوں کی کفالت کرتا ہے اس پر جنت واجب ہے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر دو بیٹیوں کی کفالت کرتا ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر بھی واجب ہے، صحابہ نے دریافت کیا اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی کفالت کرتا ہو تو؟ آپ نے فرمایا پھر بھی واجب ہے۔

معجم طبرانی کی روایت ہے کہ جس کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے بھیجتے ہیں وہ فرشتے گھر والوں سے کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو پھر اس بچی کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں اور اپنے نورانی ہاتھوں کو اس کے سر پر پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں، ایک کمزور جان ہے جو کمزور جان سے نکلتی ہے قیامت تک اس کے کفیل کی مدد کی جائے گی۔(۳)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا: لڑکیوں سے نفرت نہ کرو، میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔

آپ ﷺ کی نرینہ اولاد باحیات نہ رہنے کی وجہ

آپ کے حق میں تقدیر خداوندی کا فیصلہ کچھ ایسا تھا کہ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زیادہ عرصہ حیات تک باحیات نہ رہی، البتہ لڑکیاں نہ صرف سن بلوغ کو پہنچیں بلکہ ان سے اولاد بھی ہوئی، علماء نے اس خدائی فیصلہ کی ایک حکمت یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ کو پیغمبر کی اس حالت کے ذریعہ دور جاہلیت میں

---

(۱) سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر: ۵۵۰

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۳۲

(۳) المعجم الصغیر للطبرانی: حدیث ۷۰

رائج لڑکیوں سے نفرت کی رسم بد کو مٹانا تھا، آپ نے جہاں اپنے مبارک ارشادات اور زبانی ہدایات کے ذریعہ لڑکیوں سے محبت اور ان کے ساتھ عدل ومساوات کے تعلق سے لوگوں کو تلقین فرمایا، وہیں اسوہ مبارکہ کے ذریعہ بھی لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا، آپ اپنی صاجزادیوں سے بے انتہاء محبت کرتے تھے، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ تمام صاجزادیوں سے بے انتہاء شفقت فرماتے تھے، آپ کے پاس کئی وقت کے فاقوں کے بعد کھانے کے لئے کچھ آتا تو اپنی صاجزادی حضرت فاطمہؓ کے یہاں بھجوا دیتے، ایک مرتبہ صحابہؓ نے چند روٹیاں اور کچھ سالن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس موقع پر آپ نے کچھ اور صحابہ کو بھی طلب کرلیا، پھر آپ نے ایک روٹی کے اوپر گوشت رکھ کر اپنی صاجزادی حضرت فاطمہؓ کے گھر بھیجا اور فرمایا کہ فاطمہؓ کے گھر والے بھی آج بھوکے ہیں۔(۱)

جب بھی سفر سے واپسی ہوتی بیٹی کے یہاں تشریف لے جاتے، اور نواسوں سے بھی حد درجہ محبت فرماتے تھے، آپ نے حضرت فاطمہؓ کو جگر کا ٹکڑا قرار دیا۔

موجودہ مادیت پرست معاشرہ نے انسان کو معاشی حیوان بنا دیا ہے، نامرغوب معاشی بوجھ کا تصور لوگوں کو دختر کشی جیسے سنگین جرم پر آمادہ کررہا ہے، اس لئے لوگوں کے یقین کی درستگی اشد ضروری ہے، معاش کے تعلق سے خدا کا ضابطہ ہے کہ ہر جاندار کی روزی اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، ارشاد ربانی ہے: ''ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا'' (ہود)

لعنت جہیز دختر کشی کا سبب

ہر پیدا ہونے والا نومولود اپنے ساتھ اپنی روزی لاتا ہے، خود والدین کی روزی بھی اللہ کے ذمہ ہے، ساری پریشانی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود کو رازق سمجھ بیٹھتا ہے، دختر کشی کی بڑھتی ہوئی لعنت کا ایک اور سبب گھوڑے جوڑے اور جہیز کی لعنت ہے لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی والدین پر اس کے نکاح کی فکر سوار ہوجاتی ہے، چنانچہ اس سے نجاب پانے کے لئے لوگ

(۱) سبل الہدی والرشاد ۷ ۱۰۳

جنین کشی کا ارتکاب کر رہے ہیں، معاشرہ کی یہ صورتحال نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے، نبوی تعلیمات میں نکاح کو انتہائی آسان بنادیا گیا ہے، آپ نے اس نکاح کو سب سے بابرکت قرار دیا جو کم سے کم مالی ذمہ داریاں لڑکے والوں پر ڈالی گئیں، جہیز اور گھوڑے جوڑے کی لعنت کا تعلیمات سیرت سے کوئی تعلق نہیں۔

دختر کشی کی اس غیر انسانی لعنت کے سد باب کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں میں دینی شعور بیدار کیا جائے، ان کے اندر خوف خدا کی روح پیدا کی جائے، نکاح کو آسان بنایا جائے اور اسے خلاف شرع خرافات سے پاک کیا جائے، محض قانون سازی اس مسئلہ کا حل نہیں ہو سکتی۔

اختلافات کا حل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک امتیازی وصف اس کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہر چیز کا نمونہ ملتا ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں کوئی رہنمائی نہ ملتی ہو، چونکہ آپ آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ کی شریعت آخری ہے اس لیے اللہ نے آپ کی سیرت کو کامل و مکمل بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی کا تقاضہ یہ ہے کہ امت اپنے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں تلاش کرے، اس لیے کہ سیرت رسول کو ساری انسانیت کے لیے اسوہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللّٰہ کثیرا" (۱) (تمہارے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو، زندگی کے ہر شعبہ میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انطباق کا کامل شعور ضروری ہے، موجودہ دور میں مسلمان جہاں قرآن مجید کے تئیں غفلت کا شکار ہیں وہیں سیرت رسول کے سلسلہ میں بھی بڑی لاپرواہی برت رہے ہیں، اب امت کا سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق بس اتنا رہ گیا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی کے عنوان سے چند جلسے منعقد کر لیے جاتے ہیں، اور بس جہاں تک بدلتے حالات و مسائل میں سیرت سے استفادہ کا تعلق ہے تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

عالم اسلام اور آپسی انتشار

اس وقت ہندوستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں کو ان گنت مسائل درپیش ہیں ہر مسئلہ اپنی جگہ قابل توجہ اور فوری حل کا طالب ہے، لیکن ان میں سے بعض مسائل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن کے سنگین نتائج نے امت مسلمہ کے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، اگر وہ اسی طرح سرد خانہ کے

---

(۱) الاحزاب: ۲۱

حوالہ کئے جاتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمان عبرتناک انجام سے دو چار ہو جائیں، انہی بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ مسلمانوں کا آپسی انتشار اور ان کی باہمی رسہ کشی کا ہے، جو دن بدن شدت اختیار کرتا ہے، یہ انتشار ہر سطح سے پایا جاتا ہے، مسلکی بنیادوں پر بھی اور جماعتی سطح سے بھی، خاندانی دائرہ میں بھی اور امت کے اجتماعی معاملات میں بھی۔

۞ جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے تو ہر دو باشعور افراد کے درمیان اس کا پایا جانا فطری ہے اور وہ ایک صحت مند معاشرہ کے لیے ناگزیر بھی ہے، لیکن امت مسلمہ میں پائے جانے والے جس اختلاف کی نشاندہی مقصود ہے، وہ ایسا اختلاف ہے جو اندر ہی اندر سے مسلمانوں کو کھوکھلا کئے جا رہا ہے، اختلاف بالکلیہ رونما نہ ہو، ناممکن ہے، ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا، اس سے تو عہد رسالت بھی محفوظ نہ رہا، چنانچہ رسول ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہ میں بہت سے معاملات میں اختلاف ہوا، لیکن اختلافات کے منفی اثرات سے وہ محفوظ تھے غرضیکہ اختلافات کے تباہ کن نتائج سے بچنے کے لیے کیا حل تلاش کیا جائے؟ اور فروعی مسائل میں اختلافات کے باوجود کیسے تعلقات پر آنچ آنے نہ دی جائے اور کیوں کر امت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچایا جائے؟ یہ اور اس قسم کے دیگر سوالات فوری حل طلب ہیں۔

۞ موجودہ دور میں مسلمانوں میں پائے جانے والے اختلافات کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک وہ اختلاف ہیں جو اجتماعی معاملات میں رونما ہوتے ہیں جن کا فروعی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، چاہے وہ سیاسی معاملات ہوں یا روز مرہ کی سماجی زندگی کے مسائل دوسرے وہ اختلافات ہیں جو مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان افضل اور غیر افضل کے تعلق سے پائے جاتے ہیں، فی زمانہ مسلمانوں میں دونوں قسم کے اختلاف عروج پر ہیں، اجتماعی معاملات اور سیاسی سطح سے بھی امت انتشار سے دو چار ہے، اور مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بھی باہم دست و گریباں ہیں، جہاں تک اس دوسری نوعیت کے اختلافات کی بات ہے تو وہ قیامت تک ختم ہونے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ فروعی مسائل اور افضل غیر افضل میں اختلاف عہد صحابہ میں بھی رہا ہے۔

انتشار و اختلاف کا حل

سیرت رسول جو انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے ممکن نہیں کہ اختلافات کے مسئلہ کا اس میں حل نہ ہو اور اس شعبۂ زندگی کے لیے سیرت کے دامن میں کسی طرح کے رہنمایانہ خطوط نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں دونوں طرح کے اختلافات کا حل مل سکتا ہے، جہاں تک پہلی نوعیت کے اختلافات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے صحابہؓ کی اس انداز سے تربیت فرمائی کہ حتی الامکان اس قسم کے اختلافات پیدا ہی نہ ہوں، مسلمان آپس میں شیر وشکر کی طرح رہیں، اس لئے آپ نے اخوت و بھائی چارگی اور الفت ومحبت ایثار و ہمدردی تواضع وانکساری اور ان جیسی دیگر ایسی صفات پر زور دیا جن سے وحدت اسلامی برقرار رہتی ہے، چنانچہ کتب احادیث میں ایسی روایات کی کمی نہیں ہے جن میں آپسی اختلافات و انتشار اور باہمی رسہ کشی سے منع کیا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "لاتختلفوا فتختلف قلوبکم" (۱) (اختلافات نہ کرو تمہارے دل بھی بچھڑ جائیں گے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض" (۲) (میری وفات کے بعد کافروں کی روش اختیار نہ کرنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن ناپنے لگو۔

نیز آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: کیا تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجہ میں نماز، روزہ، زکوۃ سے بھی افضل ہے، صحابہ نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بتائیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپس کی محبت اور میل جول نماز روزہ اور زکوۃ سے بھی افضل ہے، پھوٹ اور آپس کا تفرقہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔اس حدیث میں آپ نے جہاں ایک طرف آپسی محبت کو نماز، روزہ اور زکوۃ سے افضل قرار دیا وہیں آپسی تفرقہ کو "حالقہ" یعنی دین کو مونڈ دینے والا عمل قرار دیا ہے۔

---

(۱) مسند احمد حدیث البراء بن عازب حدیث: ۱۸۵۱۶

(۲) بخاری: باب الانصات للعلماء، حدیث: ۱۲۱

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت میں تفرقہ ڈالنے والوں کی سخت مذمت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: ''بندگان خدا میں بہترین وہ لوگ ہیں جب ان کے چہروں پر نظر کی جائے تو خدا یاد آئے، اور بدترین افراد وہ ہیں جو ادھر ادھر کی چغلیاں کھاتے ہیں اور پھوٹ ڈالتے پھرتے ہیں جو دوستوں میں دوستوں میں جدائی ڈلوائیں اور بے لوث لوگوں کو تہمت لگائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں آپسی تفرقہ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا وہیں اتحاد واجتماعیت کی اہمیت اور اس کی برکات کو بھی اجاگر کیا اور جماعت سے وابستہ رہنے پر زور دیا، چنانچہ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان ایک اور دو افراد کے پیچھے لگ جاتا ہے لیکن جب تین افراد ہوں تو انہیں پریشان نہیں کر پاتا۔(۱) ایک اور روایت میں اجتماعیت سے ہٹ جانے والوں پر وعید بیان فرمائی: جو اطاعت سے نکل بھاگا اور جماعت سے جدا ہوگیا پھر اسے موت آئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔(۲) نیز مسلم کی روایت میں ہے جس نے ہمارا امت کے خلاف خروج کیا، نیک و بد کی گردنیں اڑائیں، سچے مسلمانوں کا بھی خیال نہ کیا اور وعدہ خلافی کی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں نہ میرا اس سے کوئی مطلب ہے۔(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کی اجتماعیت کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی کہ سفر وحضر ہر حالت میں صحابہ کرامؓ پر نگاہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوثعلبہ کہتے ہیں کہ سفر میں لوگ جب پڑاؤ ڈالتے تو مختلف گھاٹیوں اور وادیوں میں فروکش ہوجاتے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ منتشر ہوجانا شیطان کی چال ہے، لیکن آپ کی اس تاکید کے بعد صحابہ جب بھی کہیں آرام کرتے تو ایک فرد دوسرے فرد سے ایسا چمٹ جاتا کہ لوگ کہتے کہ اگر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جائے تو سب پر محیط ہوجائے۔(۴)

---

(۱)''الواحد شیطان والاثنان شیطانان والثلاثة الخ'' (المستدرک، حدیث عبداللہ بن زید حدیث ۲۴۹۶)

(۲)مات میتة الجاهلية (مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر، حدیث: ۶۱۶۶)

(۳)ولایفی لذی عهد عهده (مسلم باب الامر بلزوم الجماعة حدیث: ۱۸۴۸)

(۴)حتی یقال: لوبسط علیهم ثوب لعمهم (ابوداؤد، مایؤمر من انضمام العسکر حدیث ۲۶۲۶)

اتحاد کو متاثر کرنے والے صفات سے اجتناب

آپسی تفرقہ سے بچنے کی تاکید کے ساتھ آپ نے ان صفات سے بھی احتراز کرنے کی تاکید فرمائی جن سے مسلمانوں کا آپسی اتحاد متاثر ہوتا ہے، اور جو مسلمانوں میں باہم الفت ومحبت کے بجائے بغض وعناد اور دوری پیدا کرتی ہیں، چنانچہ تحقیر وتذلیل غیبت وبدگمانی کبر وحسد، بغض وعناد اور عصبیت اور منافرت جیسی مذموم صفات سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی، عام طور پر یہی باتیں دلوں میں رنجش اور آپسی ناچاقیوں کا باعث بنتی ہیں، تحقیر مسلم کے سلسلہ میں فرمایا ''کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی'' (۱)

❖ جھگڑے اور خصومت کے بارے میں فرمایا : ''میں اس مومن کے لئے جنت کے کنارے ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے'' (۲)

❖ مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس میں ان بہت سی مذموم صفات سے بچنے کی تاکید فرمائی جو مسلمانوں کے ملی اتحاد کے لئے سخت نقصان دہ ہیں چنانچہ فرمایا: ''بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور تجسس نہ کرو، بہت زیادہ ٹوہ میں نہ پڑو، مقابلہ آرائی نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، باہم عداوت نہ رکھو اور بن جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی، جس طرح اس نے تمہیں حکم دیا ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہ کرے اسے یکہ وتنہاء نہ چھوڑے اسے حقیر نہ سمجھے، آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا مال اس کا خون اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے، (۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے جسموں کو نہیں

---

(۱) ''کل المسلم علی المسلم حرام دمہ، ومالہ، عرضہ'' (مسلم باب تحریم ظلم المسلم حدیث ۲۵۶۴)

(۲) انا زعیم ببیت فی وسط الجنة لمن ترک المراء وھو محقا (ابوداؤد باب فی حسن الخلق حدیث: ۴۸۰۰)

(۳) ''کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ'' (مسلم باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۵۶۴)

دیکھے گا بلکہ تمہارے اعمال کو دیکھے گا، سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں ہوتا ہے (تین مرتبہ فرمایا) آگاہ رہو تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے کہ اس کا نقصان ہو جائے اور رہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی، اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق باقی رکھے"(۱)

❁ کبر وغرور بھی اختلاف وانتشار کا اہم سبب اور ملی اتحاد کے لئے انتہائی مضر ہوتا ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں تواضع کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے خاکساری اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور بے جا فخر نہ کیا جائے۔

❁ متکبرین کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ ذروں کے مانند آدمیوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے، انہیں ہر جگہ ذلت نے آلیا ہوگا۔(۲)

❁ حسب ونسب اور خاندانی مفاخرت بھی آدمی کو عصبیت پر آمادہ اور ملت کے شیرازہ کو منتشر کرتی ہے، آپ نے خاندانی مفاخرت کا خاتمہ کیا اور تقویٰ کو فضیلت کا معیار ٹھہرایا، چنانچہ فرمایا: "قیامت کے دن اللہ کے حکم سے ایک منادی آواز لگائے گا: سن لو! میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم لوگوں نے دوسرے نسب بنائے تھے، میں تے تم میں سب سے زیادہ معزز اسی کو ٹھہرایا تھا جو تم میں سب سے زیادہ متقی تھا لیکن تم کہتے رہے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے، لیکن آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے طئے کردہ نسبوں کو نیچے کردوں گا۔(۳)

❁ اسی طرح جو چیزیں آپسی اتحاد والفت کے لیے معاون ہو سکتی ہیں آپ نے ان کی

---

(۱) ولایحل لمسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال(مسلم باب النهی عن التحاسد حدیث۲۵۵)

(۲)"لایبغی احد علی احد ولایفخر أحد علی أحد" (الأدب المفرد، حدیث۴۲۸)

(۳)یا أَیُّهَا النَّاسُ ! إِنِّي جَعَلْتُ نَسَبًا ، وَجَعَلْتُمْ نَسَبًا ، فَقُلْتُ :أَكْرَمُكُمْ أَتْقَاكُمْ ، وَأَبَيْتُمْ إِلا أَنْ تَقُولُوا : فُلانُ بْنُ فُلانٍ وَفُلانُ بْنُ فُلانٍ أَكْرَمُ مِنْ فُلانٍ ، وَأَنَا الْيَوْمَ أَرْفَعُ نَسَبِي وَأَضَعُ نَسَبكُمْ ، أَيْنَ الْمُتَّقُونَ ؟ " الزهد لأسد بن موسى« بَابُ :ذِكْرِ مَا يُدْعَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ،حدیث نمبر۷۹:،مجمع الزوائد ومنبع الفوائد« كتاب الأدب« باب لا فضل لأحد على أحد إلا بالتقوى)

ترغیب دی، تواضع خیر خواہی اور ایثار و ہمدردی کی تلقین فرمائی جن سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ”تین صفات ایسی ہیں کہ جن کے خلاف کسی مسلمان کے دل میں کینہ نہیں ہونا چاہیئے، اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور اجتماعیت پسندی، اس لیے کہ جس کے اندر یہ صفات ہوں گی اس کی دعا تمام افراد کی خیر خواہی پر مشتمل ہوگی۔

حل اختلاف کی روشن مثالیں

اختلافات کے حل کے نبوی طریقہ کار کا حصہ یہ ہے کہ اختلافات کے بیج کو پنپنے سے پہلے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے، چنانچہ جب کبھی اختلافات پیدا ہونے کے آثار نمایاں ہوتے آپ فوراً انہیں دبانے کی کوشش فرماتے، اس سلسلہ کی چند مثالیں دی جاسکتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ”میں ایک روز دوپہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا، وہاں میں نے دو آدمیوں کی آوازسنیں جو کسی آیت کے سلسلہ میں اختلافی بحث کررہے تھے، ان کی آواز سن کر آپ عضبناک ہوئے اور فرمایا: ”إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم فى الكتاب“ (۱) تم میں سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کرکے ہی ہلاک ہوگئے۔

❖ نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا ”کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا جو اس کے خلاف پڑھ رہا تھا جیسے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا تھا، اس لیے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پاس لے کر حاضر ہوا، ہماری بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں نے اچھا کیا کہ اصلاح کے لئے یہاں آئے، شعبہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: لاتختلفوا فإن من قبلكم اختلفوا فهلكوا“ (۲) اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف کرکے ہلاک ہوگئے۔

❖ ابتدائی مرحلہ ہی میں اختلاف کو دفن کرنے کا ایک اور واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع

---

(۱) مسلم باب النهی عن اتباع متشابه القرآن حدیث ۲۶۶۲

(۲) بخاری باب حدیث الغار حدیث ۳۴۷۶

پر پیش آیا جب مسلمانوں کا لشکر مریسیع کے پانی پر جمع ہوگیا تو ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی پر باہم جھگڑا ہوا اور نوبت قتل وقتال کی آ گئی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصار نے انصار کو دونوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہونچ گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک فتنہ کھڑا ہو جائے، رسول اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً مقام پر تشریف لے گئے، اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا: ''ہر مسلمان کو اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہئے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کیوں کہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہوگیا''۔(۱)

تلاش وجستجو سے کتب سیرت میں اس طرح کے مزید واقعات مل سکتے ہیں، یہاں اختصار کے پیش نظر انہیں چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اجتماعی معاملہ اختلاف کا حل

اختلاف کے حل کا سب سے نازک مرحلہ (جس میں کسی بھی قائد ورہنما کی قائدانہ ومدبرانہ صلاحیتوں کی کڑی آزمائش ہوتی ہے) وہ ہوتا ہے جب ملت کے مختلف افراد کے درمیان عملاً اختلاف پیدا ہو جائے اور ملت کسی اجتماعی معاملہ میں مختلف خانوں میں بٹ جائے ایسے میں انہیں حد درجہ تدبر وفراست کے ذریعے بغیر کسی ملی نقصان کے اختلاف کے بھنور سے نکالنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، رسول اکرم ﷺ نے ایسے نازک مرحلوں میں بھی نہایت کامیاب طریقے سے امت کو اختلاف کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا، اور مسئلہ کا حل ایسا نکالا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، سیرت میں اس سلسلہ کے کئی واقعات ملتے ہیں۔

۞ نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں جب قریش نے کعبہ کی منہدم دیواروں کی تعمیر کا منصوبہ بنایا

---

(۱)''إن كان ظالماً فلينهه فإنه له نصر وإن كان مظلوماً فلينصره''(مسلم باب نصر الأخ ظالماً أو مظلوماً، حديث:۲۵۸۴)

تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا تنازعہ کھڑا ہو گیا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ آپس میں خون کی ندیاں بہہ جائیں، ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنازعہ کو جس دوراندیشی سے حل فرمایا ہے تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، وہ ایسا معقول حل تھا کہ سارے قبیلے اس پر راضی ہو گئے، اور امت اختلاف وتفرقہ کے دہانے پر جا کر محفوظ رہی، آپ نے ایک کپڑا منگوایا اور اس میں حجر اسود رکھا اور ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ وہ کپڑے کا کوئی حصہ پکڑ لے، اس طرح سبھوں نے اسے اٹھا کر مقام پر پہونچا دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے دیوار میں نصب کر دیا۔(۱)

۞ نبوت کے بعد اور بالخصوص مدنی زندگی میں کئی موقعوں پر مسلمانوں میں اختلافات ہوئے جن میں سے بعض سنگین نوعیت کے بھی تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح سے انہیں حل فرمایا اس سے آپ کے حسن تدبیر قوت فیصلہ اور مدبرانہ قیادت صاف جھلکتی ہے اور قیادت کے منصب پر فائز افراد کے لئے وہ بہترین اسوہ کا درجہ رکھتی ہے، یہاں اس طرح کے تین واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۞ اختلاف کا ایک مرحلہ اس وقت پیش آیا جب غزوۂ حنین کے بعد آپ نے بعض ناگزیر مصالح کے پیش نظر مال غنیمت کا بڑا حصہ قبیلہ قریش اور ضرورت مند مہاجرین کے درمیان تقسیم کیا، اور انصار کو حصہ نہ مل سکا، اس پر انصار کی صفوں میں ناراضگی کی لہر اٹھی، اور انصار کے مختلف افراد کے درمیان طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں، صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے انصار قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سعد! اس سلسلہ میں تمہارا کیا موقف ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کریں، جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو سعد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر انصار کے

---

(۱) سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۱۱۵

اس قبیلہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا : اے انصار کے لوگو! سنا ہے کہ تم آپس میں چہ می گوئیاں کررہے ہو اور مجھ سے ناراضگی محسوس کررہے ہو (بھلا یہ تو بتلاؤ) کیا ایسا نہیں کہ میرے آنے سے پہلے تم ضلالت وگمراہی میں تھا اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی، محتاج ونادار تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں غنی کردیا، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان الفت پیدا کردی، سارے انصار خاموش تھے پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انصاریو! کیا میری ان باتوں کا جواب نہیں دو گے؟ انصار کہنے لگے ہم کیا جواب دیں یارسول اللہ ﷺ سارا فضل واحسان تو اللہ ورسول ہی کا ہے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا سن لو! تم یوں کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا مبنی برصداقت بھی ہوگا اور میں بھی اس کی تصدیق کروں گا (تم کہہ سکتے ہو کہ) آپ ہمارے پاس اس حال میں آئے تھے کہ مکہ میں بھی آپ کو جھٹلایا جاچکا تھا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے نیز آپ ہمارے پاس بے یارومددگار کسمپرسی کے عالم میں آئے تھے ہم نے ہر طرح سے آپ کی مدد کی، آپ کو دھتکارا جاچکا تھا ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ محتاج تھے ہم نے آپ کو غنی کردیا، اے انصار کی جماعت کیا تم دنیا کی ایسی حقیر شئی کے بارے میں خفا ہوگئے جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کو اسلام سے مانوس اور قریب کرنا چاہا تاکہ وہ اسلام قبول کریں اے انصاریو! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اور لوگ تو بکریوں اور اونٹوں کو لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے جاؤ؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اگر سارے لوگ کسی گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی گھاٹی کی طرف چلوں گا، اے اللہ انصار پر اور فرزندان انصار اور ان کے بیٹوں پر رحم فرما، راوی کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی اس رقت انگیز تقریر سن کر) سارے انصار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور کہنے لگے ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم منظور رہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے مقام پر لوٹ گئے اور سارے لوگ منتشر ہوگئے۔ (۱)

---

(۱) سیرت النبی حصہ اول ص ۳۲۷

حل اختلاف کے نکات

مذکورہ واقعہ میں تنازعہ کے حل کے لئے رسول اکرم ﷺ نے انتہائی درجہ فراست کا استعمال فرمایا ہے، اس واقعہ میں آپ نے اختلاف کے حل کے لئے درج ذیل نکات پر توجہ دی ہے:

(۱) اختلاف کرنے والوں کی آراء اور ان کے خیالات کو بغور سننے کا اہتمام اور ان کی آراء معلوم کرنے سے قبل کسی قسم کا فیصلہ صادر کرنے سے گریز، چنانچہ زیر بحث معاملہ میں جب حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے صورتحال سامنے رکھنا چاہا تو حضور ﷺ نے پہلے ہی دن تمام تفصیلات معلوم کیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنا، جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ساری تفصیلات اور مسئلہ کی نوعیت معلوم ہوگئی تو اس کے بعد آپ نے انصار کے لوگوں کو جن کے درمیان طرح طرح کی باتیں پیدا ہو رہی تھیں جمع کرنے کا حکم فرمایا تاکہ ان سے تبادلۂ خیال کیا جائے، گوکہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ بھی صاحب معاملہ تھے لیکن آپ نے ان سے تبادلۂ خیال کو کافی نہ سمجھا بلکہ پوری جماعت کی آراء معلوم کرنے اور اختلاف کی صحیح صورت حال جاننے کے لیے سبھی کو جمع کیا، آپ کے اس طرز عمل سے اجتماعی معاملات میں اختلاف حل کرنے کی ایک تدبیر معلوم ہوتی ہے کہ اختلاف کی صورت میں قائد کو فریق کی آراء کا احترام کرنا چاہئے، اور اختلافات کی نوعیت جانے بغیر اس کے بارے میں حق سے دور رہنے یا غلطی پر ہونے کا فیصلہ نہ کرنا چاہئے، فی زمانہ اختلافات کے مزید الجھنے کا ایک سبب یہ ہے کہ آج فریق مخالف کی کسی بات کو قابل اعتناء سمجھا نہیں جاتا اور اس کی رائے معلوم کرنے سے پہلے حکم صادر کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اختلافات حل کرنے کے لیے حاکم یا قائد کو وسیع النظر اور کشادہ دلی سے کام لینا چاہئے، جب انصار کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں تو اس پر آپ رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے اور نہ ان کے خلاف اظہار ناراضگی فرمایا، بلکہ جب ان کا معاملہ سامنے آیا تو پوری وسعت ظرفی سے کام لیا اور ان کے احسانات کا اعتراف کیا،

موجودہ دور میں کسی دو افراد کے درمیان اختلاف رائے کا بھی یہی حال ہوتا ہے، کوئی وسیع النظر فی یا کشادہ دلی سے کام نہیں لیتا۔

(۳) اختلافات کے حل میں انداز گفتگو اور طرز تخاطب کا بڑا اہم رول ہوتا ہے اس واقعہ میں رسول اکرم ﷺ نے طرز تخاطب کی نزاکت کو پوری طرح ملحوظ رکھا اس میں آپ نے ایک طرف انصار کو ان کا مقام و مرتبہ یاد دلایا، دوسری طرف نبی کی وجہ سے حاصل ہونے والی نعمتوں کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کروائی، یہ وہ باتیں تھیں جن سے ان کے دل پسیج گئے اور کہ اٹھے کہ سارا فضل واحسان اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے، دلوں سے اختلاف اور رنجش کے بیج نکالنے کا یہ ایک مؤثر انداز تھا۔

(۴) انصار کے معاملہ میں رسول اکرم ﷺ نے ایک اور گر یہ اپنایا کہ پہلے ان سے مسلم حقیقتوں کو منواتے رہے، اسلام سے قبل وہ لوگ ہر طرح سے گمراہ محتاج اور بے حیثیت تھے، اللہ ورسول پر ایمان لانے سے وہ ہر طرح سے سرفراز کئے گئے، یہ ایک مسلم حقیقت تھی، حضور ﷺ نے انہیں یہ سارے احسانات یاد دلائے، اسی طرح اسلام کے لئے انصار کی خدمات کو بھی سراہا، یہ گویا وہ نکات تھے جو سب کے درمیان متفق علیہ تھے، اس طرح پہلے متفقہ نکات پر بات کر کے پھر بعد میں متنازع نکات کو اٹھایا، اختلافات کے حل اور فریق مخالف کو بتدریج نرم کرنے کا یہ ایک مؤثر اسلوب ہے۔

(۵) اختلافات کو حل کرنے کے لئے اگر متأثرہ افراد کے ساتھ ابتداء ہی میں منفی انداز اپنایا جائے تو اس سے ان میں مزید ہٹ دھرمی پیدا ہوگی اور اختلافات گہرے ہوتے چلے جائیں گے، اس لئے قائد اور حاکم کو چاہئے کہ وہ ابتداء میں متأثرہ افراد کی خوبیاں بیان کرے اور مثبت طرز تخاطب اپنائے تا کہ آئندہ جس مختلف فیہ مسئلہ میں ان سے بات ہونے والی ہے اس کے لئے ان کے قلوب آمادہ ہو جائیں، انصار کے معاملہ میں حضور ﷺ نے یہی اسلوب اپنایا، شروع میں ان کی تعریف اور ان کے احسانات کا تذکرہ کیا، بالآخر وہ رسول کے فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔

(۶) کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھرنے کا خطرہ

لاحق ہو جائے تو اس کا حل نکالنے میں عجلت کرنی چاہیے، اس لیے کہ اختلاف رونما ہونے کے بعد اگر حل میں تاخیر ہونے لگے تو وہ اختلاف گہرا ہوتا چلا جائے گا، حضرت سعد بن عبادہؓ نے جب انصار کے اختلاف سے واقف کرایا تو آپ ﷺ فوری حرکت میں آئے اور انصاریوں کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، جب سب جمع ہو گئے تو ان کے سامنے مؤثر تقریر فرمائی، اطلاع کے بعد اگر تاخیر ہوتی تو مخالفین کو موقع ہاتھ لگتا اور وہ سازشیں کر کے مزید انتشار پیدا کرتے، فی زمانہ اختلاف کی جڑیں اس لئے مضبوط ہوتی جاتی ہیں کہ ان کا فوری حل نکالا نہیں جاتا۔

(۷) اختلافات کے حل کے لیے سنجیدہ کوششوں کے ساتھ ہر فریق کے کھلے دل سے سارے معاملات کا زیر بحث لانا بھی ضروری ہے، اختلافات کرنے والے فریق صاف صاف سارے معاملات سامنے رکھیں اور اس تعلق سے کسی پہلو کو غیر واضح نہ رکھا جائے، ورنہ اس کے بغیر پائیدار حل کی توقع نہیں کی جا سکتی حضور ﷺ نے سعد بن عبادہؓ سے جب ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تو انہوں نے جو کچھ دل میں صاف تھا کہہ دیا کہ میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں جو وہ سوچیں گے میں بھی وہی سوچوں گا، انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ ان سے ناراض ہو جائیں گے۔

صلح حدیبیہ

اختلاف کے حل کے نبوی طریق کار کے سلسلہ میں دوسری مثال صلح حدیبیہ کی دی جا سکتی ہے حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ جس طرح دب کر صلح کی گئی تھی اس سے بیشتر صحابہ کو اختلاف تھا، قریش کے ظالمانہ معاہدہ سے ان کے دل تنگ ہوتے جا رہے تھے، اس نازک مرحلہ میں بھی حضور ﷺ نے کامیاب طریقہ سے حل نکالا سب سے پہلے اس سلسلہ میں دور اندیشی سے حالات کا مکمل جائزہ لیا دیگر لوگوں کی نگاہ تو حال پر تھی اور دب کر کی جانے والی صلح میں انہیں شکست و ذلت نظر آ رہی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ کی نگاہ اس صلح سے مستقبل میں حاصل ہونے والے فوائد و اثرات پر تھی، آپ ﷺ جانتے تھے کہ اشاعت دین کے سلسلہ میں اس کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوں گے اور اسلام کا پھیلاؤ ہی آئندہ مسلمانوں کی فتح کامل کا باعث بنے گا، چنانچہ اللہ نے آپ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اختلاف کرنے والے صحابہ سے نمٹنے کے لئے آپ نے یہ طرز اپنایا کہ ان کے جذبات کو دبایا نہیں، بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کی کھلی چھوٹ دی اور ان کے جذباتی خیالات کو سنتے رہے، صحابہ میں سب سے زیادہ حضرت عمرؓ متأثر تھے، شدت جذبات میں وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم ضرور مسلمان ہیں پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ کیا مکہ کے لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ضرور مشرک ہیں، حضرت عمرؓ کہنے لگے تب ہمیں اپنے دین کے معاملہ میں ایسی ذلت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر حضور ﷺ برہم نہ ہوئے بلکہ حضرت عمرؓ کو سمجھایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (اللہ کا یہی حکم ہے) میں ہرگز اس کی مخالفت نہیں کرسکتا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔(۱)

اس گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پرجوش صحابہ کے جذبات کو کچلا نہیں بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کا موقع دیا، پھر اخیر میں اصل حقیقت کو واضح کیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے اور ہمیں اس پر راضی رہنا چاہئے بجائے اس کے اگر آپ اس معاملہ میں صحابہ سے سختی سے نمٹتے تو قوی امکان تھا کہ بات آگے بڑھتی اور اختلاف مزید شدت اختیار کرلیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ عمرہ کے لیے احرام باندھ کر نکلے تھے اور ساتھ میں قربانی کے جانور بھی تھے جب عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے واپس لوٹنا طئے ہوا تو آپ نے ہدی ذبح کرکے احرام سے باہر آنے کا حکم فرمایا لیکن چونکہ سب جذبات سے مغلوب تھے اور صلح میں اپنے لیے ذلت محسوس کررہے تھے اس لیے کوئی اس کام کے لیے آمادہ نہ تھا ایسے میں حضرت ام سلمہؓ نے یہ مشورہ دیا ''اخرج یارسول اللہ وابدأ بما ترید فاذا رؤک فعلت اتبعوک'' ((بخاری، حدیث ۲۷۳۲۔مسند احمد، حدیث ۱۸۹۱۰)) یارسول اللہ ﷺ آپ خود حلق ونحر کا عمل شروع کیجئے اور احرام سے نکل آیئے لوگ جب آپ کو کرتا دیکھیں گے تو خود بخود آپ کی اتباع کرنے لگیں گے، حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا اور سارے لوگ آپ کی پیروی کرنے لگے، یہ واقعہ بتاتا ہے کہ متنازع مسائل میں

---

(۱) سیرۃ النبی ﷺ حصہ اول ص: ۲۸۰

دوسروں کے مشورہ پر غور کرنا چاہیے، بسا اوقات دوسروں کے مشورہ میں مسئلہ کا حل ہوتا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

اختلافات اور مسائل کے حل کی تیسری مثال وہ واقعہ ہے جو فتح مکہ سے قبل صحابی رسول ﷺ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے پیش آیا انہوں نے بغیر کسی فساد نیت کے اپنے قرابت داروں سے حسن سلوک کے لالچ مین جنگی راز کا افشاء کیا گو کہ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہرگز نہ تھا لیکن بہر حال حقیقت کے لحاظ سے ان کا اقدام سنگین تھا، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے حضور ﷺ نے اول تو معاملہ کی پوری تحقیق کی، جس عورت کے ہاتھ انہوں نے خط بھیجا تھا صحابہ کو روانہ کر کے اسے منگوایا، تحقیق کے بغیر ان کے خلاف اقدام نہیں کیا، اگر بلا تحقیق کوئی اقدام کیا جاتا تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جاتا، پھر جب تحقیق کے بعد ان کی غلطی پایۂ ثبوت کو پہنچی تو انہیں حقائق کے اظہار اور اپنے دفاع کا پورا موقع دیا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے صاف صاف بتا دیا اور حضور ﷺ سے معذرت چاہی، حضور ﷺ کو جب یقین ہو گیا کہ حاطب کے معاملہ میں دل کا کھوٹ یا فساد نیت نہیں ہے بلکہ وہ محض مسلمان ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا، اگر مخلص جاننے کے باوجود معذرت قبول نہ کی جاتی تو ان کا معاملہ مسلمانوں کے لیے فتنہ بن سکتا تھا۔(۱)

حل اختلاف کے سات کامیاب اصول

اختلافات کے حل کے نبوی طریق کار کو سمجھنے کے لیے ان حضرات صحابہ کی زندگی بھی سامنے رکھنی چاہیے، جن کی آپ نے تربیت فرمائی، صحابہ کے درمیان اختلاف ہی نہ ہوئے ہوں بلکہ کئی مواقع پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اپنے آپسی اختلاف کو انہیں خطوط کی روشنی میں حل کیا جو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائے تھے، اس طرح اختلافات کے حل کے لئے صحابہ کا اختیار کردہ طریق دراصل حضور اکرم ﷺ کا ہی طریق ہے، اس لیے کہ انہوں نے اسے رسول ہی

---

(۱) سیرت حلبیہ جلد سوم نصف اول ص ۲۳۸

سے سیکھا تھا، اختلافات کے موقع پر حضرات صحابہ کن باتوں کو ملحوظ رکھتے تھے یا بالفاظ دیگر اختلافات کے حل کے لیے وہ کیا طریق کار اپناتے تھے اسے عالم عرب کے ممتاز مفکر و عالم ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی نے درج ذیل نکات میں بیان فرمایا ہے۔

۱-صحابہ کی امکانی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اختلاف نہ پیدا ہو اس لیے مسائل اور فروعی امور میں زیادہ گفتگو کے بجائے ہدایات رسول ہی کی روشنی میں مسائل و معاملات کا حل تلاش کیا کرتے تھے۔ اس طرح کسی مسئلہ کا حل نکال لیا جائے تو اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، تنازع وافتراق کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲-اختلاف سے بچنے کی کوششوں کے باوجود اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جاتا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ لیتے جس سے ان کا سارا اختلاف دور ہو جاتا۔

۳-حکم خدا اور رسول کے سامنے وہ فوراً جھک جاتے اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیتے اور ہمیشہ اس کا التزام رکھتے۔

۴-جن امور میں تاویل ممکن ہوتی ان میں رسول اکرم ﷺ ان کی تصویب فرماتے اور ان کے استنباط کو درست قرار دیتے، ہر صحابی کو یہ احساس رہتا کہ اس کے بھائی کی رائے بھی اسی طرح درست ہو سکتی ہے، جیسے اس کی نظر میں اپنی رائے درست اور برحق ہے، یہ احساس ہی اس بات کا ضامن ہے کہ اپنے بھائی کا احترام کیا جائے اور منصب رائے سے دور رہا جائے۔

۵-نفسانیت سے دور رہ کر احتیاط و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے جس کا فائدہ یہ ہے کہ حقیقت تک رسائی فریقین کا مطمح نظر اور ان کا مقصود اصلی ہوتا اور ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی کہ اس کا اظہار خود اس کی زبان سے ہو یا اس کے کسی بھائی کی زبان سے۔

۶-اسلامی آداب کی رعایت کرتے کہ نرمی کے ساتھ اچھی گفتگو کی جائے جارحانہ الفاظ اور طرز تخاطب سے اجتناب کیا جائے اور ہر ایک کی بات نیک نیتی اور دلجمعی سے سنی جائے۔

۷-گفتگو کی تلخی سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہوئے زیر بحث موضوع میں ایسی کوشش

کرتے کہ جس سے ہر ایک کی رائے میں سنجیدگی اور احترام کا پہلو غالب رہے، تا کہ مخالف ہماری رائے قبول کرے یا اس کے سامنے اچھی رائے پیش ہو جائے۔

یہ وہ اصول ہیں جنہیں اختلافات کے حل کے نبوی اصول کہا جا سکتا ہے صحابہؓ کے دور میں جن جن موقعوں پر اختلاف رونما ہوا، صحابِ رسول نے انہی اصولوں کی روشنی میں ان اختلافات کا حل نکالا اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ کے اختلافات کے دو تین نمونے پیش کئے جائیں۔

رحلتِ مصطفیٰ کے بعد پہلا اختلاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس معاملہ میں اختلاف ہوا وہ آپ کی حقیقت وفات کے سلسلہ میں تھا، حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات نہیں ہوئی یہ محض منافقین کی اڑائی ہوئی خبر ہے، حضرت ابو بکرؓ آئے تو انہوں نے قرآن کی آیت "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افإن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم و من ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا و سيجزى الله الشاكرين"۔ (آل عمران) اور آیت إنک میت و انهم میتون تلاوت فرمائی (زمر ۱۸)

ان آیات کا سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس کے ساتھ وہ خود بھی زمین پر گر پڑے عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور سلسلہ وحی بھی منقطع ہو چکا ہے اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا گو یا میں نے ان آیتوں کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔ (۱)

اس کے بعد دوسرا اختلاف اس میں ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کسی نے مسجد نبوی کی رائے دی، کسی نے کہا کہ دیگر صحابہ کے ساتھ آپ کو دفن کیا جائے، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ نے کہا

---

(۱) سیرۃ مصطفیٰ جلد ۳ ص ۱۷۷

کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”ماقبض نبی اِلا دفن حیث قبض“ ہر نبی کی تدفین وہیں ہوتی ہے جہاں اس کی روح قبض ہوئی ہو، یہ سننا تھا کہ صحابہ نے اس بستر کو اٹھایا جس پر آپ کا انتقال ہوا تھا اور وہیں آپ کی قبر بنائی گئی۔(۱)

امت مسلمہ کا نازک اختلاف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے نازک گھڑی اس وقت آئی جب خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا، ابتدائی حالات سے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ امت انتشار کا شکار ہو جائے گی، انصار سقیفۂ بنوساعدہ میں اپنے سرداروں کے ساتھ مجلس کرنے لگے، حضرت ابوبکر وعمرؓ وہاں پہونچے، ان کا خطیب اسی خلافت کے معاملہ میں تقریر کر رہا تھا جس میں انصار کی خوبیوں اور خلافت کے لیے ان کی قابلیت کا ذکر کیا جا رہا تھا، اس کی تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو گئے، ابتداء میں انصار کی خوبیوں کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ جو فضائل ومناقب چھوٹ گئے تھے ان کا بھی ذکر کیا پھر فرمایا: ”معاملہ صرف مدینہ منورہ کا نہیں ہے، آج جزیرۃ العرب پر اسلام سایہ فگن ہے، مدینہ میں یتیم مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں مستحق خلافت سمجھ لیں جب بھی بقیہ اہل عرب غیر قریش کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتے اور جب تک ہمارا اتحاد برقرار نہیں رہے گا اس وقت تک ہم جزیرۃ العرب سے باہر دعوت اسلام نہیں پھیلا سکتے، اسلام کے عروج واقبال، دلوں کی ہم آہنگی اور مکمل اتحاد واتفاق اور دعوت کا تسلسل باقی رکھنے کے لئے کوئی قریشی خلیفہ ہونا ضروری ہے، اس کے بعد آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عبیدہ میں سے کسی ایک کے انتخاب کی دعوت دی، حضرت عمرؓ نے کہا اس انتخاب کے علاوہ آپ کی ہر بات مجھے پسند آئی میرے کسی اقدام سے میری گردن ماردی جائے جس سے مجھ پر کوئی گناہ عائد نہ ہو یہ میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مجھے ایسی قوم کا حکمراں بنایا جائے جس میں ابوبکر جیسی عظیم شخصیت ہو، پھر انصار کا ایک اور خطیب اٹھ کر کہنے لگا اے قریش! ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا ہونا چاہیئے، عمرؓ

---

(۱) سیرۃِ مصطفیٰ ۳/ ۱۸۶

کہتے ہیں کہ اس تجویز کے بعد چہ می گوئیاں بڑھ گئیں قریب تھا کہ انتشار وتنازع پیدا ہو، میں نے ابو بکرؓ سے کہا آپ ہاتھ بڑھائیے، انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے بیعت کی پھر مہاجرین نے اور انصار نے بھی بیعت کی۔

ان واقعات سے اجتماعی معاملات میں اختلاف کے حل کا نبوی طریق کار صاف جھلکتا ہے، صحابہ نے انہی خطوط پر اختلافات کو حل کیا جو رسول اکرم ﷺ نے انہیں سکھائے تھے، یہ صرف چند نمونے ہیں ورنہ اس طرح کی اور مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا حل

اختلاف کی دوسری قسم وہ ہے جو دین وشریعت کے فروعی مسائل میں پائی جاتی ہے، فی زمانہ اس نوعیت کے اختلافات عروج پر ہیں، اور لوگ مجتہد فیہ فروعی مسائل کو حق و باطل کے معیار پر جانچنے لگے ہیں، حتی کہ فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کی تکفیر بھی کی جارہی ہے، جب کہ یہ طریق کار کتاب وسنت سے ہٹا ہوا ہے، فروعی اختلافات صحابہ کے درمیان بھی پائے جاتے تھے لیکن صحابہ نے ایسے مسائل کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا، اختلاف کے باوجود ان کے دل آپس میں ملے رہتے تھے، علامہ ابن تیمیہؒ فروعی مسائل میں اختلاف کے موقع پر صحابہ کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں "صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے تو اللہ کے حکم "ففروا الی اللہ" (سورہ ذاریات: ۳۱) کی اطاعت کرتے تھے اور وہ مشورہ اور خیر خواہی کے طور پر کسی مسئلہ میں بحث ومباحثہ فرماتے تھے، اور کبھی ان میں کسی علمی یا عملی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو آپس میں محبت بھائی چارگی اور احترام باقی رہتا تھا، احکام میں تو بے شمار اختلافات واقع ہوئے ہیں اگر ایسا ہوتا کہ جب کبھی دو مسلمان میں اختلاف ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے تو پھر مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی باقی نہ رہتی۔

❖ صحابہ کے درمیان بے شمار اختلافات ہوئے لیکن انہوں نے طریقہ نبوی کی روشنی میں اختلافات کو رنجش اور ناچاقی کا مسئلہ نہ بنایا، حضرت عمرؓ وابو بکرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان کئی

فروعی مسائل میں اختلاف تھا، ابن مسعودؓ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کرلیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے، اور عمرؓ گھٹنوں پر رکھتے تھے، اور درمیان میں رکھنے سے منع فرماتے تھے، اگرکوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "انت علی حرام" تم مجھ پر حرام ہوتوابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ یہ قسم ہےاور عمرؓ فرماتے کہ یہ ایک طلاق ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کے مطابق ان کے درمیان سوسائل میں اختلاف تھا لیکن اتنے سارے مسائل میں اختلاف کے باوجود آپسی احترام اور تعلق خاطر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرماتھے اتنے میں ابن مسعودؓ آئے آپ کو آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا علم وفقہ سے بھری ہوئی شخصیت اور ایک روایت کے مطابق علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہلِ قادسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کا فروعی مسائل میں اختلاف اس لیے نہیں تھا کہ سارے معاملات ومسائل صحابہ آپ سے رجوع کرکے حل کرلیا کرتے تھے،صحابہ فروعی مسائل میں اجتہاد کرتے تواگران کا اجتہاد صحیح ہوتا تو آپ اس کی تصویب فرماتے ورنہ صحیح حکم بیان فرماتے، اس سے اختلاف کی بنیاد ختم ہوجاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مسائل میں اختلاف کی دو مثالیں بہت نمایاں ہیں جن سے فروعی مسائل میں اختلاف کے حل کا نبوی طریق کار سمجھا جاسکتا ہے،ایک واقعہ غزوۂ احزاب کے وقت پیش آیا،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا "لا یصلین أحدکم العصر الا فی بنی قریظة"۔ بنی قریظہ آنے سے پہلےکوئی نماز عصر ادا نہ کرے،جب راستہ ہی میں عصر کا وقت آگیا تو بعض صحابہ نے کہا دیار بنی قریظہ سے پہلے ہم نماز عصر نہیں پڑھ سکتے اور کچھ نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیں گے آپ کے سامنے جب یہ واقعہ ذکرکیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں میں سے کسی سے بھی باز پرس نہ کی۔ اس واقعہ میں صحابہ کو "لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظه" والے نص کے سمجھنے میں اختلاف ہواایک فریق نے ظاہر نص پر عمل کیااور دوسرے نے نص کے مخصوص معنی کا استنباط کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی، دوسرا واقعہ حضرت

---

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری؛ کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۱۹

عمرو بن عامر کا ہے وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرد رات مجھے احتلام ہوا، اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت کا خطرہ تھا، اس لیے تیمم کر کے جماعت سے فجر کی نماز پڑھ لی، میرے ساتھیوں نے جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا عمرو حالت جنابت میں تم نے جماعت سے نماز پڑھ لی میں نے عرض حال کیا اور یہ آیت پڑھی ''ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما'' (نساء) اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے یہ سن کر آپ ہنسنے لگے اور کچھ نہیں فرمایا۔

مختصر یہ کہ اختلافات چاہے اجتماعی معاملات میں ہوں یا فروعی مسائل میں رسول اکرم ﷺ نے ان کے حل کا بہترین نمونہ امت کے لیے چھوڑا ہے، اگر امت مسلمہ اپنے ہر قسم کے اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات کے تباہ کن اثرات سے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انسانی حقوق

بعثت سے قبل انسانی حقوق کو جس طرح پامال کیا جاتا تھا وہ ایک سنسنی خیز داستان ہے جان ومال اور عزت وآبرو ہر چیز خطرے میں تھی ہر طرف انسان نما بھیڑیوں کا راج تھا، معمولی سی باتوں پر جنگوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، سفاکیت و بربریت کا ننگا ناچ تھا ایسے مہیب سناٹے میں فاران کی چوٹیوں سے ایک آفتاب عالمتاب نمودار ہوا جس کی ضیا پاش کرنوں سے سارے عالم میں ایک نیا سویرا طلوع ہوا، دم توڑتی انسانیت میں جان آ گئی ظلم و بربریت کی گھنگور گھٹائیں چھٹتی چلی گئیں اور پہلی مرتبہ انسان اپنے حقوق سے آشنا ہو سکا، قبل اس کے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں ان تمام حقوق پر سرسری نظر ڈالیں جن سے آپ نے بہت پہلے انسانیت کو آشنا کیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور حاضر میں انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کا مختصر جائزہ لیں تا کہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور آج کی مہذب دنیا جو حقوق انسانی کی رٹ لگائے تھکتی نہیں یہ جان جائے کہ انسانی حقوق کے جس کھوکھلے تصور تک وہ پہنچی ہے اس سے کہیں زیادہ جامع تصور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سال قبل پیش کیا تھا۔

حقوق انسانی کا ارتقاء

صنعتی انقلاب کے آغاز سے مغرب میں حقوق انسانی کا شعور پیدا ہوا مغربی ادیبوں اور مختلف دانشوروں نے زبان وادب کے ذریعہ اس فکر کا خوب پروپیگنڈہ کیا کہ انسان کے بھی بحثیت انسان ہونے کے چند فطری حقوق ہوتے ہیں جن سے کسی بھی فرد کو محروم نہیں کیا جاسکتا ہے چنانچہ ان حضرات کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں انسانی حقوق کا منشور ۱۹۸۹ء میں نمودار ہوا، اور انقلاب فرانس کا اہم جز قرار پایا اس میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات اور ملکیت جیسے فطری حقوق وغیرہ کا اثبات کیا گیا تھا، پھر امریکہ میں جو ترامیم کی گئیں ان میں بڑی حد تک وہ تمام حقوق گنوائے گئے جو برطانیہ فلسفہ جمہوریت پر مبنی ہو سکتے تھے، پھر تدریجاً حقوق انسانی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، ''یو این او'' کی تشکیل کے بعد بہت سے مثبت اور بہت سے تحفظاتی حقوق کے متعلق

قراردادیں پاس کی گئیں، بالآخر عالمی منشور حقوق انسانی سامنے آیا، ڈسمبر ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک ریزرویشن پاس کیا جس میں انسانوں کی نسل کشی کو ایک بین الاقوامی جرم قرار دیا گیا، ۱۹۶۸ء میں نسل کشی کے انسداد کے لیے ایک قرارداد پاس کی گئی اور ۱۲/ جنوری ۱۹۵۱ء میں اس کا نفاذ ہوا۔

موجودہ انسانی حقوق حقیقت کے آئینہ میں

دورحاضر میں انسانی حقوق کے ارتقاء کا جو سرسری جائزہ سطورِ بالا میں لیا گیا ہے اس سے سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مغرب میں حقوق انسانی کے تصور کی دو تین صدیوں سے پہلے کوئی تاریخ نہیں ہے جبکہ محمد عربی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے نہ صرف یہ کہ حقوق انسانی کا ایک جامع تصور انسانیت کے سامنے پیش کیا بلکہ ان کو عملی جامہ پہنا کر ایک صالح معاشرہ کو جنم دیا، مغرب کا یہ پروپیگنڈہ کہ سب سے پہلے اسی نے انسانی حقوق کی رعایت کے مثالی نمونے دیکھے گئے تھے، علاوہ ازیں موجودہ عالمی تناظر میں حقوق انسانی کی اہمیت ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے جن مغربی ممالک نے منشور حقوق انسان کی داغ بیل ڈالی تھی اور پہلی مرتبہ ساری انسانیت کو انسانی حقوق سے آشنا کرنے کا دعویٰ کیا تھا آج وہی ممالک حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں میں پیش پیش نظر آتے ہیں، چنانچہ آئے دن ان ممالک میں جرائم پیشہ افراد کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، بالخصوص گذشتہ چند سالوں سے عالمی حقوق انسانی تنظیموں کی جو رپورٹیں منظر عام پر آرہی ہیں وہ انتہائی حد تک افسوسناک ہیں، ۱۹۹۶ء میں دنیا کے صرف ۳۵/ ممالک میں (۱۷۵۸) سیاسی مخالفین کا صفایا کیا جاچکا ہے، ہر ہفتہ مختلف امراض اور غذائی نقص کے سبب ۲۵۰ بچے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں، ساری دنیا کی ۸۸۰ ملین آبادی آج بیروزگاری کا شکار ہے گذشتہ دس سالوں کے دوران پندرہ ملین سے زیادہ افراد جنگوں کی نذر ہوچکے ہیں اور چار ملین سے زیادہ زخمی اور بارہ ملین سے زیادہ بچے غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، صرف جنوبی افریقہ میں ۱۹۹۳ء میں (۴۳۶۴) افراد سیاسی تشدد کے نتیجہ میں قتل کئے گئے، پھر یہ کہ مغرب کا حقوق انسانی فلسفہ صرف اس کے مفادات کے اردگرد گھومتا ہے چنانچہ عالمی سطح پر پیش آنے والے

سیاسی انقلابات مغرب کے دوہرے موقف کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں بوسینا نسل کشی کے سلسلہ میں اقوام متحدہ، امریکہ اور اس کے حلقوں نے خون خوار سربوں کو کھلی چھوٹ دے کر جس مذہبی عداوت کا ثبوت پیش کیا ہے تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

انسانی حقوق اور تصور آخرت

اس وسیع پیمانے پر حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں ایک بنیادی سبب حقوق انسانی کے نفاذ کے لیے کسی داخلی قوت نافذہ کا فقدان ہے، نتیجتاً حقوق انسانی ایک نظریہ بن کر رہ گیا ہے، جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن محمد عربی ﷺ نے حقوق انسانی کے صحیح نفاذ اور ان کو عملی زندگی سے مربوط کرنے کے لیے حقوق انسانی کو فکر آخرت سے جوڑ دیا، چنانچہ حدیث سے شغف رکھنے والا ہر شخص مطالعہ حدیث کے دوران یہ محسوس کرے گا کہ محمد عربی ﷺ نے جہاں کہیں انسانی حقوق کے سلسلہ میں کچھ فرمایا ہے اس کے ساتھ اخروی جزا اور سزاء اور خوف خدا کی صراحت بھی کر دی ہے جس کی وجہ سے انسانی حقوق کا مسئلہ دین کا اہم جز قرار پایا محمد عربی ﷺ کی تعلیمات کا مکمل نصف حصہ وہ ہے جو صرف بندوں کے حقوق سے متعلق ہے جن کے بغیر دین ناقص رہ جاتا ہے نیز حقوق کے معاملے میں آپ ﷺ نے کسی طرح کے تساہل کو برداشت نہیں کیا بلکہ بعض حقوق کے سلسلہ میں تو یہاں تک تاکید فرمائی کہ ان کی ادائیگی کے بغیر ایمان ہی معتبر نہ ہوگا چنانچہ پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ’’وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ رہے‘‘ یہ اور اس جیسے سینکڑوں ارشادات ہیں جو بندوں کے اندر انسانی حقوق کی رعایت وحفاظت کی ایسی اسپرٹ پیدا کرتے ہیں جس کے بعد بندہ از خود انسانی حقوق کا محافظ بن جاتا ہے لیکن یہ بات مغربی حقوق انسانی نظام میں اس لیے پیدا نہیں ہوسکتی کہ وہ آسمانی ہدایت سے اپنا رشتہ کاٹ چکا ہے اس کے پاس کائنات کی حقیقت ایک مادہ سے زیادہ نہیں چنانچہ اسی مادی رجحان کے غلبہ نے اس دور کو روحانی حقائق اور معنوی اقدار سے دور کر دیا ہے۔

حقوق انسانی کا جامع تصور

مغرب نے انسانی حقوق کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انتہائی ناقص تصور ہے یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں پر اثر انداز ہونے سے عاجز ہے یہ عجیب بات ہے کہ مغرب انسانی حقوق کی رٹ لگاتے تھکتا نہیں، جبکہ اس کے اقتصادی نظام اور سرمایہ دارانہ فلسفہ کی بنیاد ہی حقوق انسانی کی پامالی پر رکھی گئی ہے ظاہر ہے کہ ایک مخصوص طبقہ کے پاس مال و دولت کے منجمد رہنے سے کمزور طبقے بے روزی کا شکار ہو جاتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کی اس لعنت نے آج انسانی معاشرہ کے لاکھوں افراد کو خط افلاس کے نیچے کی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن محمد عربی ﷺ نے حقوق انسانی کا ایک ایسا مربوط نظام پیش کیا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہونا ہے اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد دولت چند ہاتھوں سے سمٹ کر نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سالانہ آمدنی کا ڈھائی فیصد حصہ غریبوں کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ محمد عربی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سخت ممانعت فرمائی نیز سودی لین دین کو حرام قرار دیا، جس کے ذریعہ غریبوں کا استحصال کیا جاتا ہے ساتھ ہی اجارہ داری کرنے والا گنہگار ہے فرما کر اجارہ داری کا خاتمہ فرمایا جبکہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے شدید کاروباری مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے کاروباری تباہ ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر حقوق انسانی کے جامع تصور کو سامنے رکھ کر اشتراکی نظام کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی حقوق انسانی کا کامل پاسداری سے عاجز نظر آتا ہے، اس لیے کہ ذاتی ملکیت سے محروم کرنا دراصل اس کے فطری حق کو پامال کرنا ہے، کھانا، کپڑا اور مکان ہی انسان کی بنیادی ضرورتیں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ انسان کے بعض فطری جذبات بھی ہوتے ہیں جن کی تکمیل کے بغیر وہ حقیقی آزادی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

انسانی حقوق میں فرد اور معاشرہ کی رعایت

اشتراکیت اور سرمایہ داری کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ دونوں فرد اور معاشرہ کے درمیان

توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں چانچہ سرمایہ دارانہ نظام فرد کے حقوق اوران کے تقدس کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ جس سے اجتماعی اور معاشرہ کے حقوق فرد کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور محض ایک شخص کی ذاتی منفعت کی خاطر سارا معاشرہ بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کے بالکل برعکس اشتراکیت ہے جو اجتماع کو اصل بنیاد قرار دیتی ہے۔جس سے ہٹ کر آزاد فرد کا کوئی وجود نہیں، چنانچہ اشتراکیت افراد سے ذاتی ملکیت کے تمام حقوق چھین لیتی ہے اس طرح اشتراکی نظام اجتماعی اور معاشرہ کے نام نہاد تحفظ کی خاطر انفرادی حقوق کے پامال کرنے کا روادار ہے، لیکن محمد عربی ﷺ کا پیش کردہ انسانی حقوق کا نظام ان دونوں سے بالکل مختلف ہے، وہ نہ فرد کی خاطر اجتماعی حقوق سے صرف نظر کرتا ہے اور نہ اجتماعی حقوق کی خاطر فرد کو بے بس بنا دیتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایسا توازن پیدا کرتا ہے جس سے دونوں طرح کے حقوق کا کامل تحفظ ہوتا ہے، اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ موجودہ حقوق انسانی محض ایک کھوکھلا نعرہ ہے جس کی حقیقت کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مغرب شدید پروپیگنڈہ کے باوجود انسانی حقوق کے تحفظ میں پوری طرح ناکام ہے، حیرت کی بات ہے کہ آج ہر طرف انسانی حقوق کے نعروں نے پارلیمنٹ کے ایوانوں کو لرزا دیا ہے اور انسانی حقوق کے راگ الاپنا دورحاضر کا فیشن بن چکا ہے لیکن پھر بھی انسان اپنے آپ کو غیر محفوظ پا رہا ہے، ہر طرف انسانی حقوق کو بری طرح پامال کیا جا رہا ہے اور ہر نیا دن ایک نئی داستان الم کے ساتھ طلوع ہو رہا ہے اس گفتگو کے بعد اب ہم اپنے مقصود اصلی کی طرف لوٹتے ہوئے محمد عربی ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ان تمام حقوق کو علی الترتیب بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ یہ مغرب کی ایجاد ہیں ویسے تو اسلام میں انسانی حقوق کی ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ دشوار ہے تاہم بعض بنیادی حقوق اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

تحفظ جان یا حق زندگی

ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق ہے اور یہ حقوق انسانی میں سب سے پہلا اور بنیادی حق ہے اس

لیے کہ جان انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے اسی کے ارد گرد زندگی کی سرگرمیاں گھومتی ہیں، محمد عربی ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی محمد عربی ﷺ نے وحشی درندوں کو انسانی جان کا احترام سکھایا اور ایک جان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا نیز حج کے بین الاقوامی اجتماع کے دن ساری انسانیت کو خطاب کر کے انسان کے بنیادی حقوق کا اعلان کیا اور حق زندگی کو سب پر مقدم کیا نیز ایک حدیث میں انسانی جان کے قتل کو گناہ کبیرہ قرار دیا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھ بنانا، کسی جان کو مارنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا(۱) دوسری حدیث میں محمد عربی ﷺ نے تحفظ جان کی خاطر مرنے والے مسلمان کو شہید قرار دیا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو اپنی جان کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے''۔(۲)

تحفظ مال

محمد عربی ﷺ نے انسانی جان کی طرح مال کا بھی تحفظ عطا فرمایا، چنانچہ مال کی حفاظت کی خاطر قتل کئے جانے والے کو بھی شہادت کا مقام عطا کیا، ایک حدیث میں مال کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سنو! کسی پر ظلم نہ کرو اور کسی شخص کا مال دوسرے کے لئے مباح نہیں ہے مگر اس کی رضامندی سے ''حجۃ الوداع کے موقع پر محترم سرزمین اور محترم مہینہ کا واسطہ دے کر عہد و پیمان کے انداز میں فرمایا کہ : اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے تمہارے لیے ایک دوسرے کے خون کو، ایک دوسرے کے مال کو اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو کو مگر یہ کہ اس پر کوئی حق آتا ہو(۳) علاوہ ازیں آپ ﷺ ہر اس دروازے کو بند کر دیا جس سے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو سکتا ہو چنانچہ خرید و فروخت میں غبن، خیانت، سود وغیرہ اور ان تمام امور کو حرام قرار دیا جس سے

---

(۱)''الاشراک باللہ وعقوق الوالدین، وقتل النفس، وشادالزور'' (بخاری باب ماقیل فی شهادة الزور حدیث۲۶۵۳)

(۲)ومن قتل دون نفسه فهو شهید (مسند الحارث، باب ماجاء فیمن هو شهید حدیث۶۳۶)

(۳)واعراضکم علیکم حرام (بخاری باب حجۃ الوداع حدیث:۴۴۰۶)

انسانی معاشرہ بحران کا شکار ہوسکتا ہے، اس سلسلہ کی سینکڑوں احادیث کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔

تحفظ ناموس

جس طرح حق زندگی اور تحفظ مال انسان کے بنیادی حقوق ہیں اسی طرح عزت وآبرو کا تحفظ بھی انسان کا بنیادی حق ہے، چنانچہ محمد عربی ﷺ نے اکثر مقامات پر ان تینوں بنیادی حقوق کو یکجا طور پر ذکر فرمایا جس کا حجۃ الوداع کی روایات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک حدیث میں فرمایا کہ بدترین قسم کی زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے، زنا سے ممانعت اور اس پر سنگساری کے احکام ناموس ہی کی خاطر ہیں، ایک دوسری حدیث شریف جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں فرمایا کہ ''ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی یہ چیزیں حرام ہیں، اس کا مال، اس کی عزت وآبرو اور اس کا خون، آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نیچی نظر سے دیکھے۔ (۱)

حق مساوات

محمد عربی ﷺ نے رنگ ونسل، قومیت ووطنیت اور اونچ نیچ کے سارے امتیازات کا یکسر خاتمہ کرکے ایک عالمگیر مساوات کا آفاقی تصور پیش کیا آپ ﷺ کے اس پیغام کے پیچھے نہ کوئی سیاسی استحصال مقصود تھا اور نہ ہی یہ انقلاب کسی کشمکش کا نتیجہ تھا اس کے برخلاف آج یورپ سے مساوات کی جو آوازیں اٹھ رہی ہیں وہ دراصل عوام اور حکمراں طبقہ کی کشمکش کا نتیجہ ہیں جس کی بنیاد پر نہ کوئی آفاقیت کا علمبردار سماج وجود میں آسکتا ہے اور نہ مساوات اور نابرابری کی لعنت سے انسانیت پوری طرح نجات پاسکتی ہے محمد عربی ﷺ کے پیش کردہ مساوات کے آفاقی تصور کا اندازہ آپ ﷺ کی تعلیمات، سلوک وارشادات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع

---

(۱) أن یحقر أخاہ المسلم (مسلم باب تحریم ظلم المسلم حدیث: ۲۵۶۴)

پر آپ ﷺ نے ساری انسانیت کو خطاب کر کے فرمایا کہ ''اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب کے باپ ایک ہیں سن لو! نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری ہے او کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، سوائے ایک خوف خدا کے، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے''۔(۱)

تحفظ آزادی

اسی طرح محمد عربی ﷺ نے آزادی کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا اور کسی بھی انسان کو چاہے وہ نسل کے اعتبار سے کتنے ہی اونچے خاندان سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو اس کی چھوٹ نہیں دی کہ وہ دوسرے کو حق آزادی سے محروم کرے ہر شخص خلقتاً آزاد پیدا ہوتا ہے قوم و نسل اور خاندانی اونچ نیچ آدمی کی حریت کو سلب نہیں کر سکتی آپ ﷺ نے ان لوگوں کے حق میں سخت وعید بیان فرمائی جو خلق خدا کو حق آزادی سے محروم رکھتے ہیں چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تین طرح کے لوگ ہیں جن کے خلاف میں مدعی بن کر کھڑا ہوں گا ایک وہ جس نے میرے نام پر زبان دی ہو اور پھر اس سے مکر گیا، دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھا گیا اور تیسرے وہ جس نے کسی آدمی کو مزدوری پر رکھا ہو اور اس سے پورا کام لیا لیکن اس کی مزدوری نہ دی ہو''۔

آزادیٔ ضمیر کا حق

موجودہ متمدن قومیں جو آزادی رائے کو اپنا تمدنی امتیاز سمجھتی ہیں اقلیتوں اور پچھڑے طبقات کو اس سے بری طرح محروم کر رہی ہیں سلطانی جمہور کے اس دور میں بھی کمزور نسلیں اور سماج کے مختلف طبقات اپنی زبان پر تالا لگانے پر مجبور ہیں لیکن محمد عربی ﷺ نے ضمیر کی آزادی کو نہ صرف معاشرہ کے ہر فرد کا حق قرار دیا بلکہ ایک اہم ذمہ داری کی حیثیت سے ہر شخص پر اس کو

---

(۱) إن اکرمکم عنداللہ أتقاکم (شعب الایمان، مما یجب حفظ اللسان منہ، حدیث: ۴۷۷۴)

لازم قرار دیا آپ ﷺ کی سینکڑوں حدیثیں ہیں جو معاشرہ کے ہر فرد کو بلاامتیاز برائی سے روکنے اور غلط روی پر ٹوکنے کا حکم دیتی ہیں، ایک موقع پر اس ذمہ داری میں کوتاہی کو ایمان کی کمزوری قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر وہ یہ نہ کر سکے تو اسے زبان سے روکے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے،(۱) محمد عربی ﷺ نے اظہار رائے کے حق کو استعمال کرنے کی کس قدر ترغیب دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے آپ نے ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے افضل جہاد قرار دیا۔

پناہ اور معاہدہ کا حق

اسی طرح آپ ﷺ نے ہر کلمہ گو شخص کو سیاسی اور سماجی لحاظ سے بھی یکساں حقوق عطا کئے چاہے اس کا تعلق کسی بھی خاندان سے ہو چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں پناہ دینے اور معاہدہ کرنے کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے فرمان نبوی ﷺ ہے کہ تمام مسلمان کا خون یکساں ہے اور اغیار کے مقابلے میں وہ ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں اور ان کا ادنیٰ ترین آدمی بھی کوئی ذمہ لے لے یا کوئی معاہدہ کرلے تو وہ سب کی طرف سے ہوگا۔نیز فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی چچازاد بہن ام ہانیؓ نے جب ایک مشرک کو پناہ دی تو آپ ﷺ نے اس پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا اے ام ہانیؓ! جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی، محمد عربی ﷺ نے جس طرح شہریت کے حقوق کا اثبات فرمایا اسی طرح مختلف طبقات کی بھی بھرپور رعایت کی اور انسانی معاشرے کے تمام افراد کے حقوق متعین فرمائے فرداً فرداً ہر ایک کے حقوق کا تذکرہ تو طول طلب ہوگا تاہم معاشرہ کے چند طبقات کا جائزہ لیا جاتا ہے جو ہر دور میں ظلم وستم کا شکار رہے ہیں اور موجودہ تہذیب وتمدن کے دور میں بھی جبکہ جانوروں کا تحفظ بھی کیا جا رہا ہے ان کے حقوق اسی طرح پامال کئے جا رہے ہیں جیسے دورِ جاہلیت میں کئے جاتے تھے۔

---

(۱) وذلک اضعف الایمان (مسلم باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان حدیث ۴۹:)

عورتوں کے حقوق

اعلان نبوت سے قبل عورت کی جو حالت تھی اس سے کون ناواقف ہے، اس کی حیثیت سامان لذت سے کچھ زیادہ نہ تھی حقوق تو دور کی بات عام سامان وجائیداد کی طرح اس کو وراثت میں دیا جاتا تھا بہت سے لوگوں کو اس کے مستقل وجود میں تک شبہ تھا، محمد عربی ﷺ نے انسانی معاشرہ میں عورت کے حقیقی مقام کو متعین فرمایا اور مرد کی طرح عورت کو بھی تمام انسانی حقوق عطا فرمائے اور مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید فرمائی چنانچہ ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ بھلی نصیحت سے کام لو ایک اور روایت ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ہیں فرمایا: ’’تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے تم سب سے بہتر ہو‘‘ (۱) حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق بالتفصیل بیان کرتے ہوئے تاکید فرمائی سن لو! عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرو ان کے پہنانے اور کھلانے میں‘‘۔

غلاموں کے حقوق

غلاموں کا طبقہ ہر دور میں غیر انسانی سلوک کا شکار رہا ہے، اسلام سے قبل غلاموں کا بہت بُرا حال تھا محمد عربی ﷺ نے سب سے پہلے قوانین اور اصول مقرر فرمائے جن سے لوگ زیادہ سے زیادہ غلامی کے طوق سے نکل سکتے ہیں، چنانچہ بہت سے گناہوں اور حکم عدولیوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی رکھی اس کے ساتھ نہایت تاکید سے غلاموں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا چنانچہ حضرت ابوذر غفاری ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی جو خادم ہوگئے ہیں اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھ تلے کر دیا ہے، تو جس کسی کا بھائی اس کے تحت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑے پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالے جو وہ نہ کرسکیں پھر اگر ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ

---

(۱) خیر کم خیر کم لاھلہ (ترمذی باب فی فضل ازواج النبی ﷺ حدیث: ۳۸۹۵)

ڈالو جس کو وہ نہ کرسکتے ہوں تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔(۱)

یتیموں اور کمزوروں کے حقوق

ناداروں، یتیموں اور کمزوروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا معاشی سماجی ہر لحاظ سے وہ بے بس ہوتے ہیں معاشرے کے دیگر افراد انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے ساتھ رہن سہن سے تک کتراتے ہیں محمد عربی ﷺ نے اس غلط تصویر کی سرے سے بیخ کنی فرمائی معاشرے کے متمول افراد کو سمجھایا کہ غریبوں اور یتیموں کی دیکھ بھال اور ان کا تعاون تمہارا حق ہے یتیموں کی کفالت اور ناداروں کی خبر گیری کے بڑے فضائل بیان فرمائے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، مسلمانوں میں سب سے برا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بد سلوکی کی جائے(۲) نیز عام کمزوروں کی مدد اور ان کی مصیبت میں کام آنے کی تلقین فرمائی، ایک جگہ ارشاد ہے کہ مجھ کو کمزورں میں تلاش کرو، ان کی کمزوری کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ غرضیکہ محمد عربی ﷺ کے بیان کردہ حقوق کی فہرست بہت طویل ہے اور آپ نے ہر طبقہ کے ہر طرح کے حقوق کو نہ صرف بیان فرمایا بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا اگر آج بھی انسانی دنیا کو امن وسکون مطلوب ہے تو انسانی حقوق کے اسی جامع نظام کو اپنانا ہوگا ورنہ صدیاں گزر جائیں گی اور انسانیت اسی طرح پامال ہوتی رہے گی۔

---

(۱)فإن كلفه مايغلبه فليعنه عليه (بخارى باب ماينهى من السباب واللعن، حديث ۶۰۵۰)

(۲)وشربيت فيه يتيم يساء إليه (ابن ماجه باب حق اليتيم حديث ۳۶۷۹)

چھٹا باب

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تربیت و اصلاح

معلم انسانیت کا طریق تربیت

پیغمبروں کی بعثت کا بنیادی مقصد انسانوں کی تربیت ہے، قرآن مجید میں جن باتوں کو مقاصد بعثت میں شامل کیا گیا ہے، ان سب کا تعلق تربیت انسانی سے ہے، سورہ جمعہ میں معلم انسانیت ﷺ کے مقاصد بعثت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا:"ھو الذی بعث فی الامیین رسولامنھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمتہ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (الجمعۃ ۲) وہی خدا جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے، تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سنائے، اوران کا تزکیہ کرے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، آیت بالا میں بعثت کے تین مقاصد ذکر کئے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب وحکمت۔اور یہ تینوں باتیں کسی نہ کسی درجہ میں تربیت سے تعلق رکھتی ہیں، اصلاح وتربیت کے لئے پہلے آیات قرآنیہ سنا کر دعوت دی جاتی ہے، پھر اسلام قبول کرنے والوں کی بھر پور تربیت کرکے ان کے قلوب کو مصفی ومزکی کیا جاتا ہے، نیز تربیت کے لئے اسلامی احکام وفرائض کی تعلیم بھی ضروری ہے، دنیا میں جتنے انبیاء کرام تشریف لائے، سب نے تربیت انسانی کا فریضہ انجام دیا، چونکہ پیغمبر ساری انسانیت کے مربی ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی شروعن سے خصوصی تربیت فرماتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:"أدبنی ربی فأحسن تادیبی" (۱) میرے رب نے مجھے ادب سکھایااور بہترین سکھایا، ہر نبی اللہ تعالیٰ کی جانب سے تربیت یافتہ ہوتا ہے، اوراس کے اندر انسانوں کی تربیت کی بہترین صلاحیت ہوتی ہے، آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کو تمام پیغمبروں پر فضیلت حاصل ہے، آپ کی رسالت زمان ومکان کے حدود سے ماورا ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی سیرت کو انتہائی جامع اور مکمل بنایا ہے، آپ معلم انسانیت اور مربی اعظم ہیں، ایک کامیاب مربی کے لئے جن اوصاف وخصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے، وہ آپ کی ذات مبارکہ میں

---

(۱) کنزالعمال فی فضائل متفرقۃ حدیث ۲۱۸۹۵

بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکمت وبصیرت، مردم شناسی وزمانہ شناسی کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

دنیاوعلمی سطح کالحاظ

مربی کا کمال یہ ہے کہ وہ تربیت سارے افراد کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں کرتا، اس لئے کہ زیر تربیت سارے افراد علام وعمل، سوچ وفکر، اور ذہنی سطح کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے، جو جس سطح کا ہو اس کے ساتھ ویسا برتاؤ کرنا ضروری ہوتا ہے، لوگوں کی دینی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے تربیت کرنے کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے، جسے امام ترمذیؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی مبارک مجلس میں بیٹھے صحابہ کرامؓ سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اس نے پہلے دائیں بائیں دیکھا، پھر مسجد کے ایک گوشے کی طرف بیٹھا، سب لوگ اسے حیرت سے تکنے لگے، کہ یہ کیا کرنے والا ہے؟ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا تہبند اٹھایا، اور بیٹھ کر اطمینان سے پیشاب کرنے لگا، چند افراد جلدی سے اٹھے تا کہ اس کو اس عمل سے باز رکھیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں روکا اور تحمل سے فرمایا : اسے چھوڑ دیں مت روکیں، اعرابی پیشاب کر کے اٹھا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا، وہ آیا، آپ نے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا: مساجد اس کام کے لئے تعمیر نہیں کی گئیں، انہیں اللہ کا ذکر کرنے، نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ (۱)

نہایت مختصر نصیحت کرنے کے بعد آپ خاموش ہو گئے، وآدمی چلا گیا، نماز کا وقت ہوا تو پھر آیا، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا، رسول اللہ ﷺ نے قرآت کے بعد رکوع فرمایا، اور رکوع سے سر اٹھا کر ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہا تو سب نے ”ربنا ولک الحمد“ کہا اعرابی نے بھی یہ الفاظ کہے، لیکن مزید الفاظ کا اضافہ کیا: ”اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ رحم فرما، ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر“ نماز کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اسے آواز دی، تو وہ قریب آیا، معلوم ہوا کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے کچھ دیر پہلے مسجد میں پیشاب کیا تھا، آپ کا اس کے ساتھ برتاؤ، اور آپ کا ناصحانہ انداز اس پر اتنا اثر کر

---

(۱) إن هذه المساجد لا تصلح لشیء من البول (مسلم باب وجوب غسل البول حدیث ۲۸۵)

گیا تھا کہ وہ آپ کی محبت کا اسیر ہو گیا تھا، اور آپ سے اس کو اس قدر محبت ہو گئی کہ وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پر رحمت نازل نہ ہو، آپ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ''تم نے ایک وسیع شئی کو تنگ کر دیا۔(۱)

اس واقعہ سے معلم انسانیت کی تربیت کی خوبی جھلکتی ہے، پیشاب کرنے والا ایک اعرابی تھا، اس سے جب یہ حرکت ہوئی تو فوراً بھانپ گئے کہ یہ دینی اعتبار سے معمولی سطح کا آدمی ہے، چنانچہ اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا اور اسے سخت سست کہنے کے بجائے فرمایا : کہ دیکھو مساجد نماز اور تلاوت کے لئے ہیں، اور یہاں گندگی نہیں کی جاتی، اگر ایک تربیت یافتہ قدیم مسلمان کی طرح آپ اسے ڈانٹتے تو وہ آپ سے متنفر ہو کر چلا جاتا، صحابہؓ جب اسے روکنے کے لئے دوڑ پڑے تو آپ نے انہیں منع فرمایا، اگر پیشاب سے روکا جاتا تو وہ چوں کہ پیشاب شروع کر چکا تھا، اس لئے لوگوں سے ڈرتے ہوئے مسجد میں ادھر ادھر دوڑتا، اور پوری مسجد آلودہ ہو جاتی، یا پھر درمیان میں پیشاب روک لیتا تو پیشاب کا عارضہ لاحق ہو سکتا تھا۔

حسن تربیت کا ایک اور نمونہ

معلم انسانیت کے حسن تربیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

معاویہ بن حکمؓ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رہتے تھے، نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھ گئے، اس وقت آپ صحابہ کو بتلا رہے تھے کہ اگر کسی کو چھینک آجائے، اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والے کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے، معاویہ یہ بات سن کر رخصت ہوئے، اور چند دن بعد مدینہ آئے، اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں، معاویہ بھی نماز میں شامل ہو گئے، دوران نماز کسی کو چھینک آگئی، معاویہ کو نبی کی نصیحت یاد تھی، انہوں بلند آواز سے یرحمک اللہ کہہ دیا، ان کی اس حرکت سے نمازیوں کو خلل واقع ہوا، اور سب لوگ تیز نگاہ سے انہیں تاڑنے لگے، معاویہ نے لوگوں کو اپنی

---

(۱) لقد حجرت واسعا (بخاری باب رحمة الناس والبهائم حديث ۶۰۱۰)

طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پایا، تو پریشان ہو کر کہا : ہائے میری ماں کی بربادی! تم لوگوں کو کیا ہوا میری طرف کیا دیکھتے ہو؟ لوگ ہاتھوں سے زانوں پر مارنے لگے، کہ خاموش ہو جائیں وہ خاموش ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد نمازیوں کی جانب رخ کیا شور شرابے کی آواز آپ کے کانوں میں بھی پڑی تھی لیکن آواز نئی تھی، اس لئے پہچان نہیں سکے، آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کون بول رہا ہے؟ لوگوں نے معاویہ کی طرف اشارہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلایا، وہ ڈرتے ہوئے قریب آئے، جانے رسول اللہ ﷺ کیا کہیں گے، معاویہ کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ رسول اللہ ﷺ پر فدا ہوں، واللہ میں نے آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد ایسے خوبصورت اور ہلکے پھلکے انداز سے تعلیم دینے والے کو نہیں دیکھا، بخدا نہ آپ نے مجھے ڈانٹا اور نہ ہی آپ نے مجھے گالی دی، آپ نے بس اتنا کہا کہ معاویہ نماز میں باتیں کرنا مناسب نہیں، اس میں صرف تسبیح وتکبیر اور قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (۱)

۞ چوں کہ پیشاب کرنے والے اعرابی اور حضرت معاویہ کی دینی معلومات کی سطح بہت معمولی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے بجائے ڈانٹنے کے ہلکی نصیحت فرمائی اس کے برعکس ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے لغزش ہوئی اور وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کی امامت کرتے ہوئے لمبی سورتیں پڑھنے لگے، جب اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟ سورہ طارق، سورہ بروج، سورہ شمس اور سورہ لیل جیسی سورتیں پڑھا کرو۔ (۲)

۞ اسی طرح حضرت اسامہ بن زید جو نبی کے نہایت چہیتے صحابی تھے انہوں نے کسی غزوہ کے موقع پر کسی کافر پر تلوار اٹھائی، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسامہ نے اس پر خیال سے تلوار چلادی کہ وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا ہوگا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ

---

(۱) انما الصلا ۃ لقرأۃ القران وذکر اللہ عزوجل فاذا کنت فیھا فلیکن ذلک شانک (ابوداؤد باب تشمیت العاطس فی الصلاۃ)

(۲) ”فتان، فتان، فتان ثلاث مرات“ (بخاری باب إذا طول الإمام حدیث ۷۰۱)

سخت ناراض ہوئے، آپ نے غصہ اور حیرت سے پوچھا ’’اس نے لا الہ الا اللہ کہا‘‘ اور تم نے اس کو قتل کر دیا؟ جب اسامہ نے کہا وہ دل سے نہیں کہہ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے قراری سے اسامہ کو دیکھتے رہے: اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟ یہی اسامہ کہتے ہیں کہ آپ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے، حتی کہ میں نے تمنا کیا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ (۱)

غلطی کا احساس دلانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ پہلے غلطی کا احساس دلاتے تھے، پھر نصیحت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، گویا کسی کی تلاش میں ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دیئے، وہ آپ کی طرف آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دیجئے، غور فرمایئے کہ اس نے کتنی بڑی جرأت کی، لیکن قربان جایئے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ پر ذرہ برابر خفگی کے آثار دکھائی نہیں دیئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ آج کے دور کا کوئی مربی ہوتا تو پتہ نہیں کیا کر گذرتا، اس نوجوان کے اس قسم کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دینی حالت کو بھانپ لیا کہ یہ دینی اعتبار سے کمزور نوجوان ہے لیکن اس کے اندر پائے جانے والے ایمان نے اسے اجازت لینے پر آمادہ کیا، آپ نے اس نوجوان کو فوری نصیحت فرمائی، بلکہ پہلے اسے غلطی کا احساس دلایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان سے پوچھا کہ کیا تمہیں اپنی والدہ کے ساتھ زنا کیا جانا پسند ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر دریافت کیا کہ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو؟ جوان نے کہا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے زنا کو پسند نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا تم اپنی بیوی یا خالہ کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

(۱) حتی تمنیت أنی أسلمت یومئذ (مسلم باب تحریم قتل الکافر، حدیث: ۹۶)

فرمایا کہ :لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو، جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، اس طرح کے سوالات کا مقصد اس کو غلطی کا احساس دلانا تھا، جب اس نوجوان کو اپنی غلطی کا ادراک ہوگیا تو آپ ﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا کی اے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے، اس کا گناہ معاف کر اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر، وہ نوجوان یہ کہتا ہوا مسجد سے باہر آیا" بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کوئی کام مجھے زنا سے زیادہ پسندیدہ نہیں تھا اور اب حالت یہ ہے کہ کوئی کام مجھے زنا سے بڑھ کر ناپسند نہیں"۔(۱)

مشاورانہ لب ولہجہ

کامیاب مربی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے زیر تربیت افراد کو کسی بات کی نصیحت کرتا ہے تو اس کا لب ولہجہ تحکمانہ نہیں ہوتا، بلکہ مشاورانہ ہوتا ہے، نبی ﷺ کی نصیحت اسی انداز کی ہوتی تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز تہجد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا: عبداللہ تم فلاں کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو قیام کرتا تھا، پھر اس نے رات کا قیام ترک کر دیا۔(۲)

نصیحت مختصر ہو

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لمبی چوڑی نصیحت کے بجائے اختصار کے ساتھ مختصر جملوں میں جامع بات فرماتے تھے، نصیحت کرنے والوں کو لکچر جھاڑتے نہیں بیٹھنا چاہئے، نبوی نصائح مختصر ہوا کرتے تھے، مثلاً علی! دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔(۳) عبداللہ بن عمر! دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی مسافر یا اجنبی رہتا ہے۔(۴) عمر! تم

---

(۱) مسند احمد حدیث نمبر :۲۱۷۰۸

(۲) نعم الر جل عبداللہ لوکان یصلی من اللیل (بخاری باب فضل القیام، حدیث ۱۱۲۱)

(۳) لاتتبع النظرة النظرة (ابوداؤد باب مایؤمر به من غض البصر)

(۴) "کن فی الدنیا کأنک غریب او عا بر سبیل" (بخاری باب قول النبی ، حدیث ۶۴۱۶)

قوی آدمی ہو، حجر اسود کے پاس دھکم پیل نہ کیا کرو۔(۱)

تحمل وقوت برداشت

مربی کے لئے حلم و بردباری اور تحمل وقوت برداشت بھی ضروری ہے، اس کے بغیر مربی فریضہ تربیت میں کامیاب نہیں ہوسکتا، نبی رحمت ﷺ میں یہ عنصر کامل طور پایا جاتا تھا، آپ ﷺ انتہائی نرم اور حلیم الطبع تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ آپ کی ہر ہدایت پر جان و دل سے عمل کیا کرتے تھے اور ہر وقت آپ پر پروانوں کی طرح نچھاور رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر فرمایا : ارشاد باری ہے: یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نرم خو بنایا، اگر درشت طبع اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے (۲) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ﷺ ہر جگہ نرمی برتا کرتے تھے، بلکہ ضرورت پڑنے پر سختی کا بھی مظاہرہ فرماتے، موقع کے لحاظ سے آپ ﷺ نے نرمی وسختی دونوں کا استعمال فرمایا، ایک مرتبہ ایک قریشی عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی اور بعض مسلمانوں نے اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا : پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا چھوٹا جرم کرتا تو اس کو سزا دیتی تھیں اور بڑے جرم کرے تو ان سے ٹال مٹول کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سختی سے کام لیا۔

مختلف ذرائع کا استعمال

تربیت کے لئے آپ ﷺ مختلف ذرائع استعمال فرماتے تھے، کبھی آپ نے سوال کا انداز اختیار فرمایا، مثلاً آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا : تمہارے نزدیک پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، جسے لوگ کشتی میں پچھاڑ نہ سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں پہلوان یہ نہیں

---

(۱) ''إنک رجل قوی لاتزاحم علی الحجر فتؤذی الضعیف'' (مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب حدیث: ۱۹۰)

(۲) فبما رحمة من اللہ لنت لهم ولو کنت فظا غلیظ القلب (آل عمران ۱۵۹)

ہے پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔[1] بسا اوقات عملی اور مشاورتی اسلوب میں تربیت فرماتے تھے، مثلاً آپ ﷺ نے ایک لکیر کی مدد سے ایک مربع اور دیگر لکیریں بنا کر صحابہ کو بتایا کہ یہ ابن آدم ہے، اس کے اردگرد اس کی موت ہے، جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور اردگرد لکیریں اس کی آفات اور مصیبتیں ہیں، ان ہی میں ایک لکیر مربع کے باہر تھی، جو انسان کی امیدیں ہیں۔[2] کبھی مشاہدہ اور واقعہ کو پیش کر کے تربیت فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ راستے سے گزر رہے تھے کہ ایک مردہ بکری پڑی ہوئی تھی، جسے اس کے مالک نے پھینک دیا تھا، بکری دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ بکری جس قدر اپنے مالک کی نظیر میں حقیر ہے، اللہ کی نظر میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ بسا اوقات کسی بات کا تکرار فرماتے تاکہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھیں، کبھی گزشتہ قوموں کے واقعات بیان کر کے تربیت فرمایا کرتے تھے، الغرض اللہ نے آپ ﷺ کو حکمت و بصیرت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، آپ ﷺ انتہائی حکیمانہ انداز سے تربیت فرمایا کرتے تھے، موجودہ دور میں تربیت کے مؤثر نہ ہونے کی ایک اہم وجہ حکمت و بصیرت کا فقدان ہے، اور یہ چیز سیرت رسول ﷺ کے گہرے مطالعہ سے آسکتی ہے، مربیوں کو چاہئے کہ وہ تربیتی نقطۂ نظر سے سیرت کا مطالعہ کریں۔

---

(۱) یملک نفسه عند الغضب (مسلم باب فضل من یملک نفسه، حدیث ۲۶۰۸)

(۲) والخط الخارج الأمل (ترمذی باب، حدیث ۲۴۵۴۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسلوبِ دعوت

واقعۂ ہجرت کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی داعیانہ جدوجہد سے عبارت ہے، اعلان نبوت سے وفات تک کا عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتا ہے، مخلوقِ خدا کو دوزخ سے ہٹا کر جنت کی طرف لے آنے کی فکر آپؐ کو ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی، ہر وقت آپؐ بے چینی محسوس کرتے تھے، اسی بے چینی اور تڑپ کو دیکھ کر پروردگار عالم آپؐ سے یوں مخاطب ہوا: ”فلعلک باخع نفسک علی آثارھم إن لم یؤمنوا بھذا الحدیث أسفا“۔(۱)

لگتا ہے کہ اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

قرآن مجید میں آپ کو بار بار تسلی دی گئی کہ آپ ان کی حالت پر رنجیدہ نہ ہوں۔

چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا:

واصبر وما صبرک إلا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون (۲)

آپ صبر کیجئے آپ کا صبر اللہ کی مدد سے ہوگا، ان پر غم نہ کریئے اور ان کی سازشوں سے تنگ مت ہو جائیے۔

آپؐ دعوت دین کی اس ذمہ داری کے سلسلے میں اس قدر متفکر رہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصاحبین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا:

کان دائم الفکرۃ متواصل الأحزان۔ (۳)

یعنی آپ مسلسل متفکر اور رنجیدہ خاطر رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی لمحہ دعوتی فکر سے خالی نہ ہوتا، جب قرآن کریم کی آیت:

---

(۱) الکہف: ۶ (۲) النحل: ۲۷ (۳) مجمع الزوائد باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۴۰۲۶

فاصدع بما تؤمروأعرض عن المشركين (۱) نازل ہوئی تو آپ نے لوگوں کے مخالفانہ ماحول میں بلاخوف وخطر کفار مکہ کو دین کی دعوت دی، مکہ کی بت پرستانہ فضا میں کھلے عام توحید کا پیغام دینا کچھ آسان نہ تھا، آپ ﷺ نے یہ نہیں سوچا کہ مخالفین کیا کچھ کر گذریں گے بلکہ ڈنکے کی چوٹ توحید کا اعلان کیا، سورہ شعراء میں جب آپ ﷺ کو یہ حکم ملا: وأنذر عشیرتک الأقربین (۲)

آپؐ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

تو آپؐ نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ اپنے رشتہ داروں کو کھانے پر مدعو کیا اور آخر میں ان سے فرمایا:

”جو دین میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں، اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے، لہذا میری بات مانو اور اللہ کے دین کو قبول کرو اور میرا ساتھ دو۔

نبوت کے اعلان کے بعد جب دین کی دعوت کی مہم شروع ہوئی تو زمین وآسمان آپ ﷺ کا مخالف ہو گیا، ہر طرف سے آپ ﷺ کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا، مکہ کے تیرہ سالوں میں آپ ﷺ نے دعوت کی راہ میں کن کن مشکلات کا سامنا کیا، اس کے تصور ہی سے بدن کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حضور ﷺ نے بالکل سچ فرمایا کہ: اللہ کے راستہ میں جس قدر مجھ کو ستایا گیا کسی کو نہیں ستایا گیا اور جس قدر مجھ کو خوفزدہ کیا گیا کسی کو نہیں کیا گیا“ (۳) واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا دعوتی پہلو بالکل واضح ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی کا لبِ لباب دعوت الی اللہ تھا، چاہے مکی زندگی ہو یا مدنی، سفر کا موقع ہو یا حضر کا، خلوت کا ہو یا جلوت ہر جگہ دعوتی کردار عیاں تھا، سیرت کا ہر قاری دورانِ مطالعہ جگہ جگہ دعوتی جھلکیوں کو نمایاں پائے گا۔

---

(۱) الحجر: ۹۴ (۲) الشعراء: ۲۱۴

(۳) ولقد أخفت فی اللہ مایخاف احد (ابن ماجہ، فضل سلمان وأبی ذر حدیث: ۱۵۱)

واقعہ ہجرت......دعوت کا بنیادی محرک

دعوت دین اور واقعہ ہجرت دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، واقعہ ہجرت کا اصل محرک دعوت ہی تھا، اس لئے کہ مدینہ کی طرف ہجرت کا نہ کوئی معاشی مقصد تھا اور نہ دوسری کوئی غرض، مکہ میں مسلمان اگر دین کو چھوڑ دیتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغام الٰہی کی تبلیغ کا فریضہ ترک کر دیتے تو ان کے لئے مکہ میں ہر طرح کی آسائش تھی، انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا، چنانچہ سیادت کی پیش کش کی گئی، دولت کے ڈھیر لگانے کا وعدہ کیا گیا، بشرطیکہ دین سے باز آجائیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ کی بت پرست قیادت سے مایوس ہو گئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امید پر طائف کا دعوتی سفر کیا کہ وہاں کے سرداروں کی سمجھ میں بات آجائے تو دعوت کے پھیلنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے، لیکن جب وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے اطراف واکناف کے قبائل کو جو حج کے موسم میں مکہ آتے تھے دعوت دینا شروع کر دیا، اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دعوت کی کامیابی کے لئے دوسری سرزمین کا انتخاب ضروری ہے، چنانچہ آپ حالات کا جائزہ لیتے رہے، اتفاق سے یثرب کے لوگوں سے ملاقات ہوئی تو ہجرت کے لئے حالات سازگار ہونے لگے، اس طرح ہجرت کی اصل بنیاد ہی دعوت ہے اور دین میں ہجرت کے اس عظیم مقام کا پس منظر بھی یہی دعوت ہے، دعوت کے بغیر ہجرت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ ہجرت کے دعوتی نکات

ایک داعی کے لئے واقعہ ہجرت بے پناہ دعوتی نکات کا حامل ہے اور امتِ مسلمہ کو جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دعوت کا عظیم فریضہ عائد ہوا ہے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوتی طریقہ کو جاننے کی سخت ضرورت ہے، اس لئے کہ جس قدر داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناسبت ہوگی دعوت کا کام اسی قدر بارآور ہو سکتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر اگر دعوتی کام کو جاری رکھا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد ہونا نہ صرف دشوار بلکہ محال ہے، واقعۂ ہجرت جو کہ دعوتِ دین

کی جان اور روح ہے اور جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی تکنیک کی عکاسی کرتا ہے، ذیل کی سطروں میں اسی واقعہ ہجرت کا دعوتی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور چند ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے استفادہ کرکے امت مسلمہ آج بھی دعوتی سفر کو صحیح سمت پر جاری رکھ سکتی ہے۔

۞ رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ فوری ہجرت کا ارادہ نہیں فرمایا، مکہ میں ابتداء ہی سے آپ کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، سوائے چند افراد کے اکثریت آپ کی مخالف تھی، کچھ لوگ جو مسلمان ہوئے تھے ان کا جینا دوبھر کر دیا گیا، آپ ﷺ نے فوراً مکہ سے ہجرت کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ تیرہ سال کے طویل عرصہ تک شدید مخالفتوں کے باوجود دعوت کے کام کو جاری رکھا، اس میں ایک داعی کے لئے یہ اسوہ ہے کہ داعی کو فوراً مایوس نہیں ہونا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں حالات سازگار ہو جائیں، مخالفتوں کے باوجود دعوتی جدوجہد جاری رکھنا چاہئے۔

۞ لیکن ایک اچھی خاصی مدت گزرنے کے بعد اگر داعی کو یقین ہو جائے کہ اب یہاں دعوت کارگر نہیں ہو سکتی بلکہ ترکِ مقام نہ کرنے کی صورت میں دعوت کا دائرہ مزید تنگ ہو جائے گا تو فوراً مقام بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو دعوتی کام کو نقصان ہوگا، رسول اکرم ﷺ کو ایک مرحلہ پر پہنچنے کے بعد جب یہ یقین ہوا کہ مکہ کی سرزمین کسی طرح دعوتِ دین کے لئے سازگار نہیں ہے تو آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کا فیصلہ کیا۔

۞ واقعہ ہجرت سے داعی کے لئے ایک اور نکتہ یہ ملتا ہے کہ عرصہ تک دعوتی مشن جاری رکھنے کے باوجود اگر اس کے اچھے اثرات مرتب نہ ہوں تو داعی کو اپنی دعوتی مہم کے سلسلے میں بدظن نہیں ہونا چاہئے، اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہوسکتا ہے کہ میں جس چیز کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح نہ ہو، قلت وکثرت کے فرق سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ حق کے ماننے والے ہمیشہ کم ہی ہوتے ہیں اور باطل ہمیشہ نہایت طمطراق میں ہوتا ہے، آج اس نکتہ پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، عموماً دعوت کے ذمہ دار بہت جلد مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور دھڑلے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ اس علاقہ کی اصلاح ممکن نہیں ہے، نتائج واثرات کا اس قدر عجلت سے انتظار رہتا ہے کہ تھوڑی سی تاخیر ہو جائے تو مایوسی کی فضا چھا جاتی ہے، یہ دراصل شیطان کا زبردست حربہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ

داعی مایوس ہو کر کام سے باز آئے۔

داعی اعلیٰ صفات کا حامل ہو

حضور اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گھر میں جن لوگوں کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں ان کو واپس کر دیں اور اس کام سے فارغ ہو کر خود بھی مدینہ آجائیں، عجیب بات ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کی جان کے دشمن تھے انہیں لوگوں نے اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھوائی تھیں، اس سے کئی باتیں مترشح ہوتی ہیں، پہلی بات تو یہ کہ داعی کو اعلیٰ صفات کا حامل ہونا چاہیئے، اگر داعی کا کیرکٹر مخدوش ہو تو وہ بے لاگ دعوت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا، رسول اِکرم ﷺ کا بچپن، پھر جوانی کا زمانہ لوگوں کے سامنے صاف وشفاف آئینہ کی طرح تھا، آپ ﷺ کی زندگی اس قدر بے داغ تھی کہ جب آپ ﷺ نے کفارِ مکہ کے سامنے ان بتوں کو برا بھلا کہا اور ان کے آباو اجداد کو بے وقوف ٹھہرایا تو آپ ﷺ کی مخالفت میں وہ سب کچھ کر سکے لیکن انہیں آپ کے اخلاق پر حرف زنی کرنے کی ہمت نہ ہوئی، ظاہر ہے کہ معبودوں کو برا بھلا کہنا ان کے لئے ناقابل برداشت چیز تھی، ایسے میں اگر وہ حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی جھول پاتے تو اس کو ضرور اچھالتے، ان لوگوں نے آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر ذاتی زندگی میں کوئی عیب نہ نکال سکے، نبوت سے قبل آپ امین وصادق کے نام سے پکارے جاتے تھے، ہجرت کے وقت ایک طرف سارا مکہ آپ ﷺ کا دشمن ہے تو دوسری طرف ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی، یہ دراصل اس بے داغ سیرت کا اثر تھا، دعوت میں اثر پیدا کرنے کے لئے داعی کے کردار کا بے داغ ہونا ضروری ہے، ورنہ دعوت مطلوبہ نتائج پر منتج نہیں ہو سکتی، آج دعوتی کارکنوں کی زندگی میں جھول ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے دعوتی میدان میں گفتار کے غازی تو بے شمار پائے جاتے ہیں مگر کردار کے غازیوں کی شدید قلت ہے، دوسری طرف بین السطور سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ داعی اگر واقعی اپنی دعوت میں مخلص ہو تو لوگ باوجود اس کی ظاہری مخالفت کے اس کے کردار سے متاثر

ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کفار مکہ شدید مخالفت کے باوجود اپنی امانتوں کے سلسلہ میں صرف نبی اکرم ﷺ کی ذات سے مطمئن تھے، اس لئے داعی کی اگر ظاہری مخالفت کی جارہی ہو تو اس سے بالکل مایوس ہو کر دعوت سے دستبردار نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ بات ذہن میں راسخ رہے کہ اس کی پاکیزگی، راست بازی اور اخلاص وخیر خواہی اپنا کام کر کے رہے گی۔

داعی جذبہ قربانی سے سرشار ہو

حضرت علیؓ بستر پر آرام فرما کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا، اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دعوتی کام کا سچا مخلص کارکن اپنی زندگی کو دعوت کے قائد اور رہنما پر نچھاور کر دیتا ہے اور اس اعتماد پر اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا کہ اگر قائد سلامت رہا تو دعوتی مشن آگے بڑھے گا، قائد کی سلامتی میں دعوت کی سلامتی ہوتی ہے اور اس کی ہلاکت میں دعوت کی رُسوائی ہے، میدانِ دعوت کے ایک سچے سپاہی کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اپنے رہنما اور کمانڈر کی حفاظت کے لئے ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے، جب تک کسی دعوتی قائد کے لئے ایسے چند جاں نثار افراد مہیا نہ ہوں گے وہ اپنے دعوتی کار میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا، چنانچہ بڑے بڑے مصلحین اور مجددین کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ساتھ ایسے مخلص افراد اکھٹا ہو گئے جن کے بے لوث تعاون سے ان کی تحریکیں اور تجدیدی کارنامے کامیابی سے ہمکنار ہو سکے، آج دعوتی میدان اور تحریکوں میں ایسے مخلص کارکنوں کی قلت ہے، دعویدار تو بہت ہیں لیکن جس تڑپ، لگن اور خلوص کے ساتھ دعوت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہئے وہ چیز مفقود ہے۔

داعی اولو العزم ہو

رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے جب غارِ ثور میں پناہ لی تو مکڑیوں نے جالا بنا اور کبوتری نے انڈے دیئے، جس کے نتیجے میں دشمن غار کے قریب آ کر بھی اس گمان سے واپس لوٹے کہ اگر یہاں کوئی انسان رہتا تو مکڑیوں کا جالا نہ رہتا، (۱) نیز جب دونوں غار سے نکلے اور

---

(۱) حیاۃ الصحابہ حصہ اول ص ۷ ۴۳

سفر شروع کیا تو سراقہ نے جو تعاقب میں نکلا تھا دونوں کو پالیا اور جب قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کے پیر دھنسا دیئے گئے، یہ دراصل اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے داعیوں اور پیغامبروں کو تنہا نہیں چھوڑتا کہ وہ دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو جائیں بلکہ ان کی غیبی مدد کرتا ہے اس طرح خدا کا مخلص داعی اللہ تعالیٰ کی عظیم پناہ اور حفاظت میں ہوتا ہے، خدا کی حفاظت اور اس کی غیبی مدد کا تصور ایک داعی کو اولوالعزم شخص بنا دیتا ہے، وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر دین کی دعوت دیتا ہے، دنیا کی بڑی سی بڑی طاقت اس کو اپنی ڈگر سے نہیں ہٹا سکتی۔

داعی میں یقین کامل ہو

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوبکرؓ دونوں غار میں پناہ گزیں ہیں اور تعاقب کرنے والے غار کے دروازے کے قریب پہنچ جاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کو پریشانی لاحق ہوتی ہے، فکر اپنی نہیں تھی بلکہ پیغمبرِ اسلام کی فکر تھی کہ کہیں دشمن نہ دیکھ لیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گھبراہٹ کے عالم میں کہنے لگے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دشمن بالکل قریب آچکے ہیں اگر آپ اپنا ایک قدم اٹھائیں تو ہمیں دیکھ لیں گے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت پر اعتماد لہجہ میں فرمایا: ''غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، اے ابوبکر! ان دو افراد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک داعی میں خدا کی ذات پر بے پناہ اعتماد ہونا چاہئے، ایسے ہی حالات میں حقیقی داعی کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں، اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد سچے داعی کو ہر طرح کے خطرات مول لینے پر آمادہ کرتا ہے، مشکل حالات میں بھی وہ اپنا دعوتی مشن جاری رکھتا ہے، جب کہ پیشہ ور داعی کے لئے معمولی سا حادثہ رکاوٹ بن جاتا ہے، خدا کی بے پناہ غیبی طاقت کا احساس دین کا کام کرنے والوں کو مخالفتوں کے طوفان میں بھی حق پر جمائے رکھتا ہے، خوف و ہراس اور ظلم و زیادتی کی فضا میں صبر و استقامت عطا کرتا ہے، ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں مین امید کے چراغ روشن کرتا ہے، اس کے برخلاف موجودہ دور کے دعوتی ذمہ دار احباب بہت جلد تھک جاتے ہیں اور صبر آزما حالات میں جمے رہنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے، کچھ عرصہ بعد یا تو میدان ہی سے ہٹ جاتے ہیں یا پھر برائے نام ان کا وجود رہتا ہے۔

سیرتِ رسول اور اصلاح معاشرہ

مادی ترقی نے روحانی قدروں کو پامال کر دیا

سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں مادی ترقی تو بام عروج پر ہے، لیکن روحانی قدریں زوال پذیر ہیں، انسان جیسے جیسے مادی اسباب میں اوج ثریا کو پہونچ رہا ہے روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اسی قدر انحطاط و پستی کا شکار ہوتا جارہا ہے، اسے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا تو آیا لیکن انسانوں کی طرح زمین پر چلنا نہیں آیا، صنعتی انقلاب سے پہلے انسانی معاشرہ ویسی برائیوں کا شکار نہیں تھا جیسی برائیاں مابعد انقلاب پیدا ہوئیں، موجودہ انسانی معاشرہ برائیوں کے دلدل میں کس قدر پھنس چکا ہے اس کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو اخبارات پر ایک اچٹتی نظر ڈالئے صفحات معاشرتی بگاڑ کی عکاسی کرتے نظر آئیں گے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اخبارات نہیں انسانی بدعملیوں کے دفاتر ہیں لوٹ کھسوٹ، ظلم وتشدد، قتل وغارت گری، جنسی آوارگی، فحاشی و بدعنوانی الغرض معاشرتی بگاڑ کی کوئی شکل ایسی نہیں جو موجودہ معاشرہ میں ناسور کی صورت نہ اختیار کر گئی ہو، رشتوں کی حرمت پامال کی جارہی ہے، بھائی بہن سے منہ کالا کررہا ہے، باپ بیٹی کے ساتھ ملوث ہورہا ہے، بدکاری اس قدر عام ہے کہ چند ٹکٹوں میں آدمی بآسانی ہوس کی تکمیل کررہا ہے، آبروریزی کے واقعات روز کا معمول بن چکے ہیں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ماؤں بہنوں کی چادر عفت تارتار نہ ہوتی ہو، معاملات کا بگاڑ بھی روز افزوں ہے، دھوکہ، فریب، جھوٹ، حق تلفی عام ہے، ہر شخص راتوں رات مالدار بننے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگارہا ہے، حلال وحرام کی تمیز یکسر ختم ہو چکی ہے، زمین جائیداد کے لئے عزیزوں کی گردنیں ناپی جارہی ہیں، قریبی رشتہ داروں میں قتل کے واقعات اس قدر کثرت سے پیش آرہے ہیں جیسے زمین پر انسان نہیں بھیڑئیے رہتے ہوں، اخلاق کی مٹی پلید ہورہی ہے، نوجوان نسل انٹرنیٹ کے سہارے فحاشی اور جنس باختگی کے دلدل میں گلے تک پھنس چکی ہے، چھوٹے بڑوں کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے،

موبائل کے آزادانہ استعمال نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان سارے حجابات ختم کردیئے ہیں، مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ عشق رچا رہی ہیں۔

انسانی سماج کی نجات کا نبوی نسخہ

اس ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ سے مسلم اور انسانی سماج کو کیسے نجات دلائی جائے؟ اس کا حل صرف اور صرف اس مصلح اعظم اور پیغمبر انقلاب کی سیرت میں مل سکتا ہے جس نے ایک ایسے وقت انسانی معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا جب فساد و بگاڑ نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا بعثت رسول کے وقت دنیائے انسانیت کی اخلاقی و معاشرتی صورت حال اس قدر دگرگوں تھی کہ دور دور تک اصلاح کے آثار ناپید تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے شاہ حبش کے سامنے زمانۂ جاہلیت کی حالت زار کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے بہتر ترجمانی نہیں ہو سکتی، انہوں نے نجاشی کے روبرو خطاب کرتے ہوئے کہا : اے بادشاہ! ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور ایمان داری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب، نسب، سچائی، دیانتداری، تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ (۱)

دورِ جاہلیت کے عمومی بگاڑ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> ”بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی، حقیقی بہنوں کے ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خوری اور زنا کاری کا رواج عام تھا، بے حیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا اور نامور شاعر امرأ القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا واقعہ مزے لے لے کر بیان کرتا

---

(۱) رحمۃ للعالمین ۱/ ۵۷

ہے، اور یہ قصیدہ درِکعبہ پر بھی آویزاں کیا جاتا ہے، لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر دینا اور معصوم بچوں کو تہہ تیغ کر دینا عموماً جائز تھا۔" (۱)

ایسے ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ کے حالات میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے سرفراز کئے گئے اور آپ نے ۲۳/ سال کے قلیل عرصہ میں جزیرۃ العرب کی کایا پلٹ دی، معاشرہ کی اصلاح کے وہ گر استعمال فرمائے کہ انسان نما بھیڑئیے آپس میں شیر وشکر ہو گئے اور اعلیٰ انسانی صفات کے ایسے کامل نمونے بن گئے کہ رہتی دنیا تک انسانیت ان کا نمونہ پیش نہیں کرسکتی، درجِ ذیل سطور میں اصلاح معاشرہ کے ان نبوی نسخوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جن سے موجودہ بگڑے ہوئے انسانی معاشرہ کی بھرپور اصلاح ہوسکتی ہے، دورحاضر کے سارے دانشور اور اصحاب قلم اس بات پر متفق ہیں کہ آج کا معاشرہ ایک بار پھر جاہلی معاشرہ کے طرف لوٹ رہا ہے، وہ ساری خرابیاں جو جاہلی معاشرہ کا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھیں موجودہ معاشرہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ایسے میں عصر حاضر کے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح بھی اسی طریقہ سے ممکن ہے جو طریقہ مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنایا تھا، اس کے بغیر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف ازمس کو انسانوں نے آزمالیا ہے، چوٹی کے فلسفیوں اور دانشوروں نے مختلف عالمی تجاویز عالمی قائدین کے سامنے رکھیں لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق بگاڑ مزید گہرا ہوتا گیا۔

ایمان راسخ اور یقین کامل

بگڑے معاشرے کی اصلاح کے لئے سب سے پہلا قدم جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھایا وہ ایمان راسخ اور یقین کامل کی محنت ہے، ۱۳/ سالہ مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کے قلوب میں ایمان کو اس طرح راسخ کیا کہ ان کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوگیا، اطاعت وفرمانبرداری پر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حصول اور معصیت ونافرمانی پر اخروی

---

(۱) سیرۃ النبی ۱: / ۳۹

سزاؤں کا ایسا یقین ان میں جاگزیں تھا کہ بڑی سی بڑی حقیقت کو جھٹلا سکتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیئے گئے خدائی وعدے اور وعیدوں کے متعلق ذرہ برابر بھی شک نہیں کرتے تھے، حضرات صحابہ کے ایمان کا یہ حال تھا کہ اگر وہ جنت و جہنم کو بھی دیکھ لیتے تب بھی ان کے ایمان میں اضافہ نہ ہوتا، بن دیکھے ان کی کیفیت مشاہدہ سے بڑھ کر تھی، ایک صحابی سے جب ان کے ایمان کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے میرا حال یہ ہے کہ میرے دائیں جانب جنت ہے اور بائیں جانب جہنم، اور ایسا لگتا ہے کہ میں پل صراط پر کھڑا ہوں، اس ایمان راسخ کا نتیجہ تھا کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے حد درجہ احتیاط کرتے تھے اور گناہوں سے بالکلیہ اجتناب کیا کرتے تھے، ان کے لئے گناہوں سے پرہیز ممکن نہیں تھا صحابہ سے تو اول شاذ و نادر ہی حکم عدولی ہوتی تھی اور جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو جب تک سچی توبہ نہ کر لیتے چین کا سانس نہ لیتے تھے، موجودہ معاشرے میں معاملات و اخلاقیات اور معاشرتی زندگی میں جو حکم عدولیاں ہو رہی ہیں اس کی بنیادی وجہ ایمان بالغیب میں کمزوری اور وعیدوں کے تعلق سے بے یقینی ہے، ۱۳/ سالہ مکی زندگی میں صرف ایمان پر محنت کا نتیجہ تھا کہ پاکیزہ مدنی معاشرہ وجود میں آیا، ہجرت مدینہ کے بعد جب تفصیلی ہدایات اور اوامر و نواہی اترنے لگے تو مسلمان ان پر خوشی خوشی عمل کرنے لگے، شراب کی حرمت جب نازل ہوئی تھی تو برسہا برس کی شراب ایسی بہائی گئی کہ مدینہ کی نالیوں میں شراب ہی شراب بہنے لگی، اصلاح معاشرہ کا آغاز درستگی ایمان سے ہونا چاہئے۔

احساسِ جواب دہی

اصلاح معاشرہ کے لئے آپ نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ہر مسلمان کی تربیت اخروی جواب دہی کی بنیاد پر فرمائی، آپ ﷺ نے آسمانی ہدایات کی روشنی میں انسانوں کو بتایا کہ دنیا ان کے لئے دارالامتحان ہے، یہاں کیئے جانے والے ہر ہر عمل کا انہیں آخرت میں حساب دینا ہے، قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال کا دفتر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور اعلان ہوگا ”اقرا

کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا"(۱) تو خود تیرا نامۂ اعمال پڑھ لے، انسان جو کچھ اچھا یا برا عمل کرتا ہے اس کا آخرت میں بدلہ ملنے والا ہے: "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ"(۲) آخرت میں جواب دہی کا احساس آدمی کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کرتا ہے، دور حاضر میں جرائم میں اضافہ کی بنیادی وجہ احساس جواب دہی کی کمی ہے، لوگ دوسرے کی حق تلفی، یا دوسرے پر ظلم و زیادتی اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں یہ احساس نہیں کہ آخرت میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جائے گا، نبی ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ کسی کے حق میں معمولی جملہ سرزد ہو جاتا تو جب تک معافی تلافی نہ کر لیتے سکون سے نہ بیٹھتے تھے۔

اخوت و بھائی چارگی کی روح

حقوق العباد میں ہر قسم کی کوتاہیوں سے معاشرہ کو پاک رکھنے کے لئے نبی رحمت ﷺ نے ایمانی بھائیوں کے درمیان اسلامی اخوت کو خوب فروغ دیا کہ کلمہ کی بنیاد پر ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "المسلم اخو المسلم"(۳) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ایک اور موقع پر فرمایا: "تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کالجسد الواحد اذا اشتکی لہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی"(۴) آپسی رحمت اور مودت میں تم مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح پاؤ گے، جس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی رحمت ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا تھا، آپ نے ان تمام جڑوں کو اکھاڑ پھینکا جس سے اسلامی مواخات متأثر ہوتی ہے، چنانچہ حسد، کینہ، بغض، عداوت، غیبت اور چغلخوری جیسے رذائل سے بچنے کی تاکید

---

(۱) بنی اسرائیل (۲) الزلزال ۷۔۸

(۳) بخاری باب لا یظلم المسلم المسلم حدیث ۲۴۴۲

(۴) بخاری، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث ۶۰۱۱

فرمائی، جو آپسی محبت کو ختم کر دیتے ہیں، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، آپس کے تعلقات نہ توڑو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔(۱) اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے پڑوسیوں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور فضل واحسان کرنے کی تاکید فرمائی، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : جب تم میں سے کسی کے پاس سالن پکے تو اسے چاہیئے کہ شوربہ زیادہ کر دے پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔(۲) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا : وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسے حالت میں پیٹ بھر کر سو جائے کہ اس کے پہلو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا اور پیٹ بھر کر سو جانے والے کو علم ہو کہ پڑوسی بھوکا ہے۔(۳) مسلم معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی کے یہ جذبات فروغ پائیں تو کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی کیوں کر حق تلفی کرے گا، اس وقت ظلم و تعدی قتل و غارت گری اور حق تلفی کی جتنی شکلیں معاشرہ میں عام ہیں وہ اسلامی اخوت سے روگردانی کا نتیجہ ہے، غیر تو غیر حقیقی بھائی پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں ایک خاندان سے وابستہ افراد تک باہم دست و گریباں ہیں۔

تربیت اولاد کی

اصلاح معاشرہ کا ایک اہم نبوی اصول تربیت اولاد کی ذمہ داری ہے، جو ماں باپ پر عائد ہوتی ہے معاشرہ بچوں سے ہی تشکیل پاتا ہے آج کے بچے کل کو خاندان کے بڑے بن جاتے ہیں اگر والدین اپنے بچوں کی تربیت کا روزِ اول سے اہتمام کریں تو پھر خود بخود صالح معاشرہ وجود میں آئے گا بچوں کی دینی تربیت سے غفلت انہیں بے راہ روی کا شکار بنا رہی ہے، آزاد اور بے لگام بچے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں اور ہر قسم کی اخلاقی خرابیاں ان میں سرایت کر جاتی ہیں، نبی رحمت ﷺ نے اولاد کی تربیت پر اس قدر زور دیا

---

(۱) أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال (بخاری باب الهجرة، حديث ٦٠٧٣)

(۲) فليكثر مرقها (مجمع الزوائد باب ماجاء فی الجار حديث ١٣٥٤٦)

(۳) الذی يشبع و جاره جائع إلى جنبه و هو يعلم به (مسند ابی يعلى، مسند عباس، حديث ٢٦٩٩)

کہ رشتہ انتخاب کے موقع پر بچوں کے لئے نیک ماں کے انتخاب کی تاکید فرمائی تاکہ اس کی گود میں پلنے والی اولاد نیک وصالح بن سکے، پھر اس کی بھی تاکید فرمائی کہ جب میاں بیوی کا ملاپ ہونے لگے تو اس سے پہلے دعا کا اہتمام کریں جو دراصل ہونے والی اولاد کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کی درخواست ہے، پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے کانوں میں اللہ کی بڑائی پر مشتمل اذان واقامت کے کلمات بلوانے کی تاکید فرمائی، آپ ﷺ اپنے نواسوں کی تربیت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ شیرخوار نواسہ حضرت حسینؓ جب ایک مرتبہ گھر میں پڑا ہوا کھجور منھ میں ڈالنے لگا تو آپ نے فوراً تنبیہ فرمائی اور کہا کہ حسین! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہیں اور منہ سے کھجور نکلوایا۔ ایک موقع پر والدین کو تربیت اولاد اور ماتحتوں کی دینی نگرانی پر توجہ دلاتے فرمایا "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ"(۱) تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور آخرت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی موجودہ معاشرہ کے نوجوان کے بگاڑ اور بے راہ روی کی بنیادی وجہ بچپن میں دینی تربیت کا فراہم نہ ہونا اگر ہمیں معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو تربیت اولاد پر توجہ دینی ہوگی جلسوں اور اصلاحی پروگراموں سے وقتی ہلچل تو پیدا ہو سکتی ہے لیکن ٹھوس کام ممکن نہیں۔

اصلاح خواتین پر زور

خواتین معاشرہ کا نصف بہتر ہیں اور انسانی معاشرہ پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہیں کسی بھی معاشرہ کی اصلاح خواتین کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں خواتین کی اصلاح اور فساد دونوں متعدی ہیں ایک خاتون کا بگڑنا پورے خاندان کا بگڑنا ہے جب کہ ایک خاتون کے راہ راست پر آنے سے پورا معاشرہ شاہ راہ دین پر گامزن ہو جاتا ہے، خواتین کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی رحمت ﷺ نے شروع سے اصلاح خواتین پر زور دیا، آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کی نصیحت کے لئے مختص کر دیا تھا، عیدین کے موقع پر خواتین سے بھی خطاب فرماتے تھے، ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحی کے موقع پر آپ ﷺ عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک

---

(۱) بخاری باب العبد راع فی مال سیدہ، حدیث ۲۴۰۹

جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے (جو نماز کے لئے الگ گوشہ میں جمع تھیں) اوران کو مخاطب کر کے فرمایا اے عوتوں کی جماعت! تم صدقہ خیرات کیا کرو کیوں کہ میں نے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے (یہ سن کر) عورتوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! اس کا کیا سبب ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تکثر ن اللعن" تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو میں نے عقل و دین میں کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا یہ سن کر عورتوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک عورت کی گواہی آدھے مرد کی گواہی کے برابر نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے، اور کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جس وقت عورت حالت حیض میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ ہے۔(۱) موجودہ معاشرہ میں اصلاحی کوششوں کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہونے کی بنیادی وجہ اصلاح خواتین سے پہلوتہی ہے، بے پردگی، چست لباس، فیشن پرستی اور مردوں سے اختلاط عام ہے، جس کے برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں خواتین کو شرم وحیا کا پابند بنانا ضروری ہے۔

کسبِ حلال کی تاکید

معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک کلیدی اقدام معاشرہ کو حرام خوری سے محفوظ رکھنا ہے، حرام غذا کا عادی معاشرہ کبھی نیک اور صالح نہیں بن سکتا، قرآن مجید میں پیغمبروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا: "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" (المومنون) اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ آیت میں صاف اشارہ ہے کہ نیک بننے کے لئے حلال اور پاکیزہ غذا ضروری ہے، حلال کمائی اسی اہمیت کے پیش نظر نبیِ رحمت ﷺ نے کسب حلال کو فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں اصلاحی کوششوں کی ناکامی کی ایک وجہ حرام غذا کا ہونا ہے والدین اولاد کی بے راہ روی پر فکرمند ہوتے ہیں لیکن وہ اس پر غور نہیں

---

(۱) بخاری باب ترک الحائض الصوم، حدیث ۳۰۴

کرتے وہ خود اپنے بچوں کی حرام غذا سے پرورش کر رہے ہیں۔

اصولِ اصلاح کی رعایت

نبوی اصلاح معاشرہ مہم کی کامیابی کی ایک اہم وجہ اصول اصلاح کی رعایت ہے، اصلاح کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ وہ اصول اصلاح کی مکمل رعایت کریں آپ ﷺ اصلاح میں تدریج کا لحاظ فرماتے تھے، سارے احکام ایک ہی دفعہ لاگو نہیں کرتے تھے، نیز مخاطب کے حالات اور نفسانیات بھی ملحوظ رکھتے تھے، سارے افراد کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتے تھے، ہر ایک کے ساتھ اس کے حسب حال گفتگو فرماتے تھے، فرد کی اصلاح جماعت کی موجودگی میں نام لے کر نہیں فرماتے تھے، کتب احادیث میں رسول اکرم ﷺ کی تربیت کے نمونے بکثرت پائے جاتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا صحابہ نے کہا ارے ارے کیا کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا : اس کو پیشاب سے مت روکو اس کو چھوڑ دو، لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو چکا پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: مسجد پیشاب اور نجاست کی جگہ نہیں ہے، یہ تو اللہ کا ذکر نماز اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہے پھر ایک شخص کو حکم دیا جو ایک ڈول پانی لایا اور اس پر بہا دیا۔(۱)

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اصلاح کے لئے آپ اشخاص اور زمان ومکان کی بھرپور رعایت کرتے تھے، اعرابی اسلامی تعلیمات سے بالکل نابلد تھا تب ہی اس حرکت کا مرتکب ہوا آپ ﷺ نے اس کے طرز عمل سے اس کے دینی معیار کو بھانپ لیا پھر اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ فی زمانہ اصلاح معاشرہ کی مہم لے کر اٹھنے والے اکثر لوگ اصول اصلاح کی رعایت نہیں کرتے نتیجتاً اصلاحی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مصلح اعظم تھے آپ ایک کامیاب داعی تھے۔ بہت ہی مختصر عرصہ میں آپ ﷺ

---

(۱) ''فجأبدلو من ماءفشنه عليه''(مسلم باب وجوب غسل البول، حدیث ۲۸۵)

نے ایسی اصلاحی مہم چلائی کہ دور دور تک اس کے اثرات پہونچے اور دورِ جاہلیت کے خونخوار انسان اخلاق وانسانیت کے اوج ثریا کو پہونچ گئے، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنے منفرد اسلوب میں اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں: ''لیکن دنیا میں یہ انقلاب روحانی پیدا کردینا کہ کل تک جو رہزن تھے آج وہ اچھے رہبر ہی نہیں بلکہ بہترین رہبر بھی ہوجائیں، کل تک جن کی زندگی فسق وفجور کی نذر تھی آج وہ بلند ومقدس مرتبہ پر پہونچ جائیں کہ صداقت وپاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف حاصل ہوجائے، کل تک جو مردہ تھے آج وہ زندہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے والے بن جائیں، ایسے آفتاب کا طلوع جو ہر ذرہ کو آفتاب بنادے، ایسے مسیح کا نزول جو مردہ کو مسیح بنادئے اس کی نظیر دنیا میں بجز سرورِ دوعالم کے صحابیوں کے، بجز محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں کے اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟ نادانوں کا قول ہے کہ خاتم النبیین نے کوئی معجزہ نہیں رکھا حالاں کہ یہ پاک زندگی شروع سے آخر تک خود ایک معجزہ تھی، اس کا کوئی جزئیہ ایسا نہ تھا جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ نہ رکھتا ہو''۔

خاندانی زندگی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انسان کو دیگر جاندار مخلوقات سے جو چیز ممتاز کرتی ہے، وہ انسان کا مدنی الطبع ہونا ہے، انسان انس سے بنا ہے، بنی نوع انسانی سے نسبت اور لگاؤ اس کی فطرت میں داخل ہے، کوئی بھی فرد معاشرے سے کٹ کر تنہا زندگی نہیں گذار سکتا، چاہے عیش وعشرت کے سارے سامان فراہم ہوں، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت میں رکھا گیا تو وہ ہر قسم کی نعمتوں کے باوجود خود کو بے چین و بے قرار محسوس کرنے لگے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جن سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکون و قرار حاصل ہوا۔ انسان چاہے کسی بھی خطہ کا باشندہ ہو اور کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو اپنے خاندان اور افراد خاندان کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا۔ خاندان اور قبیلہ انسان کی فطری ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاندان ورشتہ داری کے نظام کو بطور نعمت کے ذکر فرمایا: ارشاد ربانی ہے:

وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و کان ربک قدیرا (۱)

وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا سسرالی رشتہ والا کردیا۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔

خاندان انسانی معاشرہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے سماج کو استحکام حاصل ہوتا ہے، نسلیں ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں، اخلاق وانسانیت کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ ہوتا ہے، جن معاشروں میں خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے، بالعموم وہ انحطاط کی طرف تیزی سے رواں دواں ہو جاتے ہیں، مادیت ولادینیت کے مغربی رجحان نے مغربی خاندانی نظام کو درہم برہم کرکے رکھ دیا ہے۔ مغربی خاندان تیزی کے ساتھ بکھرتے جارہے ہیں جن پر چوٹی کے مغربی دانشور تشویش کا اظہار کررہے ہیں، جہاں بیوی اور اولاد اور والدین کے رشتے اپنی معنویت کھوتے جارہے ہیں۔ مغربی معاشرہ کے افراد خاندانی رشتوں کو فرسودہ قرار دے کر سال

---

(۱) الفرقان: ۵۴

میں ایک دن منا کر خاندانی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے ہیں، خاندانی نظام کا بکھراؤ موجودہ انسانی معاشرہ کو درپیش ایک زبردست چیلنج ہے۔ اسلام چونکہ خاندانی استحکام کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے اس لئے اس کی تعلیمات میں خاندانی زندگی سے متعلق نہایت قیمتی ہدایات پائی جاتی ہیں، نیز پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں خاندانی زندگی سے متعلق بہترین اسوہ پایا جاتا ہے چونکہ آپ ﷺ کی سیرت انسانی زندگی کے سارے شعبوں کو محیط ہے، اس لئے خاندانی وعائلی زندگی بھی سیرت رسول کی رہنمائی سے خارج نہیں، خاندانی زندگی میں ایک انسان مختلف رشتوں میں بندھا ہوا ہوتا ہے، وہ بیک وقت اپنی اولاد کا باپ بھی ہوتا ہے، اور اپنے والدین کی اولاد بھی۔ وہ داماد بھی ہے اور خسر بھی، وہ کسی کا چچا تایا ہے تو کسی کا بھتیجہ۔ الغرض خاندان میں اس کی مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں اور ہر حیثیت اس کے لئے حقوق وفرائض کا ایک مکمل نظام رکھتی ہے، سیرت رسول ﷺ میں خاندانی زندگی کی ساری حیثیتوں کے لئے اسوہ ملتا ہے، خاندانی زندگی میں استحکام اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سارے افراد خاندان اپنی حیثیت کے حوالہ سے خود پر عائد ہونے والے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں، حقوق وفرائض کے درمیان توازن کی برقراری خاندانی تعلقات میں خوشگواری کا باعث ہوتی ہے۔ آیئے سیرتِ رسول ﷺ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح نبی رحمت ﷺ نے مختلف حیثیتوں سے خاندانی حقوق کی رعایت کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

اسوۂ رسول ﷺ بحیثیت بیٹا

انسانی تعلقات میں سب سے گہرا تعلق اولاد اور ماں باپ کا ہوتا ہے، اولاد پر ماں باپ کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے فوری بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے رضاعی والدین، اسی طرح اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک انتہائی سعادت مند بیٹے اور بھتیجے کا برتاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ محبت وعظمت کے اظہار میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کا گذر اپنے اصحاب کے ساتھ مقام ابواء کے پاس سے ہوا تو فرمایا اللہ تعالیٰ

نے محمد ﷺ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر آپ اپنی والدہ کی قبر تشریف لے گئے وہاں انہیں یاد کر کے بے اختیار رو پڑے، صحابہؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا مجھے ماں کی ممتا یاد آ گئی۔ اس لئے رو رہا ہوں۔(۱) آپ کو جب کبھی موقع ملتا، اپنی والدہ کا تذکرہ فرماتے تھے، ایک دفعہ بنی عدی کا مکان دیکھ کر فرمایا ایک ماہ تک اس میں والدہ کے ساتھ میرا قیام تھا، اس کے پاس تالاب کو دیکھ کر فرمایا اس میں والدہ کے ساتھ اترا تھا۔ حضرت ثوبیہ جنہوں نے حضرت حلیمہ سے پہلے آپ کو دودھ پلایا تھا، آپ انہیں اکثر کپڑے بھیجا کرتے تھے۔(۲) جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو ایک مرتبہ حضرت حلیمہ آپ کے پاس آئیں اور اپنے علاقہ کے پریشان کن حالات سنائے کہ قحط پڑا ہے اور جانور مر رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں چالیس بکریاں اور سامان لدا ایک اونٹ عطا کیا۔(۳) اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ والدین کے حقوق کی تاکید فرمائی۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت اور باپ کو جنت کا بیچ کا دروازہ قرار دیا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا جو کوئی اپنے والدین کو محبت بھری نظر سے دیکھے اسے ایک مقبول نفل حج کا ثواب ملے گا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اگر کوئی دن میں سو دفعہ دیکھے تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا اللہ کے خزانے بہت بڑے ہیں۔(۴)

بحیثیت باپ

ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہیئے، اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو فاطمۃ الزھراءؓ کے عظیم باپ کی سیرت پڑھئے۔ باپ کو اولاد سے بے پناہ محبت ہونی چاہیئے، باپ کی ذمہ داری ہے کہ جہاں وہ اولاد کی دنیوی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے وہیں ان کی دینی و اخلاقی تربیت پر

---

(۱) زار النبی ﷺ قبر أمه، فبکی وأبکی من حوله" (مسلم باب استئذان النبی ﷺ ربه عزوجل فی زیارۃ قبر امه، حدیث ۹۷۶)

(۲) ھاھنا نزلت بی امی (سبل الھدی والرشاد، الباب التاسع فی عدمه ۹/ ۳۹۶، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳) "وکان یبعث الی ثوبیة مرضعة لصلبه وکسوۃ" (الشفاء، الصلة وحسن العد ۱۲۶۱)

(۴) شعب الایمان، برالوالدین، حدیث ۷۴۷۲

بھر پور توجہ دے۔

آپ ﷺ نے نہ صرف حقیقی اولاد کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ فرمایا بلکہ منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ لوگ زید بن محمدؐ کہنے لگے، جب زیدؓ کے والد حارثہ انہیں لینے کے لئے آئے تو زیدؓ نے کہا کہ مجھے آزادی کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی غلامی زیادہ پسند ہے، پھر حضور ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر اپنا متبنیٰ بنالیا۔(۱)

اپنی بیویوں کی اس اولاد سے بھی محبت فرماتے تھے جو آپ ﷺ سے قبل دوسرے شوہروں سے ہوئی تھی، حضرت خدیجہؓ آپ سے پہلے دو شوہروں سے بیمار ہو چکی تھیں، جن سے انہیں اولاد بھی تھیں، جو اپنے ددھیال میں رہتی تھی، کبھی ان کا اپنی والدہ اور سوتیلے والد محمد عربی ﷺ کے یہاں آنا ہوتا تھا تو آپ ﷺ ان سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ وہ حد درجہ آپ ﷺ سے مانوس ہو چکے تھے۔ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ ان کے سابقہ شوہر کے لڑکے حضرت عمرو تھے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہتے تھے،آپ کو کل سات اولاد ہوئیں تین لڑکے اور چار لڑکیاں، لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے، البتہ لڑکیاں بڑی ہوئیں، اور ان میں بعض صاحب اولاد بھی ہوئیں۔آپ ﷺ کے ایک فرزند حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جب ان کی ولادت کی خوشخبری آپ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے خوشخبری دینے والے کو ایک غلام عطا کیا۔(۲)

اولاد کی نگہداشت ان کی پرورش کا حد درجہ اہتمام کی ضروریات فرماتے تھے ان کی زندگی کی بے حد فکر کرتے تھے، ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے کچھ روٹی اور سالن آپ کے پاس بطور ہدیہ کے بھیجا۔اس وقت آپ ﷺ نے کچھ ان صحابہ کو بھی بلوالیا جو بھوک سے نڈھال تھے، پھر روٹی کے اوپر کچھ گوشت رکھ کر حضرت فاطمہؓ کے یہاں بھیجا اور فرمایا کہ فاطمہ کے گھر والے بھی آج بھوکے ہیں۔[۳]

---

(۱)فاعتقه فتبناه (اسد الغابه، زید بن حارثه ۲/۳۵)

(۲)سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد فی عدد أولاده ۱۱/۱۶

(۳) یا أیوب أبلغ بهذا إلى فاطمة لأنها لم تصب مثل هذا منذ أیام (سبل الهدی والرشاد فی صفة عیشه فی الدنیا ۷/۱۰۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص کے نکاح میں تھیں، آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ نہ آسکیں، قریب ڈیڑھ سال کے بعد ان کے شوہر ابو العاص نے ایک معاہدہ کے تحت انہیں مدینہ منورہ روانہ کیا اور خود وہیں مقیم رہ گئے تھے، فتح مکہ سے قبل وہ قبول اسلام سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا، اور اس رات وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں مقیم رہیں۔(۱)

صاحبزادیوں کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔آپ نے اس لعنت کا خاتمہ فرمایا۔آپ نے ایک موقع پر فرمایا لڑکیوں سے نفرت نہ کرو میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔(۲)

اولاد کی پیدائش پر اظہارِ مسرت فرماتے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اولاد ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نام رکھا، عقیقہ کیا، اور بیٹی سے فرمایا فاطمہ! ان کے بال اتارو اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔(۳)

اسی طرح جب صاحبزادیاں شادی کی عمر کو پہنچیں تو آپ نے نیک شوہروں کا انتخاب فرما کر شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔اولاد کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنا ہار حضرت ہند بنت بصیر کو دکھلا رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اور یہ منظر دیکھ کر واپس لوٹ گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہار دے کر بازار بھیجا، انہوں نے ہار کو بیچ کر ایک غلام کو آزاد کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ بے حد خوش ہوئے۔(۴)

---

(۱) فاستجار بہا (الروض الانف ۵/۱۳۵، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) لاتکرھوا البنات (شعب الایمان، حقوق الاولاد حدیث ۸۳۲۸)

(۳) وتصدقی بزنہ شعرہ فضۃ (ترمذی باب العقیقۃ، حدیث ۱۵۱۹)

(۴) فباعت فاشترت غلاماً فاعتقہ (مسند اسحاق حدیث ۲۱۰۶)

بحیثیت شوہر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کے ذریعہ ایک کامیاب شوہر کا اسوہ پیش فرمایا۔ میاں بیوی خاندان کے دو اہم ستون ہوتے ہیں، خوشگوار ازدواجی زندگی مستحکم خاندان کی ضمانت ہوتی ہے۔

❁ رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی میں سے ہر ایک کو تلقین فرمائی کہ وہ دوسرے کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے، شوہروں سے کہا گیا کہ تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، اور بیویوں پر شوہروں کی اطاعت کی تاکید فرمائی۔ جہاں تک خود آپ ﷺ کے برتاؤ کا تعلق ہے، تو آپ ﷺ اپنی تمام ازدواج کے ساتھ ایسا برتاؤ فرماتے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اور ہر زوجہ یہ محسوس کرتیں کہ آپ مجھے زیادہ چاہتے ہیں، آپ منصب رسالت پر فائز ہونے کے باوجود ازواج کی ناز برداری فرماتے، ان کے ساتھ بے تکلفی کا مظاہرہ فرماتے تھے، آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اس قدر توازن تھا کہ ویسی زندگی ایک پیغمبر ہی سے ممکن ہوسکتی ہے، حضراتِ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عبادت کے لئے، دوسرا گھریلو ذمہ داریوں کے لئے اور تیسرا حصہ آرام وراحت کے لئے۔ آپ نبوت ورسالت کے منصب جلال پر فائز تھے لیکن لیکن گھر میں داخل ہوتے تو چہرہ متبسم ہوتا، مسکراتے ہوئے گھر میں قدم رنجہ ہوتے، سلام میں پہل کرتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو اہل خانہ کے درمیان اپنے لئے ممتاز مقام پسند نہ فرماتے، جب تک گھر میں رہتے کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے، آپ ﷺ ازواج مطہرات کی تعلیم وتربیت کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے، اپنی عملی زندگی سے انہیں اصلاح کی طرف متوجہ فرماتے، انصار ومہاجرین کی خواتین ازدواجی زندگی کے مسائل لے کر ازواج مطہرات سے رجوع کرتیں، اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرماتے۔ ایک طرف ازواج کے حقوق کا اہتمام ہوتا دوسری طرف اللہ اور اس کے دین کا مسئلہ آتا تو ذرہ برابر نرمی نہ کرتے، ازواج کے ساتھ مشغولیت آپ ﷺ کو کسی طرح اللہ سے غافل نہ کرتی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ

جب ہم میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہوتے تو اس قدر چاہت اور اپنائیت سے باتیں فرماتے کہ ہمیں خیال تک نہ گذرتا کہ آپ اولو العزم پیغمبر ہیں، مگر جب اذان ہوتی تو اذان کے پہلے بول کے ساتھ اس طرح بدل جاتے کہ یوں معلوم ہوتا کہ پہلے سے مختلف آدمی ہیں۔

اہل خانہ کے ساتھ حد درجہ اخلاق اور بے تکلفی کا معاملہ فرماتے بلکہ ان کی ناز برداری فرماتے، بیویوں کے ساتھ اس طرح اشتراک فرماتے کہ بعض دفعہ ان کا جھوٹا تک محبت سے کھا لیتے، (۱) اور ان کے درمیان پیش آنے والی باتوں میں برابر شریک ہوتے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے میں نے ایک خاص قسم کا کھانا تیار کیا اس وقت حضرت سودہ ؓ بھی موجود تھیں، اور سرکار دو عالم ﷺ دونوں کے درمیان تشریف فرما تھے، بے تکلفی کا ماحول تھا، میں نے حضرت سودہ ؓ سے کھانے کی گذارش کی تو انہوں نے انکار کر دیا میں نے پھر اصرار کیا، اور وہ انکار کرتی رہیں، اخیر میں میں نے کہا کھاؤ ورنہ میں اٹھا کر تمہارے منہ پر مل دوں گی، پھر بھی انہوں نے نہ مانا، تو حضرت عائشہ ؓ نے کھانا لیکر ان کے منہ پر لیپ دیا، نبی رحمت ﷺ بے تکلفی کے اس عالم کو دیکھ کر متبسم ہوئے پھر حضرت سودہ ؓ سے کہا تم بھی حضرت عائشہ ؓ کے منہ پر ملو تا کہ حساب برابر ہو جائے، چنانچہ سودہ ؓ نے ایسا ہی کیا (۲) اس طرح ایک بے تکلف شوہر کی طرح آپ ازواج مطہرات کی دلجوئی فرماتے تھے، ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرمائی تھی، ظاہری امور میں انصاف کی پوری رعایت فرماتے تھے۔ قلبی میلان میں کمی زیادتی پر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرماتے تھے کہ پروردگار جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے اس میں میری پکڑ نہ فرما۔ ۳) ازواج مطہرات کی ضروریات زندگی کا بھرپور خیال فرماتے تھے، مدینہ منورہ ہجرت فرمانے

---

(۱) كنت اشرب و انا حائض ثم انا وله النبى صلى الله عليه وآله وسلم فيضع فاه على موضع فى فيشرب. (صحیح مسلم، بحوالہ مشکوۃ شریف، ۵۶)

(۲) مسند ابی یعلی مسند عائشہ ؓ، حدیث: ۴۴۷۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے محمد بن عمر بن علقمہ کے، ان کی حدیث حسن ہے: مجمع الزوائد، باب عشرۃ النساء، حدیث: ۷۶۸۳)

(۳) عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم بين نسائه فيعدل ويقول اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك (سنن الترمذی کتاب النکاح عن رسول ﷺ باب ما جاء فی التسویۃ بین الضرائر، حدیث: ۱۱۴۰)

کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر سے فراغت ہوئی تو ازواج مطہرات کی رہائش کے لئے کمرے تعمیر کئے، ہر کمرہ لمبائی میں دس ہاتھ اور چوڑائی میں چھ سات ہاتھ سے بڑا نہ تھا۔(۱)

ابتدائی زندگی تو عسرت کی تھی، جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر زوجہ محترمہ کے لئے ۸۰ / وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو (اناج) سالانہ غلہ کے طور پر دیا جاتا جس کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔(۲) آپ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے اور ان کی ضروریات معلوم کرکے تکمیل فرماتے تھے، ازواج مطہرات سے بڑی محبت کرتے تھے، آپ نے امت کے مردوں کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے، بیوی کو دنیا کی سب سے بہترین متاع قرار دیا، ساری ہی ازواج سے محبت کرتے، کسی زوجہ کی زبان سے کسی دوسری زوجہ کی عظمت وشان کے خلاف کوئی بات سننا ہرگز گوارا نہ فرماتے لیکن یہ محبت دینی امور میں اصلاح وتربیت کے لئے مانع نہ بنتی تھی، خلاف شرع کوئی بات پیش آتی تو فوراً ٹوکتے۔

بحیثیت داماد

انسانی زندگی میں سسرالی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے، رسول اللہ ﷺ سسرال والوں کے لئے شریف داماد تھے، آپ نے گیارہ نکاح فرمائے، اس اعتبار سے آپ کے سسرالی رشتہ داروں کا سلسلہ طویل تھا، سبھی رشتہ داروں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ فرماتے، آپ نے اپنی خوش دامن صاحبہ حضرت ام رومان (زوجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے تعلق سے فرمایا کہ اگر کوئی دنیا کے اندر حور جیسی عورت کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔(۳)

---

(۱) طبقات ابن سعد

(۲) يعطى كل امرأة من نسائه ثمانين وسقا من تمر كل سنة (دلائل النبوة، باب ماجرى لعبد الفتح في الكنز ۱/۲۳۰، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) فلينظر إلى ام رومان (مستدرک حاکم، ذکر مناقب عبدالرحمن ۶۰۰۰:)

جب ان کا انتقال ہوا تو قبر میں اتر کر یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ ام رومان نے تیری راہ میں اور تیرے رسول کی خاطر کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں، تجھ سے پوشیدہ نہیں ۔(۱) اپنے خسر سیدنا ابوبکر صدیق کے تعلق سے فرمایا سوائے ابوبکرؓ کے کوئی اور نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو، اور اس نے بغیر ہچکچاہٹ کے اسے قبول کرلیا ہو ۔(۲)

آپ خسر محترم کی دلجوئی کا بڑا اہتمام کرتے تھے ۔اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی تو فوراً متنبہ فرمایا کرتے تھے ۔ایک دفعہ حضرت سیدنا ابوبکرؓ بیمار ہو گئے، تو حضرت عائشہؓ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے صحت فرمائی ۔

آپ کے ایک اور خسر حضرت عمر فاروقؓ تھے، آپ ﷺ ان کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ برتاؤ فرماتے تھے ۔

بحیثیت خسر

خسر کی حیثیت سے اپنے دامادوں کے ساتھ آپ کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا، آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور چاروں کا نکاح ہوا ۔آپ ﷺ کے سب سے بڑے داماد حضرت ابوالعاص تھے جو صاحبزادی حضرت سیدہ زینبؓ کے شوہر تھے، ابوالعاص کے ساتھ آپ نے بڑا کریمانہ سلوک فرمایا ۔ابوالعاص ۶ھ میں قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ تجارت کے مقصد سے ملک شام گئے تھے، اس وقت شام کی سرحد ایک پہاڑی علاقہ پر ابوبصیر اور ابوجندل پناہ گزیں تھے، انہوں نے اس تجارتی قافلہ کے سارے سامان کو ضبط کرلیا سوائے ابوالعاصؓ کے سب کو گرفتار کرلیا، ابوالعاصؓ مدینہ گئے جہاں دختر رسول ﷺ حضرت زینبؓ نے انہیں پناہ دی، جب آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے صحابہؓ سے کہا میری بیٹی نے جسے پناہ دی ہے بہتر ہے تم بھی اس کو پناہ دیدو ۔بلکہ صحابہ سے سفارش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان پر احسان کرکے ان کا مال لوٹا دو (۳) یہ داماد کے

---

(۱) لم یخف علیک مالقیت ام رومان فیک ورسولک (الروض الانف خبر الافک ۷/۳۴)

(۲) السیرۃ النبویہ لابن کثیر ۱۵۴/۲ ، دار المعرفہ بیروت

(۳) الروض الانف غزوۃ بدر الکبریٰ ۵/۲۷

حسن سلوک کی اعلیٰ مثال تھی، ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شرف دامادی حاصل ہوا۔ ان دونوں کے ساتھ پیغمبر اسلام کے حسن برتاؤ کے واقعات کتب سیرت میں بھرے پڑے ہیں، حضرت علیؓ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زیرِ کفالت تھے، نکاح کے آغاز سے اختتام تک آپ کی مکمل سرپرستی حاصل تھی، دامادوں کی اپنی بیویوں کے ساتھ کسی بھی طرح کی ناچاقی پیدا ہوئی تو خوش اسلوبی سے اسے حاصل کر لیتے۔

بحیثیت سرپرست خاندان

بحیثیت نانا اور سرپرست خاندان کے آپ نے تمام اہل خاندان چھوٹوں اور نواسوں کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا۔ ایک طرف شفقت تھی، دوسری جانب دین وشریعت کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی نہیں تھی، حضرت فاطمہؓ انتہائی چہیتی صاجزادی تھیں، آپ ان سے بے حد محبت کرتے تھے، لیکن قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون سے سرزد ہوئے سرقہ کے معاملہ میں جب اسامہ بن زیدؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفارش کی تو سخت ناراض ہوئے، چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ یہ فاطمہ مخزومیہ کا معاملہ ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ حرکت کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔(۱)

اس واقعہ سے سرپرست خاندان کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کسی طرح کی رواداری نہ برتے، اس واقعہ میں سفارش کرنے والے صحابی حضرت اسامہؓ جو آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے فرزند تھے، آپ کو دونوں سے بے انتہا محبت تھی، اس لئے لوگوں نے سفارش کے لئے اسامہؓ کا انتخاب کیا، اسامہؓ سے بے پناہ محبت کے باوجود دین کا معاملہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے فرمایا اسامہ! اللہ کی ایک حد کے تعلق سے سفارش کرنے آئے ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت نانا نواسوں کی تربیت اور ان کی تعلیم کا بے حد خیال فرماتے تھے، آپ

---

(۱) لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها(ترمذی باب ما جاء فی کراھیۃ ان یشفع فی الحدود، حدیث ۱۴۳۰)

کے نواسوں میں حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سے حضرت حسنؓ، حسینؓ، ام کلثوم و زینب پیدا ہوئے (۱) سیدہ زینبؓ سے علی بن عاص اور سیدہ امامہ پیدا ہوئیں، جبکہ حضرت رقیہ کے بطن سے عبداللہ بن عثمان پیدا ہوئے، آپ کی نواسی امامہ حالت نماز میں آپ کی گردن پر سوار ہوتی تھی۔ (۲) نواسوں اور نواسیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیکھ دیکھ کے واقعات کتب سیر و حدیث میں کافی پائے جاتے ہیں، آپ کے سب سے بڑے نواسے علی بن عاص پیدا ہوئے تو آپ نے عرب کی عادت کے مطابق رضاعت کے لئے ایک قبیلہ میں چھوڑا پھر اپنے یہاں رکھ کر ان کی پرورش فرمائی، فتح مکہ کے موقع پر یہی نواسے آپ کے ردیف تھے، بلوغ سے قبل ہی وفات پائی۔ (۳)

نواسوں کی تربیت کا بڑا اہتمام تھا حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ بچپن میں میں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لیا، آپ ﷺ نے فرمایا تھو تھو کو، میں نے پوچھا یہ محض کھجور ہی تو ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہم آل محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ کے جائز نہیں ہے۔ (۴)

رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ برتاؤ

آپ ﷺ نے اپنے چچیرے اور رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کا نمونہ پیش کیا۔ حضرت جعفر طیارؓ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، اولین اسلام قبول کرنے والوں میں تھے، پہلی ہجرت کے موقع پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے، فتح خیبر کے موقع پر جب مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آپ نے ان کا والہانہ استقبال کیا، معانقہ کیا، پیشانی کا بوسہ لیا اور ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر طیارؓ کی آمد کی زیادہ خوشی ہے یا فتح

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۲) وحملها في الصلاة (اسد الغابة، أمامة بنت أبي العاص ۲۰/۷)

(۳) لما دخل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يوم الفتح اردف عليا خلفه (اسد الغابة علي بن العاص ۱۱۸/۴)

(۴) أما شعرت أنا لا نأكل الصدقة (بخاری باب ما نذكر في الصدقة حديث ۱۴۹۱)

خیبر کی؟ پھر آپ نے انہیں اپنے مکان کے قریب رکھا۔(۱)

حضرت زبیر بن عوامؓ آپ کے پھوپی زاد بھائی تھے، فتح مکہ کے موقع پر جب ان کا قافلہ مکہ میں داخل ہوا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے، اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔(۲)

حضرت حمزہؓ کی صاجزادی سیدہ عمارہ آپ ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، والد کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں اپنے ننھیال میں رہائش پذیر تھیں، ۷ھ میں عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر جب آپ مدینہ لوٹنے لگے تو آپ ﷺ کو دیکھ کر پکارتی دوڑتی ہوئی آئیں، حضرت علی جعفر اور زید بن حارثہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے سیدہ عمارہ کی پرورش کا دعویٰ پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت جعفر کی پرورش میں دے دیا کیونکہ ان کی بیوی حضرت اسماء اس بچی کی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔(۳)

رسول اللہ ﷺ کی مثالی خاندان زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے رفیق محترم مولانا موسیٰ خان ندوی کی وقیع کتاب ''اسوۂ نبوی ﷺ اور خاندانی تعلقات'' کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے، زیر نظر مضمون میں استفادہ کیا گیا ہے۔ تفصیلی مطالعہ کے خواہشمند احباب اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے ہر شعبہ کے لئے نمونہ بنایا ہے، معاشرتی و خاندانی تعلقات انسانی زندگی کا ایک اہم ترین شعبہ ہے، فی زمانہ سیرت رسول کا اس پہلو سے مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ زندگی کا حقیقی سکون خوشگوار خاندانی تعلقات کے بغیر ممکن نہیں۔ بد قسمتی سے اس وقت سارے عالم پر مغربی تہذیب کا غلبہ ہے، جس کے اثرات بد نے خاندانی ادارہ کو ٹوٹ پھوٹ سے دو چار کر دیا ہے۔

---

(۱) وماأدری بأیهما أنا اشد فرحا (اسد الغابہ جعفر بن ابی طالب ۱/۵۴۱)

(۲) اسد الغابہ، زبیر بن العوام ۲/۳۰۷

(۳) السیرۃ النبویہ لابن کثیر ذکر خروجه علیه السلام من مکة ۳/۴۴۲، دار المعرفه بیروت

اختتامیہ

نَفَس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

روضۂ رسول پر حاضری دینے والوں کی قلبی کیفیات

نبی رحمت فداہ ابی وامی کی محبت اور آپ سے والہانہ عقیدت اساس ایمان ہے، یہ دراصل دین حق کی شرط اول ہے، اگراسی میں خامی ہوتو پھر سب کچھ نامکمل ہے، اہل ایمان کی نگاہ میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب چیزوں پر مقدم ہے، سچا مؤمن اپنے ماں باپ اہل وعیال ومنال حتی کہ خود اپنے نفس سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرتا ہے، اس محبت کا اثر یہ ہے کہ وہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی خاطر ہر چیز نچھاور کرنے کے لئے تیار ہوتا رہتا ہے، اور اسے اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہے، جس بندے کو عشق رسول کا سکّہ لگ جاتا ہے اس کے نزدیک دنیا ومافیہا ہیچ ہوجاتے ہیں، وہ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ نبی کی ایک ایک ادا اور ان کی ایک ایک سنت کی نقل کرکے انکی یاد کی شمع کو ہر وقت دل میں جلائے رکھتا ہے، نبی کی سنتوں پر مرمٹنا ناموس رسالت کی تحفظ کے لئے جان پر کھیلنا ان کے مبارک تذکرے سے اپنی محفلوں خلوتوں اور جلوتوں کو آباد رکھنا اور ہر دن درود وسلام کی سوغات ان کی خدمت میں بھیجنا اس کا معمول بن جاتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود اس کے جوش محبت کو قرار نہیں آتا اور اس کا دل بے چین وبے قرار رہتا ہے اور اسے اس وقت چین آتا ہے جب وہ روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوجاتا ہے، اور گنبد خضریٰ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کرتا ہے، زیارت مدینہ منورہ اور روضۂ اطہر پر حاضری ہر مؤمن کی دلی آرزو اور آخری تمنا ہوتی ہے، کیا امیر کیا غریب، کیا عالم کیا جاہل کیا حاکم اور کیا محکوم سب کا دل روضۂ اطہر پر حاضری کے لئے مچلتا رہتا ہے اور کیوں نہ مچلے؟

روضۂ اطہر کیا ہے؟

یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں فرشتے بھی آکے سلامی دیتے ہیں جہاں کا ہر ذرہ رشک تِقدیس حرم ہے اور جو بقول عزت بخاری زیر سماں عرش سے زیادہ نازک مقام ہے۔

اِدب گاہے ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفَس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

جہاں تن من میں اجالوں کی بارات اترتی ہے جس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ بقول شاعر ''افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے'' اور جس کی تعظیم و تقدیس کا یہ عالم ہے کہ کہنے والوں نے یہاں تک کہدیا

لے سانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ہے
کوچہ حبیب ہے پلکوں سے چل کے آ
اس کوچے سے آگے نہ زماں نہ زمیں ہے
آئے نہ تیرے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

جہاں پہنچ کر عاشقوں نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا

''جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب
معلوم یہ ہوتا تھا سرِطور چلے ہیں''
پلک پلک پے سجاؤں مسرتوں کے چراغ
تمنا ہے کہ فوراً بحق تسلیم ہو جاؤں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں کیفیت ہے

جس کے راستے کے بارے میں کہنے والوں نے کہا:

یہ وہ راستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے
اس کی بلندی کا اعتراف کسی نے

زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے کہہ کر کیا تو کسی نے کہا

اس زمین کی خاک پر عرش معلی بھی نثار

روضۂ اطہر کیا ہے؟ یہ وہ مقام مقدس ہے، جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح و شام نازل ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں، جہاں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے، ایک نیکی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ہے، جہاں سو میں نوے رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جہاں کا دربار فیض بار

ہے، جہاں شفاعت واجب ہوتی ہے، جہاں جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے، جہاں تمام افکار وہموم دفع ہو کر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، جہاں سلام کرنے سے حضور بذات خود جواب دیتے ہیں، جہاں کا روضۂ مبارک عرش معلی سے بھی افضل ہے، جہاں فوت ہونے والا حضورؐ کی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے، جہاں دل کا گلستان کھل اٹھتا ہے، مردہ چہرہ کو روشنی اور قلب کو تسکین ملتی ہے، جہاں آنسو محبت واحترام کے انداز سیکھتے ہیں، جہاں دھڑکنیں شکر وسپاسی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، قدم رکھ جاتے ہیں، سر جھک جاتے ہیں، تاریک دل روشن ہو جاتے ہیں، زبانیں ندامت گناہ اور احساس خطا سے گنگ ہو جاتی ہے، زندگی پشیماں ہو جاتی ہے، اعمال نادم اور خطائیں شرمندہ ہو جاتی ہیں، روح کی آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں، تقدیر بدل جاتی ہے، مقدر جاگ جاتا ہے، التجائیں آنسوؤں کا روپ دھار لیتی ہیں، آسمان سر جھکاتے ہیں، یہاں انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے، ہر سمت ورفعنا لک ذکرک(۱) کی تاثیر وتصویر نظر آتی ہے،" ہر طرف باادب باملاحظہ ہوشیار "اور" اے رہرواں شوق یہاں سر کے بل چلو" کی منادی ہوتی ہے، یہاں زمانے کے نامور اہل تخت وتاج اور وقت کے حاکم سر بہ خم نظر آتے ہیں، اور ارباب خرد سرگشتہ وحیران ہیں، شوق ومحبت ہم نشیں ہو جاتا ہے، بصارت بصیرت ہو جاتی ہے، رخ قبلہ کے جانب اور دل سوئے محمدؐ ہو جاتا ہے، جذبۂ بے شمار، جسم سراپا نیاز، اور دھڑکنیں بے اختیار ہو جاتی ہیں، یہاں ذرے ذرے میں ایک خزینہ پنہاں ہے، فرش سے عرش تک ضیاؤں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے، یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے جنت زمین پر اتر آئی ہے۔

بے شک وہ روضۂ رسول جو مرکز انوار وتجلیات اور مبدأ فیوض وبرکات ہے، جو قلب ونظر کی معراج اور نور وتجلی کا پیکر ہے، جس کی زیارت سے ایک مومن کو رقت وسوز کی دولت میسر آتی ہے، نگاہوں کا میل دھل جاتا ہے، قلوب مجلی، ذہن مصفیٰ اور باطن منزہ ہو جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے روضۂ پاک کی زیارت کے لئے کون محروم القسمت ہوگا جو بے چین نہ رہتا ہو، کون بدنصیب ہوگا اس گنبد خضریٰ کی دید کی آرزو نہ رکھتا ہو، جس کے لئے آسمان کی بلندیاں سرنگوں ہونے کو فخر سمجھتی ہیں اور

---

(۱) الم نشرح: ۴ (۲) مقدمہ" دربار رسالت میں"

جس سے ہمیشہ نور کی شعاعیں پھیلتی اور پھوٹتی نظر آتی ہیں اور روشنی کے دھارے بہتے رہتے ہیں جو قلب وروح کی کیف اور نظر کو سرور بخشتے ہیں، زیارت روضۂ رسول کی آرزو تو ہر دل میں مچلتی رہتی ہے لیکن وہاں حاضری کی توفیق انہی خوش نصیبوں کو ملتی ہے جن کی قسمت یاوری کرتی ہے، جو لوگ اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوتے وہ بالواسطہ ہی سہی ان خوش نصیبوں کے تأثرات سے اپنے دلوں کو منور کر لیتے ہیں جنہیں یہ دولت نصیب ہوئی ہے، روضۂ رسول کی زیارت سے مشرف ہونے والوں پر کیا کیفیت طاری تھیں اور جب وہ مواجہ شریف میں پہونچے تو ان کے کیا احساسات تھے، اس کی تفصیلات جاننا اور ان کا مطالعہ کرنا بھی کچھ کم کیف وسرور اور فرحت وانبساط کا باعث نہیں ہے، ان کے تأثرات پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم خود روضۂ رسول ﷺ کے سامنے کھڑے ہوں آنکھوں سے آنسوں کی لڑیاں رواں ہوتی ہیں اور دل میں زیارت کی تمنا مچلنے لگتی ہے، اور قلب میں محبت رسول کی چنگاریاں شعلۂ جوالہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، گزشتہ ایک صدی کے عرصہ میں برصغیر ہند وپاک سے شعراء، ادباء، مصنفین، علماء اور نامور شخصیات کی ایک بڑی تعداد حج وزیارت سے مشرف ہوئی اور واپسی پر انہوں نے اپنے تأثرات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، یہ تاثرات ہند وپاک کے مختلف اخبار وجرائد میں شائع ہوئے اور بعض نے تو باقاعدہ سفر حج کی شکل میں کتاب مرتب فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب متین خالد صاحب کو کہ انہوں نے اس قسم کے منتشر تاثرات کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ مختلف اخبارات وجرائد اور کتابوں کی چھان بین کر کے انہیں کتابی شکل میں شائع کیا، ذیل میں متین خالد صاحب کی کتاب ''دربار رسالت میں'' سے چند مشاہیر اقتباسات اس مقصد سے ہدیۂ ناظرین کئے جا رہے ہیں کہ قارئین میں سے چند نے بھی ان اقتباسات کو پڑھ کر دل میں عشق رسول کی شمع روشن کر لی اور ان کے دل میں عشق رسول کی چنگاری بھڑک اٹھی تو اس مضمون کی قیمت وصول ہے، عشق رسول ہی اس امت کے افراد کا اصل سرمایۂ حیات ہے۔

سید ابوالخیر کشفی کی کیفیتِ حاضری

پاکستان کے معروف ادیب اور محقق سید ابوالخیر کشفی روضۂ رسول پر حاضری کے وقت ان پر کیا کیفیت طاری تھیں انہیں ان الفاظ میں سپرد قرطاس کرتے ہیں:

''پہلے دن نمازِ فجر کے بعد روضۂ مبارک پر جو کچھ بیتی وہ مجھے یاد نہیں اگر یاد بھی ہے تو اس کا تعلق حرف و بیان کی دنیا سے نہیں، سامنا کس کا تھا؟ وہ جو قرآن کے حروف مقطعات کے نقاب میں چھپ کر بھی کس قدر نمایاں ہے، وہ جو اول ہے، اور آخر بھی، وہ وقت کا معیار ہے اور ازل سے ابد تک سارا مرحلہ اس کی ایک سانس کی مسافت ہے، عصر کی نماز کا دامن نمازِ ظہر سے بندھ گیا، یہ پوری مدت حرم مصطفی میں گذری، گرمی کی وجہ سے جب بعض ساتھیوں کو نیند آئی تو میرے لب روضۂ رسول کی جالیوں پر تھے، میری آنکھیں بند تھیں اور ان بند آنکھوں پر آنسوؤں کی جھالروں کے پیچھے زمان و مکان، یہ اور وہ سب دم بخود تھے، صدیاں گزر گئیں اور حرم مصطفی کی خاموشیوں کو کوئی آواز مجروح کرنے کی جرأت نہ کر سکی''۔

مولانا ابو القلم خاموش کے تأثرات

مولانا ابو القلم خاموش فتح پوری کے تأثرات سنئے:

''روضہ کی جالیوں سے لگ کر سلام پڑھنا شروع کیا تو میرا حال ایسا ہو گیا جیسے کسی نے بے خودی طاری کر دی ہو، کچھ ہوش نہ رہا کہ عاصی کیا پڑھ رہا ہے، مجھے یوں خیال آیا کہ میں کون ہوں؟ میرے اعمال کیا ہیں؟ یہ کس کا دربار ہے جہاں میں حاضر ہوں آنسوؤں کا ایک دریا بہہ نکلا، آواز بلند ہو گئی، ہچکیاں بندھ ہو گئیں، کلیجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل جاؤں، دل چاہتا ہے کہ مجھے باہر نکال، میں تڑپ کر نثار ہو جاؤں، وہ رونا عجیب کیفیت کا رونا تھا، جب مجھ جیسے سیاہ کار یہ حال ہوا تو اللہ والوں اور نیک بندوں پر کیا واردات گزری ہو گئی''۔

امجد حیدر آبادی کے تأثرات

حیدر آباد کے مشہور شاعر امجد حیدر آبادی اپنا تأثر یوں بیان کرتے ہیں:

''باب الرحمۃ سے ہوتے ہوئے جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے نماز ادا کی، فیروز صاحب نے کہا: چلئے سلام کے لئے چلئے، وہ ہاتھ پکڑے اس طرح کھینچ رہے تھے جیسے کوئی سپاہی کسی سنگین مجرم کو شاہی دربار میں لے جاتا ہو، پاؤں من من بھر ہو گیا ہے، نہ بھاگ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں،

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا، دل دھک دھک کر رہا ہے، اس طرح کشاں کشاں سر جھکائے گردن ڈالے دونوں ہاتھ پھیلائے قبلہ کے رخ سے پائیں اقدس پر پہونچ کر پاؤں پھر رک گئے، اب تو قدم بالکل نہیں اٹھتا، سوچ رہا ہوں مواجہ شریف کیا صورت لے کر جاؤں، یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب غش کھا کے گرا جاتا ہوں، طاقت دیدار رخصت ہو رہی ہے، دنیا کی خبر نہ مافیہا کی۔

گم ہیں خرد وحواس عنقاء کی طرح
دل ہوگیا صاف ان کے کف پا کی طرح
گر نورِ خدا نہیں ہے جلوہ ان کا
پھر کیوں مجھے غش آگیا موسیٰ کی طرح

کل تک تو دل میں ہزاروں تمناؤں کا ہجوم، لاکھوں آرزوؤں کا محشر تھا، آج ایک بات بھی یاد نہیں، نہیں معلوم بھول گیا یا بھلا دیا گیا، یکا یک غیبی طاقت نے مدد فرمائی اور قرآن کریم کی آیات کریمہ یاد آئے، ان آیات قرآنی کے اثر سے جسم میں طاقت، دل میں توانائی آگئی، ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، سنہری جالی پر نظر پڑی، جالی کے پردے پر کچھ حروف بنے ہوئے معلوم ہوئے، ان جملوں کی تاثیر اور جذبِ حقیقی نے مقدس جالی کے قریب تو کھینچ لیا، دل پر کسی نے ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا، خوف کا اثر دل سے بالکل زائل ہوگیا، دریائے رحمت جوش وخروش کے ساتھ خفتگان بخت کو چھلٹے دے دے کر جگا رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہر طرف سے پیغام لاہوتی لا رہی تھی، ہر جھونکے میں درود کی آواز آرہی تھی، محمد رسول اللہ عرش بریں پر جانے والے، روحانیت کے شہنشاہ، طالبان دید وتسکین کے لئے تنام عینی ولا تنام قلبی فرماتے ہوئے اب بھی اس مادی دنیا میں آرام فرما رہے ہیں، بقعۂ نور سے چھن چھن کر نکلنے والی نور کی کرنیں مشاقان جمال کے دیدہ دل کو پرنور کر رہی ہیں، جالی شریف کا ہر حلقہ صاحبان بصیرت کے حلقۂ چشم سے ہم چشمی کر رہا ہے، جذبات کا حال کچھ یوں تھا۔

روضۂ پاک کی تجلی ہے
طور سینا ہے اپنے سینے میں

سفر حج کا ماحصل ہے یہ
کعبہ والا ملا مدینہ میں

حافظ افروغ حسن کا تاثر

حافظ افروغ حسن اپنا تاثر لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کی جناب میں سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے دل اور روح کو جو تسکین ملی اس کے بیان کی انسان کے ایجاد کردہ الفاظ وفقرات میں نہ تاب ہے اور نہ ان میں اتنی وسعت، روح محسوس کر رہی تھی کہ مجھ ناچیز کے سلام کا جواب حضور ﷺ کی بارگاہ رحمت سے برابر آرہا ہے، کتنا کرم تھا ان کا اپنے گناہ گار امتی پر، کتنی عنایت تھی ان کی اپنے خطا کار غلام پر، ان کی نظر محبت سے دل کو حصہ مل رہا تھا، نہایت ادب اوحترام کے ساتھ دل نے عرض کیا، حضور! آپ کا غلام آپ کے در پے حاضر ہے، نظر کرم کا متمنی وہ آپ کا ایک نالائق مہمان ہے، مگر بارگاہ ایزدی میں آپ کی شفاعت کا امیدوار ہے آپ قاسمِ جود وعطا ہیں اس لئے وہ بھی فیض ورحمت کا طلبگار ہے''

بشریٰ اعجازی کی زبان کا تاثر

روضۂ رسول ﷺ پر حاضر کے وقت دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے، بشریٰ اعجازی کی زبانی سنئے!

''جھکی نظریں اٹھنے کی ہمت نہ پاتی تھیں، سر در محبوب کو سلامی دے رہا تھا، وجود خود سے آشنا ہو چکا تھا، نہ جانے وہ کیا کیفیت تھی کہ اب تک اسے بیان کرنے کے لئے لفظ نہیں مل سکے، لفظوں کی دنیا میں جیسے کال پڑ گیا ہو، پھر سوچتی ہوں کہ الفاظ کی قسمت میں اتنی رسائی کہاں کہ وہ اس کیفیت تک پہونچ سکیں، وہ کیفیت شاید اظہار کا روپ دھار ہی نہیں سکتی، وہ صرف اور صرف محسوس کرنے کی کیفیت، وہ ماضی، حال، اور مستقبل کے زمانوں سے ہٹ کر لافانی زمانوں میں کھو جانے والی کیفیت، اس کیفیت کا کوئی نام نہیں، مگر وہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے، اس کیفیت نے اس قدر جکڑا کہ آس پاس سے قطعی بے خبر ہو گئی، دراصل رنگین لمحوں میں یوں رنگی کہ

زیست کے تمام رنگ پھیکے پڑ گئے، زندگی زندگی سے یوں گلے ملی کہ تمام جسم وروح کی تھکن مٹنے لگی، تن کے سب آلام فنا ہو گئے"

حافظ خالد لدھیانوی کی منظر کشی

حافظ لدھیانوی روضہ پر کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

"حرم نبوی میں داخل ہوتے ہی خوشبوؤں کا ایک تیز جھونکا آیا، جس سے سارا جسم معطر ہو گیا، یہ مقدس جگہ کائنات کے جمال کا مرکز ہے، خانۂ کعبہ کے بعد کونین میں اس سے افضل جگہ کوئی نہیں ...... یہی وہ روضۂ اطہر ہے جس پر ستر ہزار فرشتوں کا نزول طلوع آفتاب کے وقت ہوتا ہے، ستر ہزار ملائکہ غروب آفتاب کے وقت حاضری دیتے ہیں، یہی وہ دربار ہے جس کی سخاوت کائنات پر محیط ہے، یہی وہ چشمۂ نور ہے جس کے جلوؤں سے سارا جہاں روشن ہے، یہی وہ مہر نبوت ہے جس کی کرنوں سے دنیا کے ظلمت کدے منور ہوئے، یہی وہ آستانہ ہے جو دلوں کو سرور، نگاہوں کو کیفیت حضور بخشتا ہے، یہی وہ دربار ہے جہاں منگتوں کی جھولیاں بھری جاتی ہیں"۔

حافظ لدھیانوی جب گنبد خضریٰ کا دیدار کرتے ہیں تو ان کا قلم یوں گویا ہوتا ہے:

"یہ وہ گنبد خضریٰ ہے جس کی یاد دلوں کے آبگینوں میں آنسو بن کر چھلکتی ہے، یہی گنبد مبارک، ایک عالم کی تمناؤں کا مرکز، ذوق وشوق کا آئینہ اور بے تابی اور اضطراب کا مظہر ہے، اسی گنبد خضریٰ کی حسرت دید میں شعرائے عرب وعجم نے دلوں کے ولولوں، روحوں کے اشتیاق کی ترجمانی کی ہے، ان کی فکر کی بلندی اور تخیل کی پرواز نے اسے ہزار انداز سے بیان کیا ہے، اور اس جلوۂ محبوبی کی فکر کے حسین پیرایے میں ایسا سجایا کہ پڑھنے والا عالم خیال میں روضۂ اطہر کی حاضری کا لطف لینے لگتا ہے، اس کے ذکر سے کیسی کیسی تمنا دل کے نہاں خانے میں حسرت بن کر پھیل جاتی ہے، کتنے آنسو دعا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔(۱)

---

(۱) دربارِ رسالت میں: ۷۲

ریاض حسن چودھری کی حاضری

اور عاشق رسول ﷺ ریاض حسن چودھری کو دیکھئے، جب وہ مدینۃ النبی میں داخل ہوئے، اور دیوانہ وار گلیوں میں آگے بڑھ رہے تھے تو ان پر کیسی کیفیت طاری تھی، لکھتے ہیں:

''ان گنت تمناؤں، آرزوؤں، حسرتوں اور خواہشوں کی خلعت فاخرہ میں لپٹا ہوا ایک روشن اور منور دن، کلیوں کی شرماہٹ کا تابندہ احساس لئے ہوئے، ایک جھلملاتا ہوا بدن، میری حیات مستعار کے ناقابل فراموش اور یادگار لمحات کا حامل قلبی کیفیات میں ڈوبا ہوا ایک شگفتہ اور گداز دن، ایک عجیب سا کیف ایک عجیب سا سرور اور ایک عجیب سا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا، حد نظر تک پھیلا ہوا ایک دلنواز اور دلآویز منظر مجھے میرے سفر کا احساس دے رہا تھا، اور میری کائنات شعور کو لمس اثبات سے ہمکنار کر رہا تھا، چاروں طرف انوارات سرمدی کی بارش ہو رہی تھی، نور کا باڈا بٹ رہا تھا، عمرہ کی ادائیگی اور حرم کی سرزمین پر سجدۂ بندگی ادا کرنے کے بعد میں مدینۃ النبی کی خاکِ شفا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا، ایک دیوانہ اپنے سرہانے غلامی کی زنجیر رکھ کر سونے والا دیوانہ اپنی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر چھپائے ہوئے، ہونٹوں پر درود وسلام کے گجرے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر عشق مصطفی کے چراغ جلائے دیوانہ وار شہر حضور ﷺ کی معطر و معنبر اور مقدس گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا، اس کے ڈگمگاتے قدم آہستہ آہستہ مسجد نبوی کی جانب اٹھ رہے تھے، احساس ندامت قدم قدم پر دامن گیر تھا، ماتھے پر عرق انفعال کے چمکتے ہوئے قطرے خطاؤں اور گناہوں کی ایک طویل داستان بیان کر رہے تھے، یہ روز روز عید تھا، پلکوں پر اشکوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا، یہ عید میرے لئے اربوں، کروڑوں عیدوں سے بڑھ کر ایک ایسی عید تھی کہ جس کے دامن میں روز اول سے میرے سلگتے ہوئے آنسو جذب ہو رہے تھے، اور میں نے وادیٔ خیال میں پیدا ہونے والے جلال و جمال کی تمام تر رعنائیاں جس عید کے انتظار میں پلکوں کی دہلیز پر نثار کر دی تھیں، آنکھوں نے پلکوں پر آنسوؤں کی کیاری سی لگا دیئے تھے، حریم دیدہ و دل میں چراغاں ہو رہا تھا، دھنک کے ساتویں رنگ ادب و احترام کی قندیل تھامے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، کشت آرزو میں باد بہاری چل رہی تھی، شمیم خلد مدینہ چاروں طرف

محوِخرام تھی، قریۂ جاں کسی دور دراز گوشہ سے ایک کمزور سی آواز بھری اس کمزور سی آواز نے میرے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا، ریاض! تمہارے نامہ اعمال میں رسوائیوں اور بداعمالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں، تیری فردِ جرم بڑی طویل ہے، تیری دونوں ہتھیلیوں پر اس فردِ جرم کے اوراق دھرے ہوئے ہیں اور اس میں تیرے ایک ایک جرم کی تفصیل درج ہے، ریاض! تیرا سینہ منافقانہ ساعتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، تیرے من میں لذتوں کا لاوا کھول رہا ہے، تیرے ظاہر و باطن میں ہر طرف کثافت اور غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، تمہاری یہ ہمت کہ والیٔ کون و مکاں کے دربارِ گھربار میں چلے آئے ہو، کیا منہ لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں جا رہے ہو؟ بندۂ گستاخ رک جاؤ، میں سہم گیا، قدم رک گئے، ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوند گیا کہ میں لاکھ برا سہی، لیکن پھر بھی اپنے شفیق اور مہربان نبی کا امتی ہوں، میرے آقا پیکرِ عفو و کرم ہیں، سب کے زخموں پر مرہم رکھنے والے حضور مجھے بھی رحمت کی شال عطا کریں گے دل نے پھر ایک بار ٹوکا ریاض! سنبھل کر قدم رکھ، یہ سرزمین محبوبِ خدا کی ہے، دریا دل کا ہر منظر کشورِ روح کا ہر پیکر کیفِ حضوری میں ڈوب گیا، ہر موئے بدن حرفِ سپاس بن گیا، نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، اور ہاتھ دعا کے لئے پھیل گئے، اے قادرِ مطلق، اے بنجر زمینوں کی طرف کالی گھٹاؤں کو حکم دینے والے رب، میرے پلکوں پہ جھلملانے والے تشکر کے آنسوں قبول فرما، اے میری سانسوں کے مالک! میں تیرے محبوب کے دربار میں حاضری کے آداب سے واقف نہیں ہوں، میرے ذوق اور میرے شوق کو حدِ ادب میں رکھ، میرے اضطراب کو خوفِ تحمل عطا کر، دل نے آہستہ سرگوشی کی ''یہاں سانس بھی آہستہ لے، یہ شہرِ نبی ہے'' دیکھ حضور ﷺ انہی فضاؤں میں سانس لیا کرتے تھے، ان کی مقدس سانسوں کی خوشبو آج بھی ان فضاؤں میں رچی بسی ہے، ساری عمر ارادے باندھتا رہا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں پہونچ کر اپنی ساری تمنائیں طشتِ دیدہ و دل میں سجا کر پیش کر دوں گا، عرض کروں گا کہ آقا آپ کے غلاموں کے وطن کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے، حضور ﷺ میرا مشرقی پاکستان شازشوں کے بھنور میں ڈوب گیا ہے، آقا ﷺ! غلاموں کا آشیانہ شاخِ نازک پر لرز رہا ہے، حضور شرمسار ہوں کہ اب میرے وطن سے آپ کو ٹھنڈی ہوائیں نہیں آتیں، ہم آپ کی تعلیمات کو بھول چکے

ہیں، تارک قرآن ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، ہم نے اخلاق کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے، اپنی ثقافتی اقدار کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے بجائے انہیں ہم نے عجائب گھروں کے شفاف شوکیسوں میں سجا رکھا ہے، حضورؐ ہم اپنی تاریخ ہی نہیں اپنے جغرافیہ کے بھی قاتل ہیں، صنم خانے ہماری سوچوں کے نگر میں آباد ہیں، کشور دیدہ و دل میں دھول اڑ رہی ہے، ہر زاویہ نگاہ تشکیک کی گرد میں لپٹا ہوا ہے، ہم نے اپنے ذہن میں جھوٹی انا کی گمراہیوں کی مسند بچھا رکھی ہے، ہم نے تاج ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے عاصیوں کو اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے، ہم وہ بد بخت ہیں جو فلسطین، بوسنیا اور دیگر ممالک کی بیٹیوں کے سر پر تحفظ کی ردا نہ دے سکے، ان کی عصمتیں سر بازار لٹتی رہیں لیکن ہماری غیرت ایمانی پر مسلسل برف گرتی رہی، حضورؐ ہم آپ کے مجرم ہیں، حضورؐ ہم آپ کے مجرم ہیں، سوچا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں وطن کی ہواؤں کا سلام پیش کرنے کے بعد گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر سلام عرض کروں گا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے گھرانے کا ایک ایک بچہ ہاتھ اٹھا کر سلام کہہ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کی کنیزیں گلاب کی سرخ پتیاں لے کر دست بستہ کھڑی تھیں، آقا! غلام زادے سر تا پا حرف سپاس بن کر سلام پیش کر رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے گھر کے در و دیوار بھی سلام کہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرا قلم میری تنہائیوں کا ساتھی، حضورؐ! ہم دونوں مل کے آپ کی محبت کے چراغ جلایا کرتے تھے، حضورؐ! اس ٹوٹے ہوئے قلم کو میں اپنے ساتھ لایا ہوں ورق ورق پر سجدے لٹانے والا قلم، حضورؐ! سلام عرض کرتا یہ لیکن تمام تمنائیں اور آرزوئیں سیل اشک میں بہہ گئیں، ممکن ہے عالم بے خودی میں زبان حال سے یہ سب گزارشات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گذار بھی کر دی ہوں لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا جیسے زبان پر تالے پڑ گئے ہیں، لفظ لڑکھڑا رہے ہیں، جذبات کی بیساکھیاں ٹوٹ رہی ہیں جملے آنسوؤں میں تحلیل ہو رہے ہیں آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی، اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی‘‘۔

فہرست مآخذ

۱	القرآن الکریم	
۲	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین أبی الفداء إسماعیل بن کثیر الدمشقی
۳	تفسیر روح البیان	محمود شکری الآلوسی البغدادی
۴	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری
۵	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج بن مسلم نیشاپوری
٦	سنن ابو داؤد	سلیمان بن اشعث سجستانی
۷	الفصول فی سیرۃ الرسول	اسماعیل بن عمر الدمشقی
۸	البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمر الدمشقی
۹	سنن الترمذی	أبو عیسی محمد بن عیسی الترمذی
۱۰	سنن النسائی الکبری	أحمد بن شعیب النسائی
۱۱	سنن ابن ماجۃ	محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی
۱۲	مسند احمد	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل
۱۳	مستدرک حاکم	محمد بن عبد اللہ حاکم نیساپوری
۱۴	موارد الظمان الی زائد ابن حبان	ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی
۱۵	موطأ الامام مالک	مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحی
۱٦	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	علی بن أبی بکر الہیثمی نور الدین
۱۷	الترغیب والترہیب	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری
۱۸	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی
۱۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی

۲۰	مسند ابی ہریرہؓ	
۲۱	الطبقات الکبری	عبد الوہاب الشعرانی
۲۲	مسند اسحاق بن راھویہ	امام اسحاق بن ابراھیم بن راھویہ
۲۳	المعجم الأوسط	أبو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی
۲۴	الجامع لشعب الایمان	أحمد بن الحسین بن علی بن موسی البیھقی
۲۵	سنن البیھقی الکبری	أحمد بن الحسین بن علی بن موسی البیھقی
۲۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن أحمد الطبرانی
۲۷	سنن الدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی
۲۸	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	العلامۃ علی بن سلطان محمد القاری
۲۹	الجامع الصغیر	عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی
۳۰	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار المدنی
۳۱	مسند البزار	أبو بکر أحمد بن عمرو البزار
۳۲	سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد	محمد بن یوسف الصالحی الشامی
۳۳	الروض الأنف	عبد الرحمن بن عبد اللہ المالکی
۳۴	أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	أبو الحسن علی بن أبی الکرم ابن الاثیر
۳۵	دلائل النبوۃ	إسماعیل بن محمد بن الفضل التمیمی الأصبهانی
۳۶	سیرت ابن ہشام	عبد الملک بن ہشام الحمیری
۳۷	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
۳۸	فتح الباری بشرح صحیح البخاری	أحمد بن علی بن حجر العسقلانی

۳۹	الشفا بتعریف حقوق المصطفی	القاضی عیاض
۴۰	السیرۃ النبویۃ	اسماعیل بن عمر الدمشقی
۴۱	حاشیۃ السندی علی البخاری	محمد بن عبد الهادی سندھی حنفیؒ
۴۲	جلاء الافہام	محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ
۴۳	الصارم المسلول علی شاتم الرسول	أحمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن تیمیۃ
۴۴	مدارج السالکین	ابن قیم الجوزیۃ
۴۵	إعلام الموقعین عن رب العالمین	محمد بن أبی بکر ابن قیم الجوزیہ
۴۶	خلق المسلم	محمد الغزالی
۴۷	سیر أعلام النبلاء	شمس الدین الذہبی
۴۸	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم اصفہانی
۴۹	الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع	احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی
۵۰	مکارم الأخلاق	عبد اللہ محمد عبید البغدادی أبو بکر ابن أبی الدنیا
۵۱	المقاصد الحسنۃ	شمس الدین أبو الخیر محمد بن عبد الرحمن السخاوی
۵۲	الأدب المفرد	محمد بن إسماعیل بن إبراہیم البخاری
۵۳	الاحکام فی أصول الأحکام	أبو محمد علی بن أحمد الظاہری
۵۴	حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی أمتہ	محمد بن خلیفۃ بن علی التمیمی
۵۵	سیرۃ حلبیہ	علامہ علی ابن برہان الدین حلبی
۵۶	سیرۃ النبی	علامہ شبلی نعمانی مولانا سید سلیمان ندوی
۵۷	حیاۃ الصحابہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
۵۸	أدب الاختلاف فی الاسلام	طہ جابر فیاض العلوانی

۵۹	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم ہندوشاہ استرآبادی
۶۰	معجزۃ القرآن	الشیخ الشعراوی
۶۱	مجموع فتاوی ورسائل	فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین
۶۲	رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
۶۳	فتاوی عزیزیہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ
۶۴	رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا ابو الکلام آزادؒ
۶۵	سیرت مصطفیٰ	محمد ادریس کاندھلوی
۶۶	النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا سید مناظر احسن گیلانی
۶۷	خطبات مدراس	علامہ سید سلیمان ندوی
۶۸	تاریخ تمدن اسلام	جرجی زیدان
۶۹	آداب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ
۷۰	محسن انسانیت	سید واضح رشید حسنی ندوی
۷۱	اخلاق نبوی واقعات کے آئینہ میں	
۷۲	خبردار جدید دہلی	یکم تا پندرہ فروری ۲۰۱۳ء